نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱	کلمۂ آغاز	
۲	کلمۂ تشکر	
۳	مؤلف بحضور رب کریم	
۴	معذرت مؤلف	
۵	خطبۂ ماثورہ	
۶	**باب۱.........حمد باری تعالیٰ**	
۷	**باب۲.........نعت رسول ﷺ**	
۸	**باب۳.........تعارف شخصیات**	
۹	حجۃ الاسلام امام غزالیؒ	
۱۰	حکیم الامتؒ	
۱۱	حضرت عارفیؒ	
۱۲	حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہؒ	
۱۳	حضرت نواب قیصر صاحب دامت برکاتہم	
۱۴	**باب۴.........حقیقتِ نور**	
۱۵	آیات نور	
۱۶	کیفیت نور	
۱۷	نور قلب	
۱۸	نور ذکر	
۱۹	دعاء نور	
۲۰	**باب۵.........حقیقت ایمان**	
۲۱	علامتِ ایمان	
۲۲	حق تعالیٰ کی محبت	
۲۳	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت	
۲۴	باہمی محبت اور سلام کا رواج	
۲۵	اللہ ہی کے لئے محبت و بغض	
۲۶	ایمان اور وفاداری	
۲۷	ایمان کی مٹھاس	
۲۸	راستے سے تکلیف والی چیز ہٹا دینا	
۲۹	اچھے کام سے خوشی اور بُرے کام سے رنج	
۳۰	حیاء و شرم	
۳۱	پڑوسی کو ایذا سے بچانا	
۳۲	بُری بات مٹانا	
۳۳	ایمان اور وساوس	
۳۴	اسلام، ایمان اور احسان	
۳۵	ایمان کی قبولیت کی شرطیں	
۳۶	فلاح کی ضمانت والے احکامِ اسلام	
۳۷	وہ عقائد جن پر ایمان کا دارومدار ہے	
۳۸	کُفر اور شرک کی باتوں کا بیان	
۳۹	بدعتوں اور بُری رسموں اور بُری باتوں کا بیان	
۴۰	بعضے بڑے بڑے گناہوں کا بیان	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۴۱	گناہوں سے بعضے دُنیا کے نقصانوں کا بیان	
۴۲	عبادت سے بعضے دُنیا کے فائدوں کا بیان	
۴۳	**باب۶............حقوق**	
۴۴	حقوق کے اصول	
۴۵	حیوانات کے حقوق	
۴۶	انسان کے حقوق	
۴۷	عام مسلمانوں کے حقوق	
۴۸	ہمسایہ کے حقوق	
۴۹	محتاجوں کے حقوق	
۵۰	قرابت داروں کے حقوق	
۵۱	سُسرالی رشتہ داروں کے حقوق	
۵۲	بھائی بہنوں کے حقوق	
۵۳	آقا کے حقوق	
۵۴	سوتیلی ماں کے حقوق	
۵۵	دادا، دادی اور نانا، نانی کے حقوق	
۵۶	خالہ، ماموں، چچا اور پھوپھی کے حقوق	
۵۷	والدین کے حقوق	
۵۸	ماں باپ کی زندگی میں ان کے حقوق	
۵۹	ماں باپ کے انتقال کے بعد اُن کے حقوق	
۶۰	تعدیل حقوق والدین	
۶۱	شوہر پر بیوی کے حقوق	
۶۲	روٹی کپڑے کا بیان	
۶۳	رہنے کے لئے گھر ملنے کا بیان	
۶۴	بیوی پر شوہر کے حقوق	
۶۵	میاں کے ساتھ نباہ کرنے کا طریقہ	
۶۶	اولاد کی پرورش کرنے کا طریقہ	
۶۷	**باب۷............تجوید**	
۶۸	قرآن شریف کو صحیح پڑھنے کا بیان	
۶۹	**باب۸............کلمۂ حق**	
۷۰	تدبر فی القرآن	
۷۱	عالیشان مساجد	
۷۲	انبیاء کے وارث علماءِ حق کے فضائل	
۷۳	علم نافع	
۷۴	طلباء اور مدارس	
۷۵	کیا فضیلت علم ہر شخص حاصل کرسکتا ہے؟	
۷۶	اسلام اور سلطنت	
۷۷	عوام پر حکمرانوں کے حقوق	
۷۸	مسلمان پر مصیبت کیوں آتی ہے؟	
۷۹	عورتوں کا گھر سے باہر نکلنا	
۸۰	عورت کے چہرہ کا پردہ	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۸۱	عورتوں پر ظلم	
۸۲	کسبِ معاش	
۸۳	خودپسندی	
۸۴	حب جاہ	
۸۵	حقوق اللہ کی بنیاد: شکر	
۸۶	**باب۹..............مجالس احباب (حصہ اوّل)**	
۸۷	نفس کیا ہے اور اس پر قابو کیسے ہو؟	
۸۸	خوش خلقی کیا ہے؟	
۸۹	ظلم اور ہماری معاشرت	
۹۰	دنیا کی محبت	
۹۱	گناہ چھوڑنے کا آسان طریقہ	
۹۲	کیا ہم عجب میں گرفتار ہیں؟	
۹۳	مجاہدہ کیا ہے؟	
۹۴	خواتین - ہمارے ایمان کا امتحان	
۹۵	کیا ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے؟	
۹۶	محبت حق	

☆-----☆-----☆-----☆

يَهۡدِى اللّٰهُ لِنُوۡرِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ

اللہ اپنے نور سے جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے

نورِ ہدایت

جلد اوّل

- دین کے پانچوں شعبوں عقائد، عبادات، معاملات اخلاق اور معاشرت پر مشتمل مع تشریح حقوق اللہ وحقوق العباد
- ایک گلدستہ ہے جو بر کف جام شریعت بر کفے سندان عشق کا مصداق ہے۔
- یہ کتاب کیا ہے اسلامی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ تزکیۂ نفس کا ایک نسخۂ اکسیر ہے۔
- کتاب کے مستند ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہر مسلمان پڑھے۔

مؤلف: ناکارہ ترین خادم حسن امام

ستر اللہ عیوبہ وغفر اللہ ذنوبہ

مجاز بیعت

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب رحمہ اللہ

و

امام السالکین حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب مدظلہ العالی

تقاریظ

ہے بھی نیاز عشق کے قابل متاع دل
پہلے دکھا تو لوں کسی اہل نظر کو میں

حضرت عارفیؒ

تقریظ

از

یادگار اسلاف مرجع المشائخ، امام السالکین، مرشدی الحبیب

حضرت نواب محمد عشرت علی صاحب قیصر مدظلہ العالی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

محترم ومکرم وعزیزم حضرت الحاج پیر طریقت عارف باللہ محمد حسن امام صاحب دامت برکاتہم کو اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ میں جوار حرم شریف میں مستقل قیام کی سعادت عطا فرمائی ہے۔ حضرت مدظلہ کی تالیف ''نورہدایت'' الحمدللہ دین کے پانچوں شعبوں، عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق، معاشرت پر مشتمل ہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تشریح مع حوالہ جات کے بیان کردی گئی ہے۔ متقدمین میں حضرت امام غزالیؒ اور متاخرین میں حضرت حکیم الامت مجدد ملت مولانا اشرف علی تھانویؒ صاحب کی تعلیمات سے اخذ کیا ہے۔ علوم ظاہرہ کو فقہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور علوم باطنہ کا نام تصوف ہے۔ ''نورہدایت'' ایک گلدستہ ہے جو بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق کا مصداق ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو علم نافع کے حصول کا ذریعہ بنائے اور حضرت مؤلف سلمہ کے حق میں باقیات الصالحات بنادے۔ آمین

بندہ محمد عشرت علی قیصر عفی عنہ

کراچی

تقریظ

از

جناب مولانا مفتی عبدالغفار صاحب مدظلہ العالی

الحمدللہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

امابعد! محترم ومکرم جناب حسن امام صاحب زیدمجدہم کی کتاب نورہدایت کا مختلف مقام سے میں نے مطالعہ کیا ہے یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہر مسلمان پڑھے۔ زیادہ تر مضامین قرآن وسنت اور مستند بزرگوں کی کتابوں سے ماخوذ ہیں اس لئے کتاب کے مستند ہونے میں کوئی شبہ نہیں، یہ کتاب کیا ہے، اسلامی تعلیمات کا خلاصہ ہے مصنف خود صاحب دل آدمی ہیں، درددل سے نکلی ہوئی بات بےاثر نہیں ہوتی اس لئے پڑھنے والا اثر لئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسلامی تعلیمات کا حاصل یہی ہے کہ بندے کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا ہوجائے۔ اور یہ بغیر تزکیہ نفس کے ممکن نہیں۔ یہ کتاب تزکیہ نفس کا نسخہ اکسیر ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور مسلمانوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

عبدالغفار عفااللہ عنہ

مقیم حال، معہد عثمان بن عفانؓ لانڈھی

کراچی

تقریظ

از

جناب مولانا مفتی مجدالقدوس خبیب رومی صاحب مدظلہ العالی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد

یھدی اللہ لنورہ من یشاء (اللہ تعالیٰ اپنے نورہدایت سے جس کو چاہے گا ہدایت دے گا) یہ نورہدایت کیا ہے؟ یہ حضرت امام غزالیؒ، حضرت حکیم الامت امام تھانویؒ اور بعض دوسرے اہل علم وفضل کے معتبر اور معتمد مواعظ کا بہترین انتخاب ہے جس کو ہمارے محترم مؤلف زیدت حسناتہم وعمت فیوضہم نے اپنے فکروذوق اور خاص نظر سے جمع کیا ہے۔ اس مبارک ومفید ومؤثر مجموعہ میں منجانب اللہ تعالیٰ نورہدایت اپنے مستند اکابر طریق کے توسط سے نوردل کی شکل میں ضرور شامل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مؤلف زیدت حسناتہم کے فیض اصلاح وتربیت کو عام فرمائے اور موصوف کی اس سعی وکوشش کو حسن قبول عطا فرمائے آمین یارب العالمین بحرمۃ سیدالمرسلین ﷺ۔

احقر مجدالقدوس خبیب رومی عفااللہ عنہ

مفتی (صدر شعبہ افتاء) مظاہر العلوم سہارنپور، یوپی (ہند)

نزیل حال مکۃ المکرّمہ

یکم محرم الحرام ۱۴۲۹ھ (شب یوم الاربعاء)

کلمۂ آغاز

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے

جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

کلمۂ تشکر

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ

سب تعریفیں اللہ کو لائق ہیں

جو مربی ہیں ہر ہر عالم کے

مؤلف بحضور رب کریم

تجھ کو شایاں ہے تری شان کریمی یارب
میں گناہ گار تیرے رحم کے قابل نہ سہی

(حضرت عارفیؒ)

معذرت مؤلف

دوست دارد دوست ایں آشفتگی کوشش بیہودہ بہ از خفتگی
(دوست یعنی حق تعالیٰ اس پریشاں حالی کو پسند کرتے ہیں۔
بیہودہ کوشش کی توفیق ہو جانا بھی سوئے رہنے سے بہتر ہے۔)

یہ تالیف نقائص اور عیوب سے پُر ہے اور مؤلف ناکارہ کے رذائل نفس، بداعمالیوں نیز کم علمی اور بے حیثیتی کی وجہ سے ایک جسارت ہے۔ بندہ کو یہ حق نہیں تھا کہ ایک دینی کتاب اس ناکارہ کی طرف منسوب ہو۔ بندہ اس کا اہل ہی نہیں ہے۔ اہل علم اور اہل ذوق حضرات کے سامنے بندہ اپنے آپ کو قصور وار سمجھتا ہے، شرمندگی محسوس کرتا ہے اور معذرت کرتا ہے۔

بس یہ کتاب کچھ بے اختیار ہی وجود میں آگئی۔ اس کی تالیف بندہ کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ بندہ اپنے خاص احباب کے ساتھ بیٹھ کر ہر ہفتہ جو کچھ پڑھتا اور عرض کرتا تھا اسے اس ناکارہ سے محبت کرنے والے ایک بزرگوار جناب سید محمد حسن طارق صاحب مدظلہ نے قلمبند کروا دیا اور ازخود اس کی طباعت میں دلچسپی لینے لگے۔ ایک مفتی صاحب سے غلطیوں کو ٹھیک کرایا، بعض علماء کرام سے مضامین کے مستند ہونے کی تصدیق کرائی اور کتاب کی شکل میں مسودہ تیار کر کے بھیج دیا۔ شروع ہی میں بندہ نے اس بات کی اطلاع اپنے شیخ و مرشد جناب نواب عشرت علی خان قیصر صاحب دامت برکاتہم کو دی تو حضرت والا نے اس کی نافعیت کی بشارت دی اور کتاب کی شکل

میں اشاعت کی اجازت دی۔

گر چہ کہ مجالس احباب میں بندہ جو بھی عرض کرتا تھا وہ حکیم الامتؒ، امام غزالیؒ اور بندہ کے شیوخ اور بزرگوں کی تعلیمات ہی پر مشتمل ہوتا تھا پھر بھی بندہ کو ایک ایسی کتاب کے تصور سے ہی طبعاً شرم آئی جس میں صرف اس ناکارہ کے مضامین ہوں۔ اس لئے اس میں حکیم الامتؒ کی کتابوں سے بعض مضامین نقل کر کے اور جہاں ضرورت ہو کچھ شرح کر کے شامل کرنے کا داعیہ پیدا ہوا۔ اس کے لئے ایسے مضامین کا انتخاب کیا گیا جن کی اشاعت موجودہ حالات میں ضروری ہے کیونکہ ہر شخص کو اسقدر مطالعہ کا وقت نہیں ملتا کہ ایسے مضامین کتابوں سے نکال سکے۔

جب یہ کام ختم ہوا اور نیا مسودہ تیار ہوا تو بندہ کے شیخ و مربی جناب نواب عشرت علی خان قیصر صاحب دامت برکاتہم نے ملاحظہ فرما کر ہمت افزائی کی اور از راہ شفقت تقریظ کے ایسے کلمات تحریر فرمادئے کہ بندہ شرما کر رہ گیا۔ بندہ کے خاص کرم فرما، حضرت عارفیؒ کے خلیفہ مجاز، حضرت ڈاکٹر نعیم اللہ صاحب دامت برکاتہم نے بھی عجیب غیر متوقع پسندیدگی ظاہر کی کہ ''میں تو اس میں کھو گیا'' اور بندہ کی تقویت کے لئے ایک گرامی نامہ بھی تحریر فرمایا۔ اور کراچی کے ایک گوشہ نشین، گمنام مگر متقی عالم حضرت مفتی عبدالغفار صاحب دامت برکاتہم نے بھی کتاب کو بہت پسند فرمایا اور عجیب محبانہ اور والہانہ تقریظ تحریر فرمادی۔ اس طرح یہ انعام باری تعالیٰ اس ناکارہ پر ہوا اور یہ کتاب وجود میں آ گئی جو شاید آخرت میں اس لئے کام دے جائے کہ اس میں حق تعالیٰ کے مقبول بندوں کی باتیں اور انکا ذکر ہے۔

اشاعت دین:

اسلام وہ دین حق ہے جو سردار دو عالم رسول اکرم ﷺ پر نازل بھی ہوا اور آپ ﷺ کو حق تعالیٰ نے اس دین حق کا ایک عملی نمونہ بھی بنایا۔ پھر حق تعالیٰ نے دو ٹوک حکم کلام پاک میں فرمادیا کہ اب ہر امتی کو اس نمونہ کا علم حاصل کرنے اور اسکے

مطابق زندگی گزارنے کی کوشش فرض ہے۔ صحابہ کرامؓ نے دین حق کو محفوظ کرلیا اور اس پر عمل کر کے رہتی دنیا تک کے لئے اسلام کے قابل عمل اور آسان ہونے کو ثابت کر دیا۔ پھر تابعین تبع تابعین اور ان کے بعد کے بڑے بڑے ائمہ و مشائخ نے صحابہؓ کے مذاق کے مطابق دین کے کُل پانچوں شعبوں یعنی عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق کے مسائل اور اصولوں کو مدون کر کے کتابوں میں شائع کروانے کا ایک سلسلہ شروع کر دیا۔ یہ منجانب اللہ اس امت پر کس قدر بڑا انعام ہوا! کاش ہم اس کی قدر کریں۔

حق تعالیٰ نے ہر زمانے میں اسی دین حق کی اشاعت کے لئے اور اس کی صورت وحقیقت کو محفوظ رکھنے کے لئے ایسے خاص محقق علماء حق اور مشائخ ربانی کو پیدا کیا جن کے دلوں میں تقویٰ راسخ تھا۔ ایسے اہل اللہ نے پوری دیانت داری سے کسی بھی مصلحت کی پرواہ کئے بغیر وہی دین لوگوں تک منتقل کر دیا جو صحابہؓ کے زمانہ سے چلا آرہا ہے۔ اس آخیر زمانے میں حکیم الامت، مجدد ملت مولانا اشرف علی تھانویؒ ایسی ہی ایک ہستی ہیں جن سے حق تعالیٰ نے یہ کام لیا۔ انہوں نے دین کے پانچوں شعبوں کو قرآن وسنت کے عین مطابق قرآن پاک کی آیات اور احادیث شریفہ سے منصوصہ دلائل دیتے ہوئے پیش کیا، تمام بدعات کا قلع قمع کیا اور کسی بھی مصلحت کی پرواہ کئے بغیر صحابہؓ کے زمانہ کا دین عام لوگوں کے لئے، آسان اردو زبان میں، متعدد کتابوں اور مواعظ وملفوظات کی صورت میں شائع کرا دیا۔

دین مشکل ہے یا آسان؟

یہ دین قیامت تک قابل عمل اور آسان رہیگا۔ جب حضور ﷺ نے فرمادیا کہ **الدین یسر** یعنی دین آسان ہے تو یہ بات کبھی غلط نہیں ہوسکتی۔ اگر اس کتاب کو پڑھ کر کسی کو یہ اعتراض ہو کہ اس ماحول میں تو ہم سے اس پر عمل نہیں ہوسکتا۔ اگر بالفرض ایسا ہو تو وہ اتنا ضرور دل ہی دل میں سوچ لے کہ اسلام تو حق تعالیٰ کا دین ہے

اور حق تعالیٰ ہی کے فرمان کے مطابق ہر حال میں قابل عمل اور آسان ہے۔ ہم بغیر آزمائے اسے مشکل کیوں کہیں؟ یہ سوچنے سے ایمان بچ جائیگا۔

یہ بھی سمجھ لیں کہ اسلام کو جہاں آسان فرمایا گیا ہے وہیں یہ بھی ہے کہ اس پر عمل کرنے کے لئے ایک رہنما کی ضرورت ہوتی ہے۔ حضور ﷺ کے وقت سے یہی چلا آرہا ہے کہ لوگ دین کو کسی متقی بزرگ سے سیکھتے چلے آئے ہیں۔ دین اس وقت مشکل معلوم ہوتا ہے جب کوئی ایسا محقق بزرگ سر پر نہیں ہوتا جس سے تمام دینی امور میں رہنمائی لی جائے۔ اس ناکارہ کے شیخ حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب قدس سرہ نے بندہ کی اصلاح کرتے ہوئے یہ ذہن نشین کرایا کہ جب تمہیں دین پر عمل کرنے میں مشکل یا کسی قسم کی بھی ضیق یا تنگی محسوس ہو تو یہ علامت ہے کہ حق تعالیٰ کے حکم کو سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ اپنے ہی فہم کا قصور ہے۔ کسی اللہ والے سے پوچھو وہ تمہیں حقیقت سے آگاہ کردیگا پھر وہی حکم آسان ہو جائیگا۔ دین کا کوئی حکم مشکل نہیں ہے مگر یہ دین کتابوں سے سمجھ نہیں آسکتا اور نہ ٹی وی اور انٹرنیٹ پر اس کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ یہ نور ہدایت تو اہل اللہ کے دل سے دل ملا کر حاصل ہوتا ہے۔

افسوس ہے کہ آج کا مسلمان ڈیڑھ ہزار سال قبل نازل ہونے والے اسلام پر عمل کو مشکل سمجھ کر زندگی کی مٹھاس سے محروم رہ جاتا ہے۔ ایسے مسلمان کی تسلی کے لئے عرض ہے کہ ایسے لوگ مختلف پیشوں میں آج بھی موجود ہیں جن کو اہل اللہ کی صحبت کی وجہ سے دنیا کے ہر ملک میں اسلام کے عملی طور سے آسان ہونے کا مشاہدہ ہوتا رہا ہے۔ بھلا جس دین کو حضور اکرم ﷺ فرمادیں کہ آسان ہے وہ مشکل کیسے ہو سکتا ہے؟ ہاں! اب آج کل اپنی من مانی دینی مصلحتیں گڑھ کر اور مسلمانوں کی دنیاوی بہبود کا نام لیکر ناجائز باتوں کو جائز کرکے جو مسخ شدہ جدید دین پیش کیا جارہا ہے وہ البتہ مشکل ہے۔ آپ خود فیصلہ کریں کہ اسلام اپنی اصلی شکل پر آسان ہوگا نہ کہ بگڑی ہوئی شکل پر؟ جس دین کو حضور اکرم ﷺ نے آسان فرمایا تھا وہ وہی اسلام ہے جو

حضور ﷺ نے پیش کیا تھا اور وہ اسلام مراد نہیں ہوسکتا جو آج کے مصلحت پرست پیش کرتے ہیں۔

اس کتاب میں اُن اہل اللہ کا ذکر ہے اور اُن کی باتیں اور کتابوں کے اقتباسات پیش کئے گئے ہیں جن کو دین پر چلنا آسان تھا۔ بلکہ جو بھی حق تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت سے ان اہل اللہ کا ہاتھ پکڑ کر ان کے نقش قدم پر چلا اس کو بھی دین پر عمل آسان ہوگیا۔ ان شخصیات نے دین اسلام کو اسکی اصلی شکل میں پیش کیا، وہ اسی کی دعوت دیتے تھے اور اسی کی تبلیغ کرتے تھے۔ ان اہل اللہ کو دین پر چلنا اسلئے آسان ہوگیا تھا کہ ۱) ان کو دین کی حقیقت کا علم تھا، ۲) ان کے دلوں میں تقویٰ راسخ تھا، ۳) وہ خود اپنے بڑوں کے طریقہ پر تھے اور اپنی رائے کو فناء کرچکے تھے اور ۴) انہیں صرف اپنے رب کو راضی کرنے کی دھن تھی۔ حق تعالیٰ ان اہل اللہ کے ذکر کی برکت سے ان کا نور اس کتاب میں ظاہر فرمادیں اور یہ کتاب پڑھنے والوں کے لئے نور ہدایت بن جائے۔

آمین۔ اللّٰھم آمین۔ بجق اشرف الانبیاء، سیدالمرسلین و خاتم النبیین ﷺ

مؤلف ناکارہ محمد حسن امام ستر اللہ عیوبہ و غفر اللہ ذنوبہ

خطبۂ ماثورہ

اے خدائے پاک رحمٰن و رحیم   قاضیٔ حاجات و وہّاب و کریم

کسی دینی خطاب سے قبل خطبۂ ماثورہ پڑھنا شعائرِ اسلامی میں شامل ہے۔ یہ تقریر و تحریر کا ایسا ادب ہے جو کسی اور ملت و مذہب میں نہیں ہے۔ حکیم الامت مجدد الملّت جناب مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ یہ خطبہ ماثورہ کم وبیش اپنے ہر وعظ کے شروع میں پڑھا کرتے تھے۔ عارف باللہ حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب قدس سرہٗ بھی اپنے شیخ اوّل جناب مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ کے نقش قدم پر اور حکیم الامتؒ کے طرز پر یہی خطبہ اپنی ہر مجلس میں سامعین کو مخاطب کرنے سے قبل پڑھتے تھے۔ کتاب کے شروع میں اسے نقل کرنے سے سنت کی برکت سے نافعیت کی امید ہے۔ نیز باب نمبر ۹ کے ہر وعظ سے پہلے یہ خطبۂ ماثورہ پڑھا گیا ہے۔ بار بار اس خطبہ کو وہاں لکھنے کی بجائے یہاں ایک بار لکھنا مناسب سمجھا گیا۔ اس خطبۂ ماثورہ کے مضامین کو تزکیۂ نفس میں بھی دخل ہے۔ اس لئے اسکا ترجمہ بھی تحریر کر دیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔

تمام تعریفیں اللہ رب العزت کیلئے ہیں، ہم اسی کی تعریف کرتے ہیں اور اسی سے بخشش طلب کرتے ہیں، اسی پر ایمان لاتے ہیں، اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں اور اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اپنے نفس کے شر سے اور اپنے اعمال کی خرابیوں سے۔ وہ شخص جسکو اللہ تعالیٰ ہدایت عطاء فرمادیں اسکو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، اور جسکو اللہ (اسکے اعمال کی بدولت) گمراہ کردیں اسکو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے جو ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمارے سردار اور آقا حضرت محمد مصطفیٰ (ﷺ) اللہ کے بندے اور اسکے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر اور انکے اصحاب پر رحمتیں، برکتیں نازل فرمائے اور ان پر سلامتی نازل ہو۔ کثرت سے، کثرت سے اور کثرت سے۔

باب ۱
حمد باری تعالیٰ

تجھے تو اب اے ماوَرائے تصور تصور میں لانے کو جی چاہتا ہے
(عارفی)

حق تعالیٰ کی حمد وثناء ذکر اللہ کی اعلیٰ شکل ہے۔اس میں یہ اثر ہے کہ بندہ کو حق تعالیٰ سے محبت عقلی بڑھ جاتی اور اسی محبت کا حق تعالیٰ نے ہم سے مطالبہ کیا ہے۔اس محبت کا جذبات سے تعلق نہیں بلکہ عقل وفہم سے ہے۔اس محبت کے بڑھنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ۱)بندہ حق تعالیٰ کے حکم کو تمام تقاضائے نفس پر ترجیح دینے لگتا ہے۔اور ۲) وہ حق تعالیٰ کے حکم کو بجا لانے میں لوگوں کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتا۔لیکن یہ اتنا بڑا فائدہ یعنی حق تعالیٰ کی محبت مطلوبہ کا بڑھنا اُس حمد سے حاصل نہیں ہوسکتا جو انسانی تخیل پر مبنی ہو کیونکہ حق تعالیٰ ماورائے تصور ہیں یعنی ہر اُس تصور سے پاک ہیں جو بندہ کے ذہن میں آئے۔اس لئے کلام پاک میں حق تعالیٰ نے اپنی معرفت کرانے کے لئے خود ہی اپنی صفات قدسیہ کثرت سے بیان کی ہیں۔اسی کا مختصر سا نمونہ پیش ہے۔ممکن ہے حق تعالیٰ اس کی برکت سے اس کتاب کے مضامین کو نافع بنا دیں۔آمین۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَللّٰہُ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَکُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَکُمْ وَرَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ ۚ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ. ﴿۶۴﴾
(سورۃ المؤمن آیت ۶۴)

اللہ ہی ہے جس نے زمین کو (مخلوق کا) قرارگاہ بنایا اور آسمان کو (مثل) چھت (کے) بنایا اور تمہارا نقشہ بنایا سو عمدہ نقشہ بنایا اور تم کو عمدہ عمدہ چیزیں کھانے کو دیں۔(پس) یہ اللہ ہے جو تمہارا رب ہے۔سو بڑا عالیشان ہے اللہ جو سارے جہان کا پروردگار ہے۔

هُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهٰدَۃِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ ۗ سُبْحٰنَ اللّٰہِ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰہُ الْخٰلِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۗ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿۲۴﴾
(سورۃ الحشر آیت ۲۲-۲۴)

وہ ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی اور معبود (بننے کے لائق) نہیں وہ جاننے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہر چیزوں کا۔وہی بڑا مہربان رحم والا ہے۔وہ ایسا معبود ہے کہ اسکے سوا کوئی اور معبود نہیں۔وہ بادشاہ ہے (سب عیبوں سے) پاک ہے۔ سالم ہے۔(نہ ماضی میں اس میں کوئی عیب ہوا نہ آئندہ اسکا احتمال ہے) امن دینے والا ہے۔نگہبانی کرنے والا ہے۔زبردست ہے۔خرابی کا درست کردینے والا ہے۔بڑی عظمت والا ہے۔اللہ لوگوں کے شرک سے پاک ہے۔وہ معبود (برحق) ہے۔پیدا کرنے والا ہے۔ٹھیک ٹھیک بنانے والا ہے (یعنی ہر چیز کو حکمت کے موافق بناتا ہے) صورت بنانے والا ہے۔اسکے اچھے اچھے نام ہیں۔سب چیزیں جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اسکی پاکی بیان کرتی ہیں۔وہی زبردست حکمت والا ہے۔

باب ۲

نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

ایں قدر دانم کہ رب ذو الجلال   آفریدت منتہائے ہر کمال

(اتنا جانتا ہوں کہ رب ذوالجلال نے آپ کو ہر کمال کی انتہاء پر پیدا کیا تھا)

حق تعالیٰ جل شانہ نے سردارِ دو عالم رسول اکرم احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کے لئے ایک مثالی نمونہ بنا کر بھیجا تا کہ امتی ان کا اتباع اس طرح کرے کہ ان کے نقش قدم پر چلے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہی اصل دین اسلام ہے لیکن جس قسم کی اتباع رسول اللہ ﷺ کی مطلوب ہے وہ بغیر محبت کے نہیں ہوسکتی۔ اور محبت ہوتی ہے معرفت سے۔ نعت سے حضور ﷺ کے کمالات وصفات کا استحضار بڑھ جاتا ہے چنانچہ معرفت بڑھ جاتی ہے اور یہ معرفت محبت کا سبب بنتی ہے۔ لیکن بقول حضرت عارفیؒ: ایسی نعت جو اُن کی جلالت شان اور کمالات نبوت کا بیان ہو انسان کی صلاحیت سے باہر ہے۔ حق تعالیٰ ہی ان کا صحیح تعارف خود اپنے کلام مبین میں فرماتے ہیں:

محمد حامد حمد خدا بس   خدا مدح آفرین مصطفی بس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ
(سورۃ توبہ آیت ۱۲۸)

(اے لوگو) تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے۔ جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں (یہ حالت تو سب کے ساتھ ہے) پھر بالخصوص ایمانداروں کے ساتھ تو بڑے شفیق اور مہربان ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا
(سورۃ الاحزاب آیت ۴۵)

اور آپ (مومنین کو) بشارت دینے والے ہیں اور (کفار کو) ڈرانے والے ہیں۔ (سب کو) اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ق وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ
(سورۃ الجمعہ آیت ۱-۲)

وہی ہے جس نے (عرب کے) ناخواندہ لوگوں میں انہیں (کی قوم) میں سے (یعنی عرب میں سے) ایک پیغمبر بھیجا۔ جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو (عقائد باطلہ واخلاق ذمیمہ سے) پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانشمندی کی باتیں سکھلاتے ہیں اور یہ لوگ (آپ کی بعثت کے) پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

یا رسول اللہ بر تو صبح و شام   بیشمار از من درود است و سلام

باب ۳
تعارف شخصیات

صحبت نیکاں اگر یک ساعت است   بہتر از صد سالہ زُہد و طاعت است

(نیک لوگوں کی ایک لمحہ کی صحبت سو سالہ زُہد و نفل عبادت سے بہتر ہے)

بعد حمد وصلوٰۃ اُن شخصیات کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے جن کی باتیں اس کتاب میں کثرت سے نقل کی گئی ہیں یا جن کی صحبت مؤلف ناکارہ کو نصیب ہوئی ہے۔ان اہلُ اللہ کے ذکر میں نور ہے جسکی وجہ سے انکی حکایات پڑھ کر اپنے عیبوں کا احساس ہوجاتا ہے اور سنت کے مطابق زندگی گزارنے کی خواہش پیدا ہوجاتی ہے۔یہی اصل مقصود ہے،ان شخصیات کے تعارف سے۔شخصیت پرستی مقصود نہیں ہے۔بزرگوں کے ذاتی عذر،ضعف،مصلحت یا مغلوبیت والی باتیں یا کام اگر خلاف سنت ہوں تو ان کی نقل کرنا حماقت ہے۔اسلام میں ایسی شخصیت پرستی کو کوئی دخل نہیں ہے۔بزرگوں کی صحبت محض سنتوں کو سیکھنے اور سنت کے مطابق اخلاق وعقائد اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے اختیار کی جاتی ہیں۔اس کے سوا اور کوئی طریقہ حق تعالیٰ کو راضی کرنے کا نہیں ہے:

خلاف پیمبر کسے رہ گزید   کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

(پیغمبر ﷺ کی مخالفت کر کے کوئی بھی منزل تک ہرگز پہنچ نہیں سکتا)

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ

(کتاب کیمیائے سعادت سے ماخوذ)

آپ کا نام محمد، لقب حجۃ الاسلام اور عرف غزالی ہے۔خراسان کے ایک مقام طابران میں سنہ ۴۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔کچھ ہی عرصہ بعد ان کے والد ماجد کا انتقال ہوگیا اور اُن کی ابتدائی تعلیم وتربیت ان کے والد کے ایک دوست نے کی،پھر امام صاحب نے جرجان میں فقہ پڑھی،اس کے بعد نیشاپور کے مدرسہ نظامیہ میں پہنچ کر اس وقت کے مسلّم الثبوت عالم اور بزرگ امام الحرمین کی خدمت میں اپنی تعلیم مکمل فرمائی،دین کی حقیقت کا علم حاصل کیا اور اسلامی اخلاق بھی سیکھے۔ امام الحرمین اُن کی استعداد پر ناز کیا کرتے۔انہی کے ایماء پر اسی مدرسہ میں بحیثیت مدرّس بھی مقرر ہوئے اور آپ کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی۔

امام الحرمین کے انتقال کے بعد ۴۷۸ھ میں اٹھائیس سال کی عمر میں نیشاپور سے نکل کر نظام الملک طوسی کے دربار میں پہنچے۔خداداد قابلیت وذہانت اور اچھے اخلاق سے دربار میں یہ مقام حاصل ہوگیا کہ کوئی بھی اہم کام آپ کی شرکت ومشورہ کے بغیر انجام نہیں پاتا تھا۔یہ زمانہ مذہبی مباحث ومناظرہ کا زمانہ تھا،امام صاحبؒ نے بھی خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور سب علماء پر وہی غالب رہے اور امام غزالیؒ کی شہرت وعظمت کو چار چاند لگ گئے۔نظام الملک طوسی نے امام صاحبؒ کو ۳۴ برس کی عمر میں مدرسۂ نظامیہ بغداد میں جو اُس وقت عالم اسلام کا سب سے بڑا علمی مرکز تھا مسند درس کے لئے منتخب فرمایا۔تمام حکام واُمراء اور عوام آپ کی علمی استعداد کی وجہ سے بیحد احترام کرنے لگے تھے۔ ۴۸۷ھ کے بعد خلیفہ مستظہر باللہ کی فرمائش پر آپ نے فرقۂ باطنیہ کے رد میں ایک کتاب مستظہری تصنیف فرمائی اور بے شمار علمی کارناموں اور مواعظ کے ذریعہ اسلامی خدمات انجام دیں۔

لیکن حق تعالیٰ نے امام غزالیؒ کو کسی اور ہی کام کے لئے چنا تھا۔ ان کے خیالات میں منجانب اللہ انقلاب واقع ہونا شروع ہوا اور محض علم کے کافی نہ ہونے اور تعلق مع اللہ حاصل کرنے کے لئے اصلاح باطن کی ضرورت کا شدید احساس ہوا۔ پھر حق تعالیٰ کی طرف سے ایسا جذب ہوا کہ عین اس وقت جبکہ آپ شہرت وعزت کے بلند مقام پر فائز تھے تمام جاہ وحشم، دولت، مناصب اور تعلقات کو یکسر ختم کر کے صرف ایک سادہ کمبل اوڑھ کر بغداد سے نکلے اور دمشق پہنچ کر ریاضت میں مشغول ہوگئے۔ اس ریاضت کا مقصد یہ تھا کہ نفس کے فطری تقاضے جو منجانب اللہ ہر شخص میں ہوتے ہیں ان کو قابو میں لایا جائے تا کہ احکام شریعت کی پابندی بلا تکلف ہو سکے اور باطنی اخلاق سنت کے مطابق ہو جائیں تا کہ حق تعالیٰ بندہ سے راضی ہو جائیں۔ یہی حقیقت ہے اس درویشی یا تصوف کی جو شریعت مقدسہ کا ایک حصہ اور اس کا جزء ہے۔ امام غزالیؒ اسی فن کے امام ہیں۔ اس کو کلام پاک میں تزکیہ نفس کہا گیا ہے۔ اس میں کوئی بات قرآن وسنت کے منافی نہیں ہے بلکہ یہ تزکیہ نفس قرآن وسنت کے مطابق ہر شخص پر فرض عین ہے۔ افسوس جاہل صوفیوں نے اپنے حلوے مانڈے کے لئے اور فاسد مقاصد پورا کرنے کے لئے تصوف کا نام استعمال کر کے اس کو بدنام کر دیا۔

امام صاحبؒ نے دو برس کے بعد بیت المقدس کے گنبد صخرہ میں قیام کیا اور نفس کے خلاف ریاضت جاری رکھیں۔ وہاں سے حج کی نیت سے مکہ مکرمہ پہنچے۔ وہاں مدت تک قیام رہا۔ پورے دس سال تک دنیا سے منہ پھیر کر اصلاح نفس کی تکمیل میں گزارے۔ اسی دوران آپ نے وہ زندہ جاوید کتاب تصنیف فرمائی جس کو آج پوری دنیا "احیاء العلوم" کے نام سے جانتی ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جسے اُس وقت کے دنیا پرست علماء نے برداشت نہیں کیا اور آگ میں جلوا دیا کیونکہ امام صاحبؒ نے اُس دور کے علماء کی اصلاح کے لئے اُن کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا۔ لیکن آخر حق کو ہی فتح ہوئی اور پھر ان ہی علماء نے اپنی غلطی تسلیم کی اور اسی کتاب کو آب زر سے لکھوایا۔

وطن واپسی کے بعد امام صاحبؒ دوبارہ مدرسہ نظامیہ نیشاپور میں مسند درس کی رونق بنے لیکن ۵۰۰ھ کے بعد درس وتدریس سے کنارہ کش ہو کر طوس میں خانہ نشین ہوگئے، اور انتقال تک لوگوں کو دین کی حقیقت کی طرف بلاتے اور اصلاح نفس کی تعلیم کر کے فیضیاب کرتے رہے۔ ۱۴ر جمادی الثانی ۵۰۵ھ کو بمقام طابران انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئے۔ امام صاحبؒ کی عمر ۵۵ برس ہوئی، بیس سال کی عمر سے صرف ۳۵ سال میں آپ نے عقل کو حیرت میں ڈال دینے والی علمی خدمات انجام دیں اور سینکڑوں کتابیں بھی تصنیف فرمائیں۔

امام صاحبؒ کی اصلاحی تحریر دل پر اثر کرنے والی اور پڑھنے والے پر اسکے اپنے عیبوں کو ظاہر کرنے والی ہوتی تھی۔ نورانی تحریر ایسی ہی ہوتی ہے۔ نمونہ کے طور سے ایک مختصر اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔ یہ مضمون کتاب تبلیغ دین سے لیا گیا ہے۔ کتاب تبلیغ دین امام صاحب کی کتاب اربعین کے تین ابواب کے ترجمہ پر مشتمل ہے۔ یہ ترجمہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ایماء پر مولانا عاشق علی میرٹھی صاحبؒ نے کیا تھا۔ اس کتاب میں نورانیت ہی نورانیت ہے۔ حکیم الامتؒ اصلاح نفس کے طالب کو یہ کتاب پڑھنے کا مشورہ دیتے تھے تا کہ امراض نفس صاف نظر آنے لگیں۔ اس کتاب کا حسب ذیل مضمون جو غفلت کی بیماری کے بارے میں ہے، امام صاحبؒ کے انداز اصلاح کو خوب ظاہر کرتا ہے۔ اس مضمون میں غفلت سے نیند یا بھول مراد نہیں کیونکہ یہ تو غیر اختیاری امور ہیں۔ شریعت نے غیر اختیاری امور کا ہمیں مکلف نہیں کیا ہے۔ وہ غفلت گناہ ہے جو قصداً ہو جس کی علامت یہ ہے کہ ایسا شخص دنیا میں اپنے کو کھپا کر حق تعالیٰ کے حکموں کو قصداً نظر انداز کرتا ہے، حق تعالیٰ کا جو حکم معلوم ہے اس پر عمل نہیں کرتا اور اگر کسی بات میں شریعت کا حکم نہ معلوم ہو تو اس کو معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ یہ وہ غفلت ہے جو اس وقت بھی مسلمانوں کا سب سے بڑا مرض ہے۔ اب امام صاحبؒ کا مضمون ملاحظہ فرمائیے:

"خوب یاد رکھو کہ غفلت کا باطنی مرض بخار، جاڑا، پھنسی، پھوڑا وغیرہ یعنی جسم کے ظاہری امراض سے بہت بڑھا ہوا ہے۔اس کی کئی وجہیں ہیں:

۱) ایک تو اس وجہ سے کہ بدن کے امراض نظر آتے ہیں اور یہ مرض نظر نہیں آتا۔ اس کی مثال ایسی سمجھو جیسے کسی شخص کے چہرہ پر برص کے سفید داغ ہوں اور اتفاق سے آئینہ بھی موجود نہ ہو جس میں منہ دیکھ کر اپنا مرض معلوم کر لے تو یہ مرض زیادہ خطرناک ہوگا کیونکہ ممکن ہے دوسروں کے کہنے کا اس کو یقین نہ ہو اور اس بے اعتباری میں اس کا مرض بڑھتا جائے۔

۲) دوسرے اس وجہ سے کہ غفلت کے باطنی مرض کا انجام انسان نے دیکھا نہیں اور اس انجام کے نہ دیکھنے کی ہی وجہ سے حق تعالی کی معافی پر بھروسہ کر کے ایسا مطمئن اور بے فکر ہو بیٹھا کہ علاج کی طرف مطلق توجہ نہیں کرتا۔

۳) اور تیسرے اس وجہ سے کہ اس باطنی مرض کے طبیب مفقود ہو گئے! اور یہ بات نہایت درجہ افسوس وحسرت کے قابل ہے۔کیونکہ اس قلبی مرض کے طبیب علماء شریعت اور عقلاء زمانہ تھے، اور وہ خود باطنی بیماریوں میں مبتلاء ہو رہے ہیں۔پھر جب ان کو اپنے ہی علاج کی خبر نہیں دوسروں کا کیا علاج کریں گے۔ظاہر ہے کہ سب سے زیادہ مہلک مرض دنیا اور مال دنیا کی محبت ہے اور اس پُر آشوب زمانہ میں سب سے زیادہ اس مرض میں علماء ہی گرفتار نظر آتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ دوسروں کو دنیا کی محبت سے روکنے اور منع کرنے کی ان کی جراءت نہیں ہوتی، بلکہ اپنی رسوائی کے اندیشہ سے وہ یہ بھی ظاہر نہیں کر سکتے کہ دنیا کی محبت بری چیز اور باطنی امراض میں ایسا مہلک مرض ہے جس سے جانبری دشوار ہے۔پس یہی وجہ ہے کہ یہ مرض لاعلاج ہو گیا کیونکہ جب طاعون یا وبائی مرض عام طور پر پھیل جائے اور دوا کا پتہ نہ مل سکے اور طبیب خود مریض اور اسی مرض کے بیمار بنے ہوئے ہوں تو بھلا اس سے نجات کیونکر حاصل ہو۔ سب سے زیادہ مصیبت تو یہ ہے کہ ان روحانی طبیبوں یعنی علماء کی دیکھا دیکھی عوام

کو دنیا کی محبت کی رغبت بڑھ گئی کیونکہ یہی وہ اصحاب ہیں جن کی تقلید کی جاتی ہے عام آدمی انہی کو اپنا پیشوا اور مقتدا سمجھتے ہیں پس جب انہی کو دنیا کی محبت میں گرفتار دیکھیں گے تو پھر اس کو اچھی بات سمجھ کر کیوں نہ اقتداء کریں گے۔

افسوس کہ جن کو طبیب بنا کر دنیا میں بھیجا گیا تھا انہوں نے بجائے علاج کے مرض کو اور بڑھا دیا۔جو لوگ مصلح بن کر آئے تھے وہ مفسد بن گئے۔اور جن کو رہبر تجویز کیا گیا تھا وہ خود گمراہ ہو کر دوسروں کا راستہ کھوٹا کرنے کے درپے ہو گئے۔گویا شیریں چشمہ کے دہانہ پر پتھر رکھ کر اڑ گئے کہ نہ خود پانی پئیں نہ دوسروں کو پینے دیں۔اے کاش! ان سے دنیا خالی ہو جائے اور یہ پتھر دہانہ سے سرک جائے۔اگر وہ خود نا قابل ہیں تو نا قابل ہی سہی، مگر چشمہ کا دہانہ کیوں روکے ہوئے ہیں؟ پرے ہوں، الگ ہٹیں کہ دوسرے پیاسے تو سیراب ہو جائیں۔"

حکیم الامتؒ

(کتاب مآثر حکیم الامت اور اشرف السوانح سے ماخوذ)

راہ حق تجھ کو اگر مطلوب ہے
دوڑ کر تھانہ بھون کی راہ لے

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی اشرف علی تھا۔ ولادت باسعادت ۵ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ چہارشنبہ کے دن صبح صادق کے وقت بمقام تھانہ بھون (ضلع مظفر نگر یوپی انڈیا) میں ہوئی۔ تھانہ بھون کے ایک مقتدر علم و وجاہت والے خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ دادھیال فاروقی اور ننھیال علوی ہے۔ والد جناب عبدالحق صاحب ایک مالدار مقتدر رئیس اور صاحب جائداد تھے۔ اور میرٹھ کی ایک بڑی ریاست کے مختار عام تھے۔ والدہ پیر زادوں کے ایک مشہور خاندان کی ایک باخدا اور صاحب نسبت خاتون تھیں۔ یعنی حکیم الامتؒ کو عقل وفراست کی دولت دادھیال سے ملی تو عشق الٰہی کی دولت ننھیال سے ملی۔

پانچ سال کی عمر ہی میں والدہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا۔ والد نے والدہ سے بھی زیادہ شفقت کی اور ایسی محبت سے پالا کہ والدہ کا رنج بھلا دیا۔ والد کی خداداد فراست نے بچپن سے ہی آپ کو دینی تعلیم کے لئے اور چھوٹے بھائی اکبر علی کو انگریزی تعلیم کے لئے منتخب فرمایا تھا۔ انہوں نے علوم فارسی وحفظ قرآن سے حکیم الامتؒ کو وطن ہی میں فارغ کرایا پھر دیوبند بھیج دیا۔ دارالعلوم دیوبند سے علوم دینیہ کی تکمیل ۱۳۰۰ھ میں ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر تقریباً ۲۰ سال تھی۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ العزیز کے متبرک ہاتھوں سے آپ کو دستار فضیلت ملی۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد یعقوب صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی توجہات خصوصی آپ کے

ساتھ وابستہ رہیں۔ تعلیم سے فارغ ہو کر آپ صفر ۱۳۰۱ھ میں ملازمت کے لئے مدرسہ فیض عام کانپور تشریف لے گئے۔ لیکن چونکہ آپ کو اس سے سخت نفرت تھی کہ ایک عالم دین مدرسہ کے لئے چندہ کی تحریک کرے بلکہ اس کو غیرت دینی کے خلاف سمجھتے تھے اس لئے تین چار ماہ بعد ہی جب مدرسہ والوں کو آپ کے اس موقف سے شکایت ہوئی تو وہاں سے قطع تعلق کرلیا اور تھانہ بھون کا قصد کیا۔ لیکن روانگی سے پہلے حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ کی زیارت کو تشریف لے گئے کہ پھر شاید اس طرف آنا نہ ہو۔ اس موقع پر آپ کے والد صاحب نے تدریس جاری رکھنے کا مشورہ دیتے ہوئے لکھا کہ ''ہمیں تو نوکری مقصود نہیں، اللہ تعالیٰ نے سب کچھ دے رکھا ہے ہم نے تو محض اس لئے تم کو نوکری کی اجازت دیدی تھی کہ ابھی کتابیں تازہ ہیں پڑھانے سے پختہ ہو جائیں گی''۔ اس دوران کانپور کے مقتدر حضرات نے جن کو آپ سے بے حد محبت وعقیدت ہوگئی تھی یہ طے کیا کہ ایسے قابل اور متقی مولوی کہاں ملتے ہیں، ان کو یہاں سے نہ جانے دیا جائے اور ان کے لئے ایک الگ مدرسہ کھولا جائے۔ چنانچہ جب آپ گنج مرادآباد سے واپس آئے تو بے حد اصرار سے نیا مدرسہ کانپور کی جامع مسجد میں کھول کر آپ کو روک لیا۔ آپ نے اس مدرسہ کا نام جامع العلوم رکھا۔ وہاں ۱۴ سال درس وتدریس میں مشغول رہے اور علوم ظاہری وباطنی کے فیض سے خواص وعوام میں آپ کی ہر دلعزیزی اور جاذبیت روز بروز بڑھتی گئی۔

کانپور میں تدریس کے دوران ۱۳۱۰ھ میں حج کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ نے پہلا حج بیس سال کی عمر میں اپنے والد صاحب کی معیت میں ۱۳۰۱ھ میں کیا تھا اور قطب العالم شیخ العرب والعجم حضرت شاہ محمد امداد اللہ صاحب تھانوی ثم مہاجر مکی قدس سرہ العزیز سے تزکیہ نفس کے لئے دست بدست بیعت ہونے کا شرف حاصل کیا تھا۔ اس بار پیر ومرشد کے ایماء وخواہش سے چھ ماہ ان کی خدمت میں مکہ مکرمہ میں

قیام کیا اور اپنے شیخ کی مشفقانہ ومربیانہ تربیت باطن اور توجہات خصوصی کے ساتھ اپنا تزکیہ نفس قرآن وسنت کے مطابق کراتے رہے اور رذائل نفس پر قابو پاکر حق تعالیٰ کے احکام پر پورا پورا عمل کرنا سیکھتے رہے اور اپنے شیخ کے علوم ربانی وفیوض روحانی سے مستفیض ہوتے رہے۔حاجی صاحبؒ نے آپ کی صلاحیت اور استعداد کا اندازہ کرتے ہوئے نہایت مسرت کے ساتھ خلعت خلافت سے سرفراز فرمایا اور خاص بشارتوں اور وصیتوں کے ساتھ رخصت فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ: ’’دیکھو جب کبھی کانپور میں مدرسہ کی ملازمت سے برداشتہ خاطر ہو جاؤ تو پھر اپنے وطن تھانہ بھون میں ہماری خانقاہ اور مدرسہ کو از سر نو آباد کرنا اور توکلا علی اللہ وہاں قیام پذیر ہو جانا انشاء اللہ تعالیٰ تم سے خلائق کثیرہ کو نفع پہنچے گا۔میری دعائیں اور توجہات تمہارے شامل حال ہیں۔‘‘

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔حج بیت اللہ سے واپس آکر کچھ عرصہ درس وتدریس میں مشغول رہے۔ ۱۳۱۵ھ میں ملازمت چھوڑ کر اپنے وطن تھانہ بھون میں اپنے پیر ومرشد کی یادگار خانقاہ امدادیہ میں حق تعالیٰ پر کامل توکل کے ساتھ قیام پذیر ہو گئے اور خاندانی دولت اور بھائی کی مالی امداد کی پیشکش سے منہ موڑ لیا اور نہ ہی کسی مدرسہ سے ملازمت کا کوئی تعلق رکھا۔اس زہد وتوکل پر جو نبیوں کی سنت ہے حضرت حاجی صاحبؒ نے مکہ مکرمہ سے تحریر فرمایا۔’’بہتر ہوا کہ آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے امید ہے کہ خلائق کثیر کو آپ سے فائدہ ظاہری وباطنی ہوگا اور آپ ہمارے مدرسہ اور مسجد کو از سر نو آباد کریں گے۔میں ہر وقت آپ کے لئے دعا کرتا ہوں۔‘‘

اس کے بعد یہ مجدد وقت تھانہ بھون میں اپنی مسند رشد وہدایت پر اصلاح اُمت کا نسخۂ اکسیر صحابہؓ کے انداز پر لیکر بیٹھا۔آسمان کے نیچے ایک مہتمم بالشان مجلس لگی، حقیقت منکشف ہوئی،شریعت کے حکموں پر پورا پورا چل کر حق تعالیٰ کو راضی کرنے کا طریق زندہ ہوا،اصلاح کا باب کھلا،انسانیت تقسیم ہوئی،بدعات کا قلع قمع

ہوا اور گمراہی کے دروازے بند ہونے شروع ہوئے۔خانقاہ تھانہ بھون حکیم الامتؒ کے اس قول کی منہ بولتی تصویر بن گیا کہ ’’بزرگ بننا ہو،قطب بننا ہو،غوث بننا ہو تو کہیں اور جاؤ اور انسان بننا ہو تو یہاں آؤ‘‘ اور وہ مخلص مسلمان جو اپنے غصہ،کبر، کینہ،حسد،ظلم،جاہ طلبی،خودپسندی وخودرائی اور شہوت وغیرہ پر قابو پاکر انسان بننا چاہتے تھے ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے سمٹ آئے۔ علماء اور طلباء ہی صرف نہیں بلکہ ان میں انگریزی تعلیم یافتہ،انجنیر،ڈاکٹر،وکیل،بیرسٹر،سرکاری افسر اور تجارت و زراعت پیشہ امیر غریب سب ہی طرح کے لوگ تھے۔حضرتؒ اپنی مجلس میں علوم ومعارف وحقائق کے دریا بہاتے اہل ذوق حضرتؒ کی باتیں سنتے اور لکھتے۔اہل دل تعلق مع اللہ کا وجدان حاصل کرتے۔بڑے بڑے علماء وعقلاء اور فلسفی،حکیم الامتؒ کے سامنے گردن جھکا کر بیٹھ جاتے۔

تصوف کے وہ حقائق ومعارف جو عربی وفارسی زبان میں راز کی صورت میں مدون تھے اس دور آخر کے مجدد نے علی الاعلان سہل اردو زبان میں سب کے سامنے فاش کر کے بتا دیا کہ جاہل صوفیاء نے تصوف کو بدنام کیا ہے ورنہ تمام تصوف و سلوک کا حاصل سوائے اس کے کچھ نہیں کہ حق تعالیٰ کو راضی کیا جائے اور حق تعالیٰ شریعت کے مطابق ظاہری اور باطنی احکام کی بجا آوری سے راضی ہوتے ہیں۔ حکیم الامتؒ نے دین حق کے ایک ایک جزو کو ایسا بے غبار کر دیا کہ صدیوں تک تجدید کی ضرورت باقی نہ رہی اور اس شاہراہ پر دور دور تک اب کسی جاہل صوفی کی مجال نہیں کہ دھوکا دے سکے۔

خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں حضرتؒ نے اپنی زندگی کے پچاس سال تصنیف وتالیف اور مواعظ وملفوظات سے دین کی خدمت کرنے میں بسر کئے۔ایک ہزار کے قریب ایسی کتابیں اور رسالے تصنیف فرمادیں جو محض علمی نہیں بلکہ عملی طور سے نہایت مفید اور مضامین والفاظ کے لحاظ سے الہامی ہیں۔اس دوران ملک اور بیرون ملک

سے ہزاروں سالکین طریق اور دین حق کے طالب، تعلیم وتربیت باطنی اور تزکیۂ نفس سے فیضیاب اور بہرہ اندوز ہوکر بحمداللہ امت مسلمہ کے رہبر اور مرشد بن گئے۔

تمام اہل حق نے تسلیم کیا کہ وہ حکیم الامت، مجدد ملت، محی السنّت (سنت کو زندہ کرنے والے) اور حجۃ اللہ فی الارض تھے۔ یہ القاب نہ تھے بلکہ اوصاف تھے۔ حکیم الامتؒ کی تصانیف وتالیف ان کی حیات ہی میں مسلمانوں کے ہر طبقہ کے خواص وعوام میں اپنی جامعیت ونافعیت کی بناء پر مقبول ہوئیں برصغیر کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئیں اور اشاعت کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے اور دنیا بھر میں مسلمان ان سے مستفیض ہوکر اپنے عقائد اور اعمال کی اصلاح کر رہے ہیں۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ یہ عظیم شخصیت تریسٹھ سال تک دین کی تجدید واصلاح امت میں ہمہ تن مشغول رہ کر بیاسی سال کی عمر میں ۱۶ رجب ۱۳۶۲ھ (مطابق ۱۹ جولائی ۱۹۴۳ء) کو بوقت نماز عشاء اپنے مالک حقیقی کی بارگاہ رحمت ومغفرت میں شاداں وکامراں باریاب ہو گئی۔

حضرت عارفیؒ

عارفی میرا ہی دل ہے محرم ناز و نیاز　　بعد میرے راز حسن وعشق سمجھائیگا کون

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صدیقی نوراللہ مرقدہ اپنے شاعرانہ تخلص اور عارفانہ کلام کی وجہ سے حضرت عارفی کہلاتے تھے۔ والد ماجد کا اسم گرامی علی عباس صدیقی تھا۔ حضرت عارفیؒ کی ولادت باسعادت ۸/ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ (جون ۱۸۹۸ء) بمقام کدورہ ریاست باونی (یوپی، ہندوستان) میں ہوئی۔ بچپن ہی میں والدہ انتقال فرماگئیں اور دادا، دادی کی آغوش شفقت میں پرورش پائی۔ آپ کا خاندان اولیاء اور صلحاء کے نور سے منور تھا۔ دادا مولوی کاظم حسین صاحبؒ بڑے صاحب علم، صاحب دل، اور صاحب تاثیر بزرگ اور مولانا شاہ ابوالخیر صاحب مجدّدیؒ کے مجازین میں تھے۔ دادی صاحبہ صاحبزادی تھیں یوپی کے ایک بزرگ منشی نادر حسین صاحبؒ کی جنہیں حق تعالیٰ نے وجاہت دنیوی وعلمی کے ساتھ دینی وباطنی نعمتوں سے بھی نوازا تھا۔ وہ نواب محسن الملک مرحوم کے عزیز بلکہ چچاؤں میں تھے اور مشہور بزرگ حضرت شاہ غلام رسول صاحب رسول نما کانپوری کے خلفاء میں سے تھے۔

حضرت عارفیؒ نے سات سال کی عمر میں ۱۹۰۵ء میں کلام پاک ختم کیا اور ابتدائی تعلیم کے بعد عربی کی ابتدائی صرف ونحو اور فارسی درسیات کی تکمیل دادا کی نگرانی اور براہ راست تدریس وتعلیم سے ہوئی۔ پوتے نے دادا سے علم بھی حاصل کیا اور علم کی چاشنی بھی پائی اور دادا کے محبت حق میں ڈوبے ہوئے دل نے وہی درد محبت اور سوز و گداز بھی پوتے کی رگ رگ میں پیوست کردیا۔ جب دینی اعتبار سے بنیادی صلاحیتیں پیدا ہوگئیں اور دین کی ترجیح دل میں راسخ ہوگئی اور ایمان کی حفاظت کا سامان ہوگیا تو فریضہ کسب معاش کی ادئیگی کے لئے

انگریزی تعلیم جدامجدؒ نے ۱۹۰۸ء میں شروع کرائی۔اسکولوں کی تعلیم کانپور میں پائی۔ایم اے او کالج علیگڑھ سے ۱۹۲۴ء میں بی اے کے امتحان میں کامیابی ہوئی۔پھر قانون کی سند لکھنؤ یونیورسٹی سے ۱۹۲۶ء میں حاصل ہوئی۔

اس تعلیم کے باوجود حضرتؒ انگریزی تعلیم اور طور طریقوں سے کراہت اور سنت سے رغبت ومحبت کرتے تھے۔انگریزی اسکولوں سے اسقدر کراہت تھی کہ اپنے بچوں کو ابتدائی تعلیم میٹرک تک گھر پر دلوائی۔ساٹھ سال بعد بھی کراچی کی مجالس میں انگریزی تعلیم بچوں کو شروع سے ہی دینے کی خرابی بیان فرماتے تھے۔۱۹۸۴ء کی ایک مجلس میں فرمایا کہ جب بچے نے c سے cat اور d سے dog پڑھکر تعلیم شروع کی تو اب اس میں کتے بلی کی ہی خصوصیات پیدا ہونگی۔ اس ناکارہ نے یہ سنا تو مجلس کے بعد کچھ بیتابی سے عرض کیا کہ حضرت میں کیا کروں؟ بچوں کو تو یہی واہیات تعلیم شروع کرادی ہے۔کیا اسکول سے نکال لوں؟ حضرت نے فرمایا ''واقعی ہے تو سوچنے کی بات!'' اور غالباً کچھ دعاء کی۔ حق تعالیٰ نے ایسا فضل فرمایا کہ اس کے چند ماہ بعد ہی بندہ کو مکہ مکرمہ میں ملازمت مل گئی اور بچوں کو قرآن اور عربی زبان کی ابتدائی تعلیم نصیب ہوئی۔ تجربہ ہمیشہ یہی ہوا کہ جو مشکل حضرتؒ کی خدمت میں عرض کردی اس کا حل منجانب اللہ نکل ہی آیا۔

خود حضرت عارفیؒ نے قانون کی تعلیم مجبوراً حاصل کی تھی۔قانون کی تعلیم کی اطلاع حکیم الامتؒ کو دی تو حکیم الامت نے جواب میں یہ استفسار فرمایا کہ ''سچی ایمانی قوت اور اتباع سنت کیا تعلیم قانون کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے؟'' حضرت عارفیؒ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ ''مجھے یہ معلوم کرکے بہت ملال ہوا کہ تعلیم قانون سے میں اتنی عظیم سعادت سے محروم ہوجاؤنگا، مجھے سخت افسوس ہے کہ زندگی کا ایک گرانقدر حصہ بے سود صرف ہوا، مجھے خود قانون کی طرف

رجحان طبیعت نہیں تھا لیکن چند واقعات نے مجھے میری مرضی کے خلاف مجبور کر دیا۔''

قانون کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد تھانہ بھون حاضری دی۔وکالت کا پیشہ اختیار کرنے کے سوال پر حکیم الامتؒ نے بس یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ'' تارک الوکالت ہونا بہتر ہے بہ نسبت متروک الوکالت سے۔'' یعنی تم خود وکالت کو آزما کر چھوڑو یہ اس سے بہتر ہے کہ وکالت تمہیں چھوڑ دے۔حکیم الامتؒ کی اس بات میں حکمت تھی کہ کبھی زندگی میں یہ خلش نہ پیدا ہو کہ اگر وکالت کرتا تو اچھا ہوتا۔یہ خلش ایمان کے لئے نقصان دہ ہوتی۔اس وقت معاش کی کوئی دوسری مناسب صورت بھی نہ تھی۔اس لئے حضرت عارفیؒ نے دس سال تک ضلع ہردوئی میں وکالت کی۔دیانتداری کی وجہ سے رسیور کا عہدہ حکومت کی طرف سے دیا گیا لیکن عدم مناسبت اور عدم دلچسپی کی وجہ سے اور غیر مسلم ججوں کے ظلم کی وجہ سے زندگی کا یہ حصہ سخت مشکلات، آزمائش اور قرض میں گزرا لیکن حکیم الامتؒ کی رہنمائی میں زندگی کا یہی حصہ تزکیہ نفس کا ذریعہ بن گیا۔

آخر کار حکیم الامتؒ کا ایماء پاکر ۱۹۳۵ء میں تارک الوکالت بن گئے اور ذریعہ معاش کے لئے ہومیو پیتھک طریق علاج کا فیصلہ کیا، اس کا علم حاصل کیا، تجربہ کار ڈاکٹر سے فن سیکھا اور اس پیشے کو عمر بھر کے لئے اختیار کرکے جونپور میں قیام پذیر ہوگئے۔یہ ایک بڑی قربانی تھی۔

۱۹۷۱ء تک عسرت اور مقروضیت کے مجاہدات سے گزرے پھر حق تعالیٰ نے وسعت اور فراغت کا دور بھی عطاء فرمادیا۔اس دور میں کار خیر اور اہل حقوق کی امداد میں اس قدر خرچ کرتے کہ زکوٰۃ کبھی واجب نہیں ہوئی مگر اسراف اور نعمت کی ناقدری سے بہت بچتے۔ایک بار حضرتؒ اس ناکارہ کو اپنے ساتھ دولت کدہ سے مطب لے گئے۔مطب میں داخل ہوتے ہی حسب معمول ایک خادم نے

جھاڑو دینی شروع کی۔ حضرت نے بندہ کو فرمایا کہ دیکھو جھاڑو میں ایک پن جارہی ہے اسے اٹھالو۔ بندہ نے پن اٹھا کر دی۔ اس پن کے کچھ حصہ میں زنگ بھی لگا ہوا تھا۔ حضرت نے پن کو حفاظت سے رکھلیا اور فرمایا کہ ضرورت میں یہ کام آئیگی۔ بظاہر معمولی سی بات تھی مگر عمر بھر کے لئے زاویہ نگاہ کو ٹھیک کرنے والا سبق تھا۔

تعلیم کے دوران ہی دسمبر ۱۹۲۴ء میں حضرتؒ کا نکاح پھوپھی زاد بہن سے ہوا۔ حضرت عارفیؒ کو خود ہی سنت کے اہتمام کا شوق تھا اور چونکہ حق تعالیٰ کو آپ سے یہ کام لینا تھا کہ وہ حق تعالیٰ کی طرف لوگوں کو بلائیں اور ایسی تبلیغ کے لئے سنت کے مطابق ظاہری اور باطنی زندگی بھی ضروری ہے اس لئے منجانب اللہ حضرت عارفیؒ کا نکاح بھی سنت کے مطابق انتہائی سادگی سے مسجد میں ہوا۔ حضرتؒ تن تنہا مرادآباد تشریف لے گئے حضرتؒ کے والد صاحب بھی سادگی کی مثال قائم کرنے کے لئے ساتھ نہیں گئے۔ حضرت عارفیؒ کو خلاف سنت شادیاں پسند نہیں تھیں اور شادیوں میں اسراف پر بار بار تنبیہ فرماتے تھے لیکن اپنے اقارب اور خاص احباب کی دل شکنی نہ ہو اس خیال سے بعض اوقات ایسی تقاریب میں مجبوراً شرکت فرماتے تھے۔ ایک بار ایسی ہی ایک خلاف سنت تقریب سے واپس تشریف لائے۔ بندہ ناکارہ موجود تھا۔ دولت کدہ کے دروازہ پر پہنچتے ہی فرمایا "مجھ سے بیگار لیتے ہیں" اور تین بار یہ جملہ دہرایا۔ حضرتؒ ہر طالب اصلاح کو شادی اور تمام امور زندگی میں اپنی تمام حالتیں بہشتی زیور کے مطابق رکھنے کی ہدایت فرماتے۔ ایک بار ایک بزرگ شخصیت نے حضرت کو کہا کہ آپ کے بعض مرید اور متعلقین سنت کے مطابق سادگی سے شادیاں نہیں کرتے، آپ ان کو تنبیہ کیوں نہیں فرماتے؟ حضرت نے اس اعتراض کو مجلس میں نقل کیا اور فرمایا کہ میں کیوں اس بات پر تنبیہ کروں کیا ان کو علم

نہیں ہے؟ کیا ان کو بہشتی زیور پڑھنے کو اور عمل کرنے کو کہ نہیں دیا ہے؟ حضرت نے ایک پرچہ (پمفلٹ) چھپوا کر تقسیم کروایا تھا جس کا عنوان تھا: دور حاضر کے بڑے بڑے گناہ جن کو ترک کئے بغیر دوزخ سے نجات نہیں ہوگی" اس پرچہ میں پندرہواں گناہ یہ درج ہے: "تقاریب شادی وغیرہ میں نمائش و زیبائش کے لئے روپیہ صرف کرنا جو اسراف و تبذیر ہے اور گناہ کبیرہ ہے۔"

جب ۱۹۸۵ء میں صدر پاکستان کی بہت عاجزانہ درخواست پر اور پرانے بزرگوں اور اہل اللہ سے صدر کے تعلق کی وجہ سے حضرتؒ انکی صاحبزادی کا نکاح پڑھانے تشریف لے گئے تو صدر پاکستان نے بھی حضرتؒ کے مزاج کے لحاظ سے مسجد میں نکاح، فرشی نشست اور پوری سادگی سے تقریب کا اہتمام کیا اور کوشش کی کہ کوئی بات سنت کے خلاف نہ ہو۔ اس تاریخی نکاح میں حضرت عارفی نے صدر مملکت اور بڑے بڑے ارباب حکومت کے سامنے بلا خوف و جھجک حق بات کہی۔ جب نکاح کے فوراً بعد مبارک سلامت کے شور سے مسجد کا ادب ملحوظ نہیں رکھا گیا تو حضرت نے مائیک اپنے ہاتھ میں لیکر بے دھڑک فرمادیا کہ کیا ہمارے اندر اتنا بھی خانہ خدا کا احترام نہیں ہے کہ ہم یہاں شور کرنے سے باز رہیں۔ معاف کیجیے یہ ہم سے بہت بڑی غلطی ہوئی ہے۔ بڑی سخت بدتمیزی ہم نے کی ہے۔ یہ شور مسجد کی بے حرمتی ہے۔ ہم نے گناہ کیا ہے اور یہ بڑی کوتاہی ہم سے ہوئی ہے۔ آپ سے میری درخواست ہے کہا آپ سب مل کر بلکہ ہم سب ملکر اللہ کے حضور استغفار کریں۔ اس پر حضرت کے ساتھ صدر صاحب اور تمام مجمع استغفر اللہ پڑھتا رہا۔ صدر پاکستان کو بجائے اسکے کہ ناگواری ہوتی حضرت جیسے ہی اٹھے بلا تکلف حضرتؒ کے پیر دبانے شروع کردیئے۔

حضرت عارفیؒ کا حکیم الامتؒ سے تعلق ۱۹۱۷ء سے شروع ہوا تھا۔ دعاء کے

لئے خط لکھا کرتے ۔ ۱۹۲۳ء سے با قاعدہ اصلاحی خط و کتابت شروع کی ۔ ۱۹۲۷ء میں حکیم الامتؒ کی خدمت بابرکت میں حاضری ہوئی اور بیعت کی سعادت حاصل ہوئی ۔ ۱۹۳۵ء میں ترک وکالت کے فوراً بعد حکیم الامتؒ نے ان کو اجازت خلافت سے سرفراز فرمایا۔ بقول عارفیؒ : ”حضرت والا سے میرا تعلق بیعت کے بعد سے حضرت کی وفات تک سترہ سال رہا۔اس عرصہ میں میں نے التزاماً اپنے حالات کا عریضہ ہر ہفتہ ارسال خدمت کیا۔اس میں الحمدللہ کبھی ناغہ نہیں ہوا۔“ حکیم الامتؒ کی تربیت نے حضرت عارفیؒ کے اعلیٰ اخلاق کو ایک عجیب بلندی پر پہنچا دیا ۔ بقول حضرت بابا نجم احسن صاحبؒ ”حکیم الامتؒ کی توجہات خاص نے عارفی کو باطنی طور پر جمال ہی جمال بلکہ یوسف جمال بنا دیا۔“ اس باطنی جمال کا ایک مظہر حضرت عارفیؒ کا اپنے گھر والوں سے وہ سلوک تھا جس کے قریب بھی اب شاید کوئی نہ پہنچ سکے۔حضرتؒ نے اپنی ساٹھ سالہ شادی شدہ زندگی میں کبھی اپنے گھر والوں سے لہجہ بدل کر بات نہیں کی اور نہ کبھی ان کو کسی کام کو کہا۔ یہ وہ سلوک ہے جو عین سنت ہے ۔چنانچہ جب حضور ﷺ باہر سے گھر تشریف لاتے اور بھوک ہوتی تو حکم نہیں فرماتے کہ کھانا لاؤ بلکہ یوں فرماتے کہ کیا کھانے کو کچھ ہے؟ ۔قرآن اور حدیث میں بیویوں سے خوش خلقی کی تاکید بہت واضح ہے۔حضرتؒ اپنے آپ کو خادم سمجھتے تھے اور اصلاح کے طالب کو یہی تلقین کرتے تھے کہ اپنے آپ کو بیوی بچوں کا خادم سمجھو ۔

۱۹۵۰ء میں جبکہ حضرت عارفیؒ کی عمر ۵۲ سال تھی ہندوستان سے ہجرت کر کے کراچی تشریف لے آئے ۔کراچی میں کسب معاش کے لئے ایک ہومیو پیتھک ڈاکٹر کی حیثیت سے اپنے ہندوستان کے ۱۵ سالہ تجربہ کی بناء پر دوبارہ پریکٹس کا آغاز کیا۔ اور جلد ہی حضرت عارفیؒ کا مطب جسمانی وروحانی علاج کا ایک ایسا مرکز بن گیا جس سے ہزاروں شفایاب ہوئے ۔ساتھ ہی پیر اور جمعہ کی اصلاحی بیان کی مجالس بھی شروع ہوگئیں اور یہ سلسلہ بھی بطور کرامت بلا ناغہ تا حیات جاری رہا۔حضرتؒ کی

ایک بڑی خصوصیت ان کی ہر دم گھڑی پر نظر تھی ۔نظام الاوقات کی پابندی عجیب تھی ۔ اپنے معمولات کو وقت پر ضرور ادا کر لیتے تھے ۔آخر عمر میں بعض اوقات ضعف یا مرض سے نڈھال ہوتے تھے مگر اس حال میں بھی اپنے نظام الاوقات کے مطابق اٹھ کھڑے ہوتے تھے ۔کتاب معمولات یومیہ میں پہلی نصیحت یہی تحریر فرمائی ہے کہ ایک مستحکم نظام الاوقات بناؤ۔حضرتؒ کی ایک اور بڑی خصوصیت اہل تعلقات کے حقوق کی ادیگی اور ان سے محبت تھی ۔کم و بیش ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ حضرتؒ اسی کو سب سے زیادہ چاہتے ہیں اور توجہ فرماتے ہیں ۔اقارب کے ہاں جانے کے لئے ہفتہ میں ایک دن مقرر تھا اور روزانہ حضرتؒ کا دروازہ اہل تعلقات کے لئے کھلا ہوتا تھا۔رعایت حقوق اور حفظ حدود کا ہر دم خیال رکھتے ہوئے حضرتؒ اپنے تمام معمولات کو آخری وقت تک پورا کرتے رہے اور جمعرات ۱۵ رجب ۱۴۰۶ھ (۲۷/مارچ ۱۹۸۶ء) کو فجر کی اذان کے ساتھ اپنے تمام فرائض اور ذمہ داریوں سے بطریق احسن سبکدوش ہوکر حق تعالیٰ سے جا ملے۔

حضرتؒ کے چہرہ پر سنت کے مطابق محبت آمیز تبسم ہوتا تھا۔بس وہ حضور اکرم ﷺ کی ہر ادا کو جذب کئے ہوئے تھے۔شخصیت میں دلفریب متانت اور سادگی لئے ہوئے اپنے وقت کا یہ قطب الارشاد پوری استقامت وقوت سے خود بھی شریعت پر عمل کرتا اور ہزاروں کو شریعت کی حقیقت سے آشنا اور شریعت کا خوگر بنا گیا۔حضرت عارفیؒ عجیب پُرتاثیر زبان سے کلمۂ حق بیان فرماتے ۔مضامین وہ بیان فرماتے جن کی حالات حاضرہ میں ضرورت ہوتی ۔رائج الوقت گناہوں اور بالخصوص ٹی وی، ریڈیو، تصاویر، موسیقی ، بے پردگی اور عورتوں مردوں کے اختلاط وغیرہ کے خلاف کثرت سے بیان فرماتے ۔ایسا انداز بیان تھا کہ گناہ کی برائیاں سامنے آجاتیں، گناہگاروں کو امید کی کرن ملتی ۔صاحب کشف اہل اللہ کو اور اکثر علماء و صلحاء کو حضرت عارفیؒ کے ”قطب الارشاد“ ہونے کا غالب گمان تھا۔

حضرت عارفیؒ کی تالیف ''اسوۂ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم)'' کو ساری دنیا میں عجیب مقبولیت حاصل ہوئی۔ متعدد زبانوں میں ترجمے ہوئے اور لاتعداد اشاعت کا سلسلہ جاری ہے۔ اس کے علاوہ حضرت عارفیؒ نے آٹھ انتہائی مفید کتابیں حکیم الامتؒ کی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے تالیف فرمائیں ان میں احکام میت بھی عجیب مفید کتاب ہے۔ اس جیسی کتاب کی مسلمانوں کو ضرورت تھی۔ اس کو بھی عالمی مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ حضرتؒ کے ایک مختصر کتابچہ ''معمولات یومیہ اور مختصر نصاب اصلاح نفس'' کو عوام وخواص میں بے انتہاء مقبولیت حاصل ہوئی۔ بقول عارفی ''اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم'' خزانہ ہے اور ''معمولات یومیہ'' اس کی کنجی ہے۔

حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہؒ

مرد حقانی کی پیشانی کا نور   کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے چہرے پر ایک ایسا نور تھا کہ انجانے لوگ بھی نظر پڑتے ہی متاثر ہو جاتے۔ ایک بار مسجد الحرام میں کعبہ شریف کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ ناکارہ حضرتؒ کے قریب ذرا پیچھے ہو کر بیٹھا ہوا تھا۔ عربوں میں سے ایک باعزت شخص ادھر سے گزرتے ہوئے دیکھ کر رک گئے۔ پیچھے آ کر اس ناکارہ کے کان میں آہستہ سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ بندہ نے عرض کیا کہ سکھر کے ایک ڈاکٹر ہیں۔ کہا کہ ان کا چہرہ دیکھ کلام پاک کی یہ آیت یاد آ گئی ''**سِیمَاهُم فِي وُجُوهِهِم مِن آثَرِ السُّجُود**'' یعنی ان کے آثار بجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں میں نمایاں ہیں۔ (یہ آیت صحابہؓ کے چہروں کے بارے میں ہے۔) یہ تھے حضرتؒ! خشیت، فنائیت، عبدیت اور کثرت عبادت کے آثار سے منور چہرہ والے۔

حضرتؒ کے والد ماجد حضرت مولوی نذیر احمد صاحبؒ جو سرکاری اسکول میں عربی کے استاذ تھے وہ بھی اسی رنگ کے بزرگ تھے۔ مفتی صاحبؒ کے نام ان کے مکتوبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عبدیت اور فنائیت کی ایک مثال تھے۔ حکیم الامتؒ کے خلیفہ خاص حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ (بانی جامعہ اشرفیہ، لاہور) نے جب ان کو اجازت خلافت سے سرفراز فرمایا تو جواب میں تحریر فرمایا کہ ''یہ بہت بڑا بھاری بوجھ ہے۔ احقر قسمیہ عرض کرتا ہے کہ یہ ناکارہ ہیچ در ہیچ ہے۔''

حضرتؒ کی ولادت باسعادت ۱۶؍رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ مطابق ۷ جولائی ۱۹۱۸ء کو اس وقت کے آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر کی سرحد پر آزاد کشمیر کے ایک گاؤں ''تیانوالہ'' میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد انگریزی تعلیم کے ساتھ حضرتؒ کے والد

صاحبؒ نے حضرتؒ کو قرآن مجید کا ترجمہ تفسیر، مشکوٰۃ شریف اور گلستان بوستان جیسی کتابیں پڑھادی تھیں۔ پھر ۱۹۳۵ میں امرتسر میں ڈاکٹری کی تعلیم کے لئے کالج میں داخل کرایا اور وہاں اپنے شیخ حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ کی خدمت میں لے گئے اور عرض کیا کہ "میں نے اپنے بیٹے حفیظ اللہ کو کفر کے گڑھ میں داخل کرادیا ہے، آپ اس کے ایمان کی حفاظت کے لئے دعاء بھی فرمادیں اور سرپرستی بھی۔ یہ بچہ آپ کی خدمت میں انشاء اللہ ہمیشہ حاضری دیتا رہیگا۔" چنانچہ حضرتؒ پابندی سے ہراتوار کی صبح کو مسجد نور امرتسر میں حضرت مفتی صاحبؒ کا درس سنتے اور اشراق پڑھ کر حضرت سے مصافحہ کر کے واپس آجاتے۔ مگر اہم بات یہ ہے کہ حرف بہ حرف جو درس میں سنتے اس پر عمل بھی فرماتے۔

۱۹۴۰ء میں ڈاکٹری کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اسی کالج کے ہسپتال میں ایک سال کام کیا اور پھر ریلوے میں بحیثیت میڈیکل افسر تعینات ہوئے۔ ریلوے کی ملازمت کے دوران انبالہ اور دہلی رہنا ہوا اور بعد میں بلوچستان کے ایک دورافتادہ قصبہ "احمدوال" میں قریباً چار سال گزارے۔ ۱۹۴۸ء میں منجانب اللہ کچھ ایسے حالات پیدا ہوئے کہ بزرگوں کے مشورہ اور حکم سے ملازمت چھوڑ کر سکھر میں سکونت اختیار کرلی۔ یہاں شروع کے کئی سال بہت مشکل، تنگی، قرض اور عسرت میں گزرے لیکن پھر حق تعالیٰ نے وسعت و فراغت و مقبولیت عطاء فرمادی۔ سکھر حضرت کا وطن بن گیا۔ سینتالیس سال حضرتؒ سکھر میں مقیم رہے۔ کلینک صبح شام کھلتا۔ حضرتؒ کو ضرورت سے زیادہ مال تو مقصود ہی نہ تھا اور مال کا فانی ہونا ہر دم مستحضر ہوتا تھا چنانچہ غریب غرباء، اقارب واحباب، مدارس کے طلباء، علماء اور کلام پاک کی تعلیم دینے والوں سب کا علاج مفت فرماتے۔ محتاجوں کی مالی مدد فیاضی سے فرماتے۔ ایک بار ایسا بھی ہوا کہ ایک غریب بڑھیا مریضہ کے گھر جا کر اس کو دیکھا۔ دوا اور کھانے کا پرہیز تجویز کیا تو بڑھیا نے کہا کہ بیٹا مجھ اکیلی کو کون یہ پرہیزی کھانا بنا کے دیگا۔ یہ سن کر کئی

دن حضرتؒ خود اس کے پاس جا کر اس کے پرہیزی کھانے کا انتظام فرماتے۔ حضرت عارفیؒ پرتاثر انداز میں اس واقعہ کو سنا کر فرماتے کہ ڈاکٹر ایسا ہونا چاہیے۔

اناج بازار سکھر میں حضرتؒ کا کلینک رفتہ رفتہ جسمانی علاج کے ساتھ تزکیہ نفس اور حق تعالیٰ کو راضی کرنے کے طریق کی اشاعت کا مرکز بنتا چلا گیا۔ مریضوں سے ذرا وقت ملتا تو حضرت اپنی اصلاح کے لئے آئے ہوئے حضرات کی طرف متوجہ ہو کر نصیحت کی باتیں فرمانے لگ جاتے۔ قریب میں پنج وقتہ نماز کے لئے ایک چھوٹی سی مسجد "باب الاسلام" حضرتؒ نے قائم فرمائی تھی۔ اس کا پورا انتظام خود فرماتے تھے۔ قریب ہی ایصال ثواب کے لئے پانی کے پمپ لگوادئے تھے۔ کلینک کے اوقات کے دوران ظہر، مغرب اور عشاء کی نمازیں حضرت یہیں پڑھتے۔ عشاء کے بعد حضرت مختصر سا درس دیتے۔ نماز جمعہ حضرت قریب ہی کی مفتی عبدالحکیم صاحبؒ کی قائم کردہ نورانی مسجد میں پڑھتے اور نماز جمعہ کے بعد حضرتؒ اپنے کلینک میں تشریف لے آتے جہاں سکھر اور سکھر سے باہر سے آئے ہوئے اصلاح کے طالب معتقدین جمع ہو جاتے اور حضرتؒ مواعظ و ملفوظات اور حکیم الامتؒ کی دوسری کتابوں سے نوٹ کی ہوئی باتیں بیان فرماتے۔ کلینک کے اوپر کی منزل میں کمرے تھے۔ اصلاح کے طالب جب آتے تو حضرتؒ انہیں ان کمروں میں ٹھیرا دیتے تھے۔ بہت خاص مہمانوں کو حضرت اپنے خلیفہ خاص حضرت حاجی عبدالستار صاحب دامت برکاتہم کے سپرد کرتے وہ ان کی مہمانداری کرتے۔ رمضان المبارک میں حضرتؒ کے ساتھ اعتکاف کے لئے اصلاح کے طالب لوگ مختلف شہروں سے آتے تھے۔ ان کو حضرتؒ اپنے مہمانوں کی خدمت کا جذبہ رکھنے والے متعدد خدام میں تقسیم فرمادیتے جو ان مہمانوں کے کھانے پینے اور تمام ضروریات کا خیال رکھتے۔ حضرتؒ کا کلینک اور مسجد مل کر گویا پوری خانقاہ تھی۔ مگر اس میں سنت کے مطابق تزکیہ نفس اور دین کی تعلیم کے سوا اور کچھ نہ ہوتا۔ نہ کوئی رسمی باتیں ہوتیں، نہ خلاف سنت کوئی کام ہوتا نہ اجتماعی ذکر ہوتا۔ کسی

سے کوئی امدادی رقم نہ لی جاتی بلکہ اکثر اپنے مہمانوں کو حضرتؒ ہی کچھ ہدیتاً دیا کرتے۔حضرتؒ اجتماعی ذکر کی مجلس کے خلاف تھے کیونکہ حکیم الامتؒ نے اس کے مفاسد کی وجہ سے منع فرمایا ہے۔ایک مرتبہ مدینہ منورہ ایک صوفی بزرگ سے ملنے تشریف لے گئے تو اس ناکارہ کو ساتھ لے گئے۔اندر کے کمرے سے بلند آواز سے اجتماعی ذکر کی آواز باہر کی بیٹھک میں آرہی تھی۔حضرتؒ نے واپسی میں اس ناکارہ کو فرمایا کہ یہ ہمارے ذوق کے نہیں ہیں۔اجتماعی ذکر صحیح نہیں۔حق تعالیٰ تو بس سنت کے مطابق فرداً فرداً ذکر سے خوش ہوتے ہیں۔

حضرتؒ کا حکیم الامت سے تعلق اس وقت شروع ہوا جب ڈاکٹری کی تعلیم کے سلسلہ میں ۱۹۳۹ء میں میسور جانا ہوا اور واپسی پر حضرتؒ تھانہ بھون تشریف لے گئے۔ حکیم الامتؒ کی زیارت نصیب ہوئی۔دو دن قیام رہا۔مجالس میں فنائیت کا مضمون سننے کو ملا اور بیعت کا تقاضہ دل میں پیدا ہوا۔ہمت کر کے بیعت کی درخواست کی۔ حکیم الامتؒ کے ہاں مگر اصل چیز اصلاح نفس تھی اس لئے فرمایا کہ میرے کسی مُجاز سے اصلاح کا تعلق پیدا کر کے لکھنا۔واپس امرتسر پہنچ کر حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ سے اصلاحی تعلق کی درخواست کی تو مفتی صاحبؒ نے حضرت کی طلب صادق کا اندازہ کر کے اس درخواست کو قبول فرمایا۔حضرتؒ نے حکیم الامتؒ کو اس اصلاحی تعلق کی اطلاع دی تو حکیم الامتؒ نے بذریعہ خط بیعت فرمالیا اور دعاؤں سے نوازا۔

اس کے بعد حکیم الامتؒ کے فرمان کے مطابق حضرتؒ بہت دھن اور دھیان سے اپنے نفس کی اصلاح حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ سے کراتے رہے اور بہت تفصیل سے ہر چھوٹی بڑی بات کو مفتی صاحبؒ کی خدمت میں پیش کر کے اپنی زندگی کے تمام اقوال وافعال اور بالخصوص اپنی سوچ کو یعنی اعمال باطنہ کو سنت کے مطابق بناتے رہے کیونکہ اعمال باطنہ ہی تمام اعمال ظاہرہ کی بھی بنیاد ہیں اور اعمال باطنہ کا تعلق اس سے ہے کہ بندہ قصداً کیا سوچتا ہے۔حضرتؒ بہت محنت سے تمام رذائل نفس پر مکمل قابو

پانے اور اخلاق حسنہ میں رسوخ حاصل کرنے میں لگے رہے۔حتیٰ کہ اس فن سلوک میں عملاً کمال کا درجہ حاصل ہو گیا۔چنانچہ حضرتؒ اپنے ہم عصر بزرگوں میں شیخ کامل کہلائے۔خود مفتی محمد حسن صاحبؒ نے اس کی تصدیق اس طرح کی کہ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے خلفاء میں آپ کے ذوق کے مطابق پورا پورا عمل کون کر رہا ہے تو فرمایا کہ ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب، ان کے چھوٹے بھائی حفیظ الرحمٰن صاحبؒ اور مفتی خلیل احمد صاحبؒ۔یہ ملفوظ ٹیپ میں محفوظ ہے۔

حضرتؒ کو شیخ کامل کا یہ درجہ اپنے شیخ کی کامل اتباع سے ملا۔یہ اتباع کیسی تھی؟ اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ حضرت عارفیؒ کے دولت کدہ پر ۱۹۹۰ء میں حضرتؒ کا ایک بیان ہوا۔اس میں حضرتؒ نے حاضرین کو خطاب کے شروع میں ارشاد فرمایا کہ ''میں یہاں بیٹھ کر بیان کرنے کا اہل نہیں لیکن مجھے جس بات سے فائدہ پہنچا وہی آپ کو بتاتا ہوں کہ حضرت مفتی صاحبؒ سے تعلق کو اب ۵۵ سال گزر چکے ہیں۔الحمد للہ اس دن سے یہ آج کا دن ہے اتنے عرصہ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اپنے شیخ سے سنی ہوئی یا خط میں لکھی ہوئی کسی بھی بات کے خلاف کیا ہو۔'' یہ وہ فنائیت تھی جو محض للہ تھی کیونکہ حضرتؒ کے شیخ اپنی طرف سے تو کچھ بھی نہ بتاتے تھے بس صرف اللہ کے احکام اور ان پر عمل کا طریقہ بتاتے تھے۔

اس فنائیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرتؒ کی تمام حرکات وسکنات اور خیالات سنت کے مطابق ہو گئے، اللہ اور رسول ﷺ کی وہ محبت جو شرعاً مطلوب ہے دل میں راسخ ہو گئی اور گناہ سے سخت نفرت ہو گئی۔ایک بار حضرت مفتی صاحبؒ کو اطلاع دی کہ ''جب احباب میں سے کسی کو خلاف شریعت کوئی کام کرتے دیکھا تو دل پر ایسا اثر ہوا جیسے کسی نے چھرا گھونپ دیا۔'' یہ تھا بغض فی اللہ جو حق تعالیٰ کی محبت کا لازمی نتیجہ ہے۔لیکن اس بغض فی اللہ کی حقیقت اس ناکارہ کو اس وقت سمجھ میں آئی جب حضرتؒ سے دریافت کیا کہ ایک طرف حکم ہے بغض فی اللہ کا اور دوسری طرف اپنے کو کافر فرنگ سے بھی

بدتر سمجھنے کا حال مطلوب ہے۔یہ دونوں باتیں ایک ہی دل میں کیسے جمع ہوسکتی ہیں؟ یہ سمجھ میں نہیں آیا۔حضرتؒ نے دل کو روشن کرنے اور آنکھیں کھول دینے والا جواب تحریر فرمایا کہ" بغض فی اللہ یہ ہے کہ گناہ سے نفرت ہو مگر گناہگار سے نفرت نہ ہو، کفر سے نفرت ہو مگر کافر سے نفرت نہ ہو۔'' حقیقت یہ ہے کہ گناہگار تو مریض ہے اور ہمدردی کا مستحق۔حضورﷺ ہر کافر کے مسلمان ہوکر جنتی ہوجانے کے متمنی تھے۔کفر یا گناہ سے نفرت کا مطلب یہ ہے کہ کفر یا گناہ میں مبتلا ہونے سے کراہت و نفرت ہو، خوف آتا ہو جیسے بیماری میں مبتلاء ہونے کے خیال سے کراہت ہوتی ہے۔

۱۹۵۷ء میں حضرت مفتی صاحبؒ نے حضرتؒ کو بیعت وتلقین کی اجازت فرمائی۔ اجازت نامہ ملنے پر حضرتؒ پر عجیب اثر ہوا اور جواب میں تحریر فرمایا کہ ’’ابھی تک تو اس احقر نے کیا ہی کچھ نہیں یہاں تک کہ نماز مبتدی (یعنی شروع کرنے والے) جیسی بھی پڑھنی نصیب نہیں ہوتی ہے‘‘۔اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ" حضرت !اس ناکارہ کو تو آنحضرت سے ابھی بیعت کا شرف بھی حاصل نہیں ہوا تھا کہ اس اعزاز سے نواز دیا گیا ہوں۔'' یہی وہ فنائیت ہے جو حاصل ہے اس طریق کا کیونکہ حق تعالیٰ اس سے ہی راضی ہوتے ہیں۔بقول حکیم الامتؒ اس طریق میں یعنی حق تعالیٰ کو راضی کرنے کے راستے میں اپنی ناکامی کا یقین ہی کامیابی کی دلیل ہے۔

۱۹۶۱ء میں مفتی محمد حسن صاحبؒ کے وصال کے بعد حضرتؒ نے حضرت عارفیؒ سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کیا اور ایک مبتدی کی طرح اپنی اصلاح میں برسوں لگے رہے۔حضرتؒ حرمین شریفین کی شدید محبت کی وجہ سے یا کسی غیبی الہامی امر کی وجہ سے کم وبیش ہر سال حج پر تشریف لے جاتے تھے۔ایک بار کسی محتاج کی سخت ضرورت کا پتہ چلا تو سب رقم اس محتاج کو دیکر حج کے سفر کو منسوخ کردیا۔حضرت عارفیؒ کو یہ معلوم ہوا تو اپنے پاس ٹھیرا لیا اور جتنا وقت حج میں لگتا یعنی چالیس دن حضرتؒ اپنی اصلاح کے لئے اپنے شیخ ثانی کی خدمت میں رہے۔حضرت عارفیؒ نے بھی خلعت خلافت

سے نوازا۔حضرت عارفیؒ حضرتؒ سے محبت بھی کرتے اور خاص لحاظ بھی فرماتے۔ حضرت عارفیؒ کے مریدوں میں حضرت وہ واحد شخصیت تھے جن کو رخصت کرنے حضرت باہر گاڑی تک تشریف لیجاتے۔اسی طرح باباؒ نجم احسن صاحبؒ جو حکیم الامتؒ کے مجاز صحبت اور حضرت عارفیؒ کے خاص دوستوں میں تھے حضرتؒ کے مقام خاص سے واقف تھے۔حضرت عارفیؒ جب حج کے لئے تشریف لے گئے تھے تو کئی اہل اللہ ساتھ تھے۔ان میں بابا نجم احسن صاحبؒ بھی تھے۔جب مدینہ منورہ پہنچے تو حضرتؒ کے خاص دوست حضرت نصرت علی صدیقی صاحبؒ بھی ساتھ تھے۔حضرت نصرت علی صدیقی صاحبؒ نے خود اس مؤلف ناکارہ کو بتایا کہ جب مواجہ شریف پر سلام عرض کرنے پہنچے تو حضرتؒ نے سلام عرض کیا تو حضورﷺ کا جواب بلند آواز سے تھا۔اس پر بابا نجم احسن صاحبؒ نے بے ساختہ فرمایا کہ ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب کے سلام کا جواب سنا آپ نے!

حضرتؒ کی ہمت عجیب تھی۔ایک بار طالب علمی کے زمانے میں اپنے والدین کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔بس نہیں ملی تو اپنی بائیسکل لیکر نکل کھڑے ہوئے اور دن بھر مشکلات اٹھاتے سفر کرکے شام یا رات منزل مقصود پر پہنچے تو دونوں پیر بہت سوج گئے تھے۔حضرتؒ نے یہ قصہ اس ناکارہ کو سنا کر فرمایا کہ ہمت وہ چیز ہے کہ اسی سے سب کام ہوتے ہیں۔حضرتؒ کی ہمت بزرگوں کی صحبت میں اور قوی ہوتی گئی۔حضرت عارفیؒ نے ایک بار فرمایا کہ ''ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب ہمت کا پہاڑ ہیں'' اور حقیقت یہ ہے کہ حضرتؒ کی ہمت کے واقعات اب شاید کسی کو سمجھ میں بھی نہ آئیں۔ایک مثال یہ ہے کہ ایک بار حج کے بعد بیس دن کے مکہ مکرمہ کے قیام میں حضرتؒ نے ۱۸ عمرے کئے اور دوسرے معمولات اور والدین کی خدمت الگ۔

حضرت عارفیؒ کے وصال کے بعد حضرتؒ بڑھاپے اور گھٹنوں کی تکلیف اور دوسرے عوارض کے باوجود ہندوستان مولانا مسیح اللہ جلال آبادیؒ کے پاس تشریف

لے گئے اور جب تنہائی میں ملاقات کا موقع تو ملا بیتاب ہوکر رونے لگے، بار بار کہتے کہ میرا آخرت میں کیا بنے گا اور روتے رہے۔حضرتؒ کے آنسو مولانا جلال آبادیؒ کے پھیلے ہوئے ہاتھوں پر گرتے رہے۔ان آنسوؤں کی قدر و قیمت حق تعالیٰ کو ہی معلوم ہوگی۔مولانا مسیح اللہ صاحبؒ نے اس کی یہ قدر کی کہ جو قطرے ان آنسوؤں کے ہتھیلی پر جمع ہوگئے تھے ان کو وہ اپنی مغفرت کا ذریعہ سمجھ کر پی گئے اور اپنی طرف سے اجازت بیعت دے کر اپنا خلیفہ مقرر فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ شریعت ان کی یعنی حضرتؒ کی فطرۃ ثانیہ بن چکی ہے۔

حضرتؒ کے دل میں تقویٰ راسخ تھا۔شاید ہی کسی نے زندگی بھر ان سے کوئی گناہ سرزد ہوتے دیکھا ہو۔گھر کے افراد کا بیان ہے کہ ساری عمر ہم نے ان کو گناہ کرتے نہیں دیکھا۔حضرتؒ کے والد صاحبؒ نے حضرت مولانا حبیب اللہ صاحبؒ اور حضرت مفتی محمد حسنؒ سے فرمایا کہ ''یہ بچہ مادرزاد ولی معلوم ہوتا ہے جب سے یہ پیدا ہوا ہے میں نے اس کو گناہ کرتے نہیں دیکھا۔'' حضرتؒ نے ایک مرتبہ اپنے ایک بہت قریبی رازدان سے فرمایا کہ الحمدللہ بہت عرصہ سے میرا نفس کبھی اتباع شریعت کی راہ میں حائل نہیں ہوا۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرتؒ کا نفس، نفس مطمئنہ کے درجہ کو پہنچا ہوا تھا۔

حضرتؒ کی ہر حالت سے حکیم الامتؒ کی جھلک آتی تھی۔ حضرت عارفیؒ نے ایک مرتبہ سکھر تشریف آوری کے موقعہ پر فرمایا کہ ''سکھر چھوٹا تھانہ بھون ہے یہاں آکر تھانہ بھون کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔'' حضرت عارفیؒ نے ایک موقع پر یہ بھی فرمایا کہ ''ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب اس سلسلہ کی آبرو ہیں۔'' حضرتؒ نے حکیم الامتؒ کے تمام اصولوں کو مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا اور اپنے مریدوں کو بھی اسکی تاکید کرتے۔حضرتؒ نے اپنے سب بیٹے بیٹیوں کی شادیاں سنت کے مطابق بہشتی زیور میں دی ہوئی ہدایتوں کے مطابق انجام دیں۔عورتوں کو جمع نہیں ہونے دیا۔شادی کی تاریخ وغیرہ کا اعلان نہیں کیا

۔ایک بیٹی کے نکاح پر مسجد میں نماز کے بعد اعلان کروا دیا کہ نکاح ہوگا بس اسی سے لوگوں کو حتیٰ کہ قریبی دوستوں کو معلوم ہوا۔اس ناکارہ کو حضرتؒ نے کئی بار تاکید فرمائی کہ اپنے بچوں کی شادیاں سنت کے مطابق جیسا کہ بہشتی زیور میں دیا ہوا ہے اس کے مطابق کرنا۔حضرتؒ کے وصال سے کچھ پہلے بندہ نے دریافت کیا کہ حضرت بیٹوں کی شادی ہوئی تو بندہ ولیمہ کس طرح کرے؟ حضرتؒ نے فرمایا ''اپنی اپنی ہمت ہے۔میں نے تو دینی مدرسہ میں کھانے کا انتظام کر دیا تھا۔طلباء اور اساتذہ کے ساتھ بیٹھ کر کھا لیا۔'' حضرتؒ نے اپنے صاحبزادوں کی شادیوں میں جو سادگی اختیار کی اس کی پوری پوری اطلاع اپنے شیخ ثانی حضرت عارفیؒ کو دی۔مکتوبات محفوظ ہیں۔حضرت عارفیؒ نے ہر بار سنت کے مطابق شادیاں کرنے پر خوشی کا اظہار فرما کر حضرتؒ کو مبارکباد دی۔ حضرتؒ لڑکی والوں کی طرف سے کھانے کے انتظام کو سخت ناپسند فرماتے اور کبھی ایسی شادی میں شرکت فرمانا پڑ جاتا تو نکاح کے بعد آہستگی سے کھانے کو ہاتھ لگائے بغیر واپس تشریف لے آتے۔

حضرتؒ اپنے نظام الاوقات کے بہت پابند تھے۔انضباط اوقات کا اس قدر اہتمام تھا کہ کوئی کام اس سے ہٹ کر نہ ہوتا۔کبھی کسی نے ان کو وقت ضائع کرتے نہیں دیکھا۔اور گھر میں ہوں یا سفر میں اپنی تمام چیزوں کے لئے جگہ مقرر فرماتے اور استعمال کے بعد واپس اسی جگہ رکھ دیتے۔کہیں مہمان ہوتے تو اس قدر میزبان کی رعایت فرماتے کہ میزبان کو ذرا بار نہ ہوتا۔میزبان جو جگہ حضرت کے لئے متعین فرماتا اس میں اپنے کو اس طرح مقید کر لیتے کہ گھر کے لوگوں کو پتہ بھی نہ چلتا کہ مہمان موجود ہے۔

حضرتؒ ہر شخص کا حق پوری طرح ادا کیا کرتے تھے۔اس معاملے میں اپنے مشائخ، اکابر اور علماء سے مسائل معلوم کرتے رہتے۔اور اس کے مطابق عمل کرتے اس معاملے میں مسلسل اپنا جائزہ لیتے رہتے کہ میرے ذمہ کسی کا حق رہ تو نہیں گیا۔

پاکستان میں اپنے آخری ایام میں مجمع میں اعلان تک کیا کہ ''جہاں تک احقر کو یاد ہے سب کے حقوق سے اس وقت تک سبکدوش ہوں ۔ پھر بھی اگر کسی کا حق میرے ذمہ نکلے تو آج اپنا حق وصول کر لے ۔ آخرت کا معاملہ بہت سنگین ہے ۔'' حضرتؒ کی اہلیہ دس سال بیماری کی وجہ سے معذور ہو کر صاحب فراش رہیں ۔ یہ طویل عرصہ حضرتؒ نے ان کی خدمت میں گزارا ۔ ان کی اور ان کے کپڑوں وغیرہ کی طہارت خود کلینک سے واپس آ کر کرتے اور بہو صاحبہ سے یہ کام نہیں لیتے ۔ بہو گھر میں موجود لیکن ان کو کسی کام کو نہ کہتے ۔ کبھی بھوک لگتی تو ریفریجریٹر سے خود کھانا نکال کر ٹھنڈا ہی کھا لیتے ۔ بہو کو کھانا گرم کرنے کو بھی نہیں کہتے ۔ کبھی مہمان آتے اور دعوت کے بعد برتن دھونے کے جمع ہوتے تو خود برتن دھونے کھڑے ہو جاتے ۔ ہر وقت یہ فکر رہتی کہ اپنی ذات سے گھر کے افراد کو بھی ادنیٰ تکلیف نہ پہنچے ۔ ایک مرتبہ حج میں تشریف لائے اور اس ناکارہ کے غریب خانہ پر قیام فرمایا ۔ بندہ کو کسی مجبوری سے پاکستان جانا پڑ گیا ۔ حضرت اپنے خاص خدام کے ساتھ تھے ۔ صبح اشراق کے بعد سب سو جاتے تو ایسا بھی ہوا کہ حضرتؒ سب سے پہلے اٹھ کر اپنے گھٹنوں کی تکلیف کے باوجود ناشتہ تیار کرنا شروع کر دیتے بلکہ آٹا بھی گوندھ کر پراٹھے بنانے کو تیار ہوتے ۔

حقوق العباد کا ایک بڑا پہلو بیوی بچوں کی تعلیم و تربیت اور بیٹوں کو کسب معاش کے قابل بنانا ہے ۔ اس میں بھی حضرتؒ نے مثال قائم کر دی ۔ گھر والوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا اور اس انداز سے ان کو دین کی باتیں بتائیں اور مفتی محمد حسن صاحب سے اصلاحی تعلق کی ہمت افزائی ایسی کی کہ وہ ایک مثالی دیندار اللہ والی خاتون اور اولاد کی تربیت میں حضرت کا دست راست بن گئیں ۔ ایک بیٹے کی ایک بار جماعت چھوٹنے پر بہت سختی سے تنبیہ کی اور کہا کہ خبردار میں تم سے اس وقت تک بات نہ کرونگی جب تک ایک ہفتہ پابندی سے تمہیں جماعت نہ مل جائے ۔ حضرتؒ خود بھی گھر پر ہر لمحے بچوں کی عادات اور صحبت پر نظر رکھتے اور ان کی دنیاوی تعلیم کا انتظام اور نگرانی بھی

فرماتے ۔ چاروں بیٹوں کو اصلاح نفس اور دینی تربیت کے لئے حکیم الامتؒ کے سلسلہ کے کسی بزرگ سے اصلاحی تعلق کرا دیا ۔ آخر ماشاء اللہ سب بیٹے حضرتؒ کی حیات ہی میں اس سلسلہ کے ایسے خلفاء میں سے ہوئے جو حکیم الامتؒ کے اصولوں کو مضبوطی سے پکڑنے والوں میں ہیں ۔

حقوق العباد کی فکر مرتے دم تک تھی ۔ اپنی جائداد اور تمام چیزیں مدینہ منورہ ہجرت فرمانے سے قبل اولاد اور مخصوص حضرات کو حق وراثت کے مطابق تقسیم فرمادیں ۔ اپنے بالکل آخری چند روز ترکہ کی تقسیم کے بارے میں صاحبزادے ڈاکٹر مکی صاحب کو مدینہ منورہ میں تاکید کرتے رہے کہ ترکہ کا سامان شریعت کے مطابق جیسے سمجھایا ہے میرے انتقال کے بعد تین دن کے اندر سب تقسیم کر دینا تا کہ شریعت کا حکم پورا ہو جائے اور سب اہل حقوق کو ان کا حق مل جائے ۔

حضرتؒ کا عجیب کمال یہ تھا کہ اپنے معمولات ، ذکر اذکار ، کثرت نوافل ، نظام الاوقات کی پابندی اور ادئیگی حقوق کے اسقدر اہتمام کے باوجود اپنی زندگی لوگوں کی دینی خدمت کے لیے وقف فرمادی تھی ورنہ اکثر دینی خدمت میں لگنے والوں کے اپنے معمولات درہم و برہم ہو جاتے ہیں ۔ حضرتؒ کی یہ حالت بھی عین سنت کے مطابق تھی کہ ہمہ وقت یہی فکر دامنگیر رہتی کہ کس طرح سے بندوں کو اللہ سے ملا دیں ، دین کا شوق دین کی عظمت دین کی محبت دلوں میں ڈال دیں ، بندگان خدا اپنے مالک اپنے خالق اپنے مربی حقیقی کو پہچان لیں اور شریعت ان کا اوڑھنا بچھونا بن جائے ، ظاہراً اور باطناً سنت کی اتباع کرنے لگ جائیں ۔

سنت کی ایسی اتباع اور اخلاص کی وجہ سے لوگ مختلف شہروں سے اپنی اصلاح کرانے اور حق تعالیٰ کا صحیح تعلق حاصل کرنے کے لیے حاضر ہونے لگے اور حضرتؒ مرجع خلائق بن گئے ۔ اپنی عمر کے آخری پندرہ سال حضرتؒ اپنی تمام تر تکالیف اور عوارضات کے باوجود پاکستان کے مختلف شہروں میں اپنے مواعظ سے عوام الناس کو

مستفید فرماتے رہے۔کئی مرتبہ محبت کرنے والوں نے عرض کیا کہ آپ کو بیک وقت کئی بیماریاں ہیں جن میں دل کی تکلیف جیسی سخت اور خطرناک بیماری بھی ہے آپ اس قدر تکلیف وکاوش نہ فرمایا کریں۔اس کے جواب میں فرماتے کہ اگر تکلیف برداشت کرکے کسی کا دینی فائدہ ہوجائے تو اس میں ہمارا بھی فائدہ ہے نجانے کس بہانے سے کس کی برکت سے ہم بھی بخش دیئے جائیں۔اور حضرت عارفیؒ کا قول نقل فرماتے کہ وہ لمحات زندگی کس کام کے جو کسی کی خدمت میں صرف نہ ہوں۔دینی فائدہ پہنچانے میں حضورﷺ کی شان ''**حریص علیکم** ''(یعنی دوسروں کو نفع پہنچانے کے بے حد خواہشمند) کا مصداق تھے۔فرماتے تھے کہ جب بزرگوں نے ایک ذمہ داری سونپ دی ہے تو ہم کو حریص علیکم کا مصداق ہونا چاہئے۔

تواضع میں حضرتؒ خود آپ ہی اپنی مثال تھے۔بڑے تو بڑے چھوٹوں سے خود کو کم تر سمجھتے تھے۔ہر شخص کی عزت کرتے۔طرز تکلم اور ہر انداز سے صاف ظاہر تھا کہ اپنے کو ہر شخص سے کم سمجھتے تھے۔اپنے کلام،اپنے انداز اور اپنی سوچ میں اپنے آپ کو ہر ایک سے قصداً نیچے کرلیتے تھے۔تاکہ حق تعالیٰ راضی ہوجائیں اسی وجہ سے لوگوں کے دل حضرتؒ کی طرف از خود کھنچتے تھے۔حضرتؒ ہر شخص سے خندہ پیشانی اور محبت سے پیش آتے ہر ایک سے اپنائیت کا ایسا برتاؤ تھا کہ ہر شخص یہ سمجھتا کہ سب سے زیادہ قریبی تعلق اور محبت مجھ ہی سے ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان کو محبوبیت کی ایک شان عطا فرمائی تھی حضرتؒ کی خدمت کرنا ہر شخص اپنے لیے باعث فخر سمجھتا تھا۔لوگ ان کے ارشاد اور حکم کے منتظر رہتے اور حکم کی تعمیل دوڑ دوڑ کر کرتے۔جب حضرتؒ ۱۹۹۵ء میں ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لے جارہے تھے ہزاروں کی تعداد میں لوگ زیارت کے لیے آتے آنسوؤں اور سسکیوں کے ساتھ روتے۔سکھر ایئر پورٹ پر یوں لگتا تھا جیسے سارا سکھر شہر محبت اور عقیدت سے امڈ آیا ہے۔

سکھر سے حضرتؒ کی ہجرت محض للہ تھی۔۱۹۹۲ء میں حضرتؒ کے گھر والوں کے

انتقال کے بعد حضرتؒ کے ذمہ کسی کی کفالت کے حقوق واجبہ بھی نہیں تھے۔اولاد کی طرف سے یکسوئی تھی۔حضرتؒ کے دل میں حرمین شریفین کی محبت بھی شدید تھی اور وہاں ہجرت کرنے کا تقاضہ اس وجہ سے بھی تھا کہ جنت البقیع میں دفن کی تمنا اور کوشش کی ترغیب حدیث شریف میں ہے۔۱۹۹۵ء میں منجانب اللہ جدہ کے سید ظفر علی صاحب کی وساطت سے سعودی عرب کی سکونت کا ویزا مل گیا۔حضرتؒ نے اپنے خاص باطنی حالات اور الہامی تقاضائے قلبی کی بناء پر فرمایا کہ اگرچہ میں اس قابل نہیں ہوں مگر منجاب اللہ جب وہاں کے قیام کا سامان ہوگیا ہے تو انکار بے ادبی ہے۔اور ایسی عمر میں جب حضرتؒ کو اولاد کی خدمت کی ضرورت تھی اور محبین اور معتقدین سب بڑی تعداد میں پاکستان میں خدمت کرنے کو موجود تھے سارے تعلقات اور اپنے آرام و راحت کو ترک کرکے اور ساری جائداد اور مال و اسباب تقسیم کرکے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔

مدینہ منورہ میں حضرتؒ کے گھٹنوں کی تکلیف کی وجہ سے وہیل چیئر کے بغیر نقل و حرکت مشکل تھی۔حضرتؒ کے میزبان حاجی محمد دین قریشی صاحب اور ان کے اہل خانہ دل وجان سے حضرتؒ کی خدمت کو تیار رہتے اور پابندی سے حضرتؒ کو ظہر میں اور پھر عصر کے بعد مسجد نبوی پہنچانے کا انتظام فرماتے۔حضرتؒ عشاء تک کا وقت پابندی سے مسجد نبوی میں ریاض الجنۃ میں گزارتے اور سارا وقت عبادت میں صرف کرتے۔ ہر ماہ مکہ مکرمہ کا سفر کرکے عمرہ کا بھی معمول تھا۔جدہ بھی تشریف لے جاتے اور وہاں جو محبین ومعتقدین جناب سید ظفر علی صاحب کے ہاں جمع ہوجاتے ان کو وعظ و نصیحت فرماتے۔مدینہ منورہ قیام کے دوران حضرتؒ پر دل کا دورہ پڑا اور علاج کے لئے ہسپتال میں داخل ہوئے۔پھر کچھ عرصہ بعد اچانک فالج کا حملہ ہوا اور حضرت کو اندازہ ہوا کہ اب آخری وقت ہے تو اہل حقوق کی خاطر پاکستان تشریف لے جانے کا ارادہ کیا مگر واپسی کے پکے ارادہ کے ساتھ۔اس ناکارہ کو حیرت تھی کہ جنت البقیع میں دفن

کے مقصد سے یہاں قیام پذیر ہونے کے بعد اس حال میں حضرت کیوں پاکستان کا سفر فرما رہے ہیں۔ کیا پتہ واپسی ہوگی یا نہیں۔ حضرتؒ نے خود بعد واپسی اس ناکارہ کو اور دوسروں کو ارشاد فرمایا کہ سفر میں تذبذب تھا مگر حقوق کا معاملہ تھا اور حضور ﷺ کی طرف سے جانے کی اجازت اور واپسی کی بشارت کشفاً معلوم ہوگئی تھی اس لئے جانے کی ہمت ہوگئی۔

حضرتؒ مقام صدق پر تھے جس کا ایک مظہر یہ ہوتا ہے کہ ایسا شخص ارادہ کر کے پیچھے نہیں ہٹتا۔ چنانچہ پاکستان پہنچ کر کچھ دن قیام کیا۔ سب اہل محبت نے واپسی میں عجلت نہ کرنے کا مشورہ دیا۔ مگر انتہائی کمزوری اور نقاہت اور فالج کے اثرات کے باوجود سب کو تسلی دے کر پوری قوت ارادی استعمال کر کے اپنے پروگرام کے مطابق والہانہ احرام باندھ کر واپسی کے سفر پر تنہا روانہ ہوگئے۔ جب اس ناکارہ کو پتہ چلا کہ حضرتؒ اس حالت میں واپس تشریف لانے کا ارادہ کر رہے ہیں جبکہ ان کو بے حد خدمت اور تیمارداری اور علاج کی ضرورت ہے تو بندہ بے چین ہو کر طواف کے بعد ملتزم پر پہنچا اور حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ یا اللہ جب اس وقت شرعاً حضرت کو اپنا آرام دیکھنا چاہیے تو حضرت کیوں اپنے اوپر یہ مشقت لے رہے ہیں۔ بس اسی وقت قوت سے یہ بات دل میں آئی کہ جیسے حق تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ یہ ہم ہیں جو ان کے دل میں جلد واپسی کا تقاضا پیدا کر رہے ہیں۔ بس اس سے بندہ کو سکون ہوگیا۔

حضرتؒ جدہ پہنچے تو خدام ائرپورٹ پر موجود تھے نقاہت اور مرض کی حالت دیکھ کر جدہ میں ایک دن آرام کا مشورہ دیا گیا مگر قبول نہیں کیا اور اپنے پرانے معمول کے مطابق مکہ معظمہ پہنچ کر ذرا بھی توقف کئے بغیر وہیل چیئر پر عمرہ کیا۔ پھر دو تین دن مکہ مکرمہ میں ہی قیام فرما کر اس مؤلف ناکارہ کو خدمت کی سعادت بخشی مگر یہ ناکارہ اس کا کچھ حق ادا نہ کر سکا اور حضرتؒ کے مدینہ منورہ کے میزبان ان کو مدینہ منورہ لے گئے۔ اس سفر میں یہ ناکارہ بھی ساتھ تھا۔ حضرتؒ مدینہ منورہ حاضری کے لئے بیتاب

چوکنے اور باادب گاڑی میں بیٹھے رہے۔ مدینہ منورہ پہنچ کر حضرتؒ کو کچھ آرام کا موقع دینے کے لئے میزبان اقامت گاہ لے آئے مگر حضرتؒ نے وہاں اترنے سے انکار کر دیا اور حضور ﷺ کی خدمت میں سلام کے لئے مسجد نبوی جانے پر اصرار کیا۔ مسجد نبوی پہنچے تو عشاء کی جماعت ہو چکی تھی۔ بعض افراد نے جماعت کرنی چاہی جیسا کہ جماعت ثانی کا یہاں دستور ہے لیکن حضرتؒ اس وقت اس حالت میں بھی مغلوب نہیں ہوئے اور اپنے مسلک پر قائم رہے اور اشارہ کیا کہ سب اپنی اپنی نماز الگ الگ پڑھ لیں۔ نماز کے بعد مواجہ شریف کے سامنے حاضر ہو کر سلام عرض کیا پھر اپنے میزبان کے ساتھ خوش خوش اقامت گاہ تشریف لے آئے۔

حضرتؒ کو فالج کے اثر اور ضعف کی وجہ سے بہت خدمت کی ضرورت تھی۔ میزبان کی طرف سے بھی سب انتظامات تھے ملازم خدمت کے لئے متعین تھا لیکن پھر بھی ایک اپنے آدمی کی ہر وقت موجودگی کی ضرورت تھی۔ جدہ کے سید ظفر علی صاحب جس قدر ممکن ہوتا ملازمت سے چھٹی لیکر آجاتے اور حضرتؒ کے ساتھ موجود رہتے۔ چند ہفتہ بعد ہی صاحبزادے جناب ڈاکٹر کریم اللہ مکی صاحب اپنے محبوب والد اور شیخ ثانی کی خدمت میں پہنچ گئے اور آخر وقت تک ساتھ رہے۔ ۱۹؍فروری ۲۰۰۰ء بمطابق ۱۳؍ذی قعدہ ۱۴۲۱ھ بروز ہفتہ مدینہ منورہ کے وقت کے مطابق دن کے تقریباً دس بجے اپنے معمولات پورا کرتے ہوئے دار فانی سے کوچ فرمایا۔ عصر کی نماز کے بعد مسجد نبوی میں نماز جنازہ پڑھی گئی اور جنت البقیع میں جگہ نصیب ہوئی۔

حضرت نواب قیصر صاحب دامت برکاتہم

(کتاب حالات عشرت سے ماخوذ)

مری زیست کا حال کیا پوچھتے ہو — نہ پیری نہ طفلی نہ اس میں جوانی
جو کچھ ساعتیں یادِ دلبر میں گذریں — وہی ہیں وہی میری کل زندگانی

حضرت خواجہ مجذوب صاحبؒ کے ان اشعار سے حضرت والا جناب نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب دامت برکاتہم کے باطنی حال کا خاکہ کھنچ جاتا ہے۔ بے شک حضرت والا کی فنائیت، عاجزی، شگفتگی، سادگی اور حق تعالیٰ کی محبت سے لبریز اور یادِ حق میں ہر دم مشغول دل کا حال ان اشعار سے خوب واضح ہے۔

حضرت والا ماہ رجب ۱۳۳۸ھ میں قصبہ مینڈھو ضلع علیگڑھ میں پیدا ہوئے۔ والد صاحبؒ کا نام محمد مسعود علی خان ہے۔ دادا نواب لیاقت حسین خانؒ (ابن چودھری تفضل صاحب) اپنے علاقہ کے رئیس تھے لیکن فہم وعمل دین میں ابوحنیفہؒ وقت، جنید وشبلی دوراں تھے۔ مدرسہ دیوبند کی اولین مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ حضرت گنگوہیؒ سے بیعت اور ان کی صحبت بابرکت کے باعث اتباع سنت اور شرک وبدعت کو مٹانے میں پیش پیش اولیاء سلف کا نمونہ تھے۔ اپنی رہائش گاہ سے متصل مسجد، مدرسہ اور خانقاہ بھی تعمیر کرائی تھی۔ حضرت والا کی دادی مرحومہ شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ سے بیعت تھیں۔ ولادت کے وقت دادا مرحوم نے کان میں اذان واقامت کہی اور دعاء کی کہ حق تعالیٰ کامل مومن اور صالح مسلمان بنادے۔

حضرت والا کے دادا مرحوم نے مینڈھو میں مدرسہ عربیہ یوسفیہ قائم کیا تھا۔ اس مدرسہ میں اساتذہ دیوبند اور تھانہ بھون سے بلائے جاتے تھے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے اپنی آپ بیتی میں مینڈھو کے مدرسہ کا ذکر کیا ہے۔ مدرسہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا حبیب احمد صاحب کیرانویؒ کو حکیم الامتؒ

نے مقرر کیا تھا۔ حضرت والا کی ابتدائی دینی تعلیم اسی مدرسہ میں ہوئی۔ والد مرحوم کے بوجہ سرکاری ملازمت کے صوبہ یوپی کے مختلف اضلاع میں تبادلے ہوتے تھے اس لئے یہ طے ہوا کہ والدین کے ساتھ گھر پر ہی اساتذہ کو رکھ کر تحصیل علوم دین کی جائے۔ اس کے لئے حکیم الامتؒ سے رجوع کیا گیا تو حکیم الامتؒ نے مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ کے بڑے صاحب زادے مولانا عمر احمد عثمانی تھانویؒ کو متعین کیا اور والدہ کی درخواست پر حکیم الامتؒ نے حضرت والا کی بسم اللہ تفسیر میں جلالین سے، فقہ میں ہدایہ اول اور حدیث میں موطا امام مالک سے کرائی۔

سن بلوغ سے قبل ہی حضرت والا اپنی والدہ کو لے کر تھانہ بھون جایا کرتے تھے کیونکہ حضرت والا کے والد صاحب مرحوم بوجہ ملازمت زیادہ سفر نہیں کر سکتے تھے۔ کئی بار ایسا ہوا کہ حکیم الامتؒ حضرت والا کو اپنے ساتھ کھانے میں شریک فرماتے تھے بلکہ ایک ہی پیالے میں حکیم الامتؒ کے ساتھ نوالہ کھایا ہے۔ دوران طالب علمی میں ہی حضرت والا حکیم الامتؒ سے بیعت ہو گئے تھے۔

پنجاب اور الہ آباد کے جن اداروں سے دینی علوم کے امتحانات ہوتے تھے وہاں سے مولوی عالم، مولوی فاضل کی سند حاصل کی۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فراغت پر پگڑی باندھی۔ پنجاب سے منشی، منشی عالم اور منشی فاضل کے امتحانات میں کامیابی حاصل کی۔ دینی تعلیم کے اختتام پر علیگڑھ یونیورسٹی سے ایم۔اے اور قانون کی ڈگری بھی حاصل کی تھی۔ اس وقت حکیم الامتؒ رحلت فرماگئے تھے۔ حکیم الامتؒ کے وصال کے بعد ان کے اجل خلفاء سے اصلاح ومجالست ومکاتبت کی توفیق نصیب ہوتی رہی۔ ہندوستان سے پاکستان میں سکونت ۱۹۴۸ء میں منتقل کرنے کے بعد کراچی میں مستقل قیام کیا۔ اس وقت حکیم الامتؒ کے حسب ذیل خلفاء عظام بقید حیات تھے، حضرت مفتی اعظم محمد شفیع صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ، حضرت عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ، حضرت بابا نجم احسن صاحبؒ، حضرت مولانا محمد

یوسف بنوری صاحبؒ، حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی عثمانیؒ، حضرت حافظ عبدالولی صاحبؒ، حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحبؒ، حضرت مولانا شبیر علی صاحبؒ، حضرت ظفر احمد صاحبؒ، حضرت ڈپٹی علی سجاد صاحبؒ ان تمام اکابر کی صحبت وزیارت ودعائیں حضرت والا کو نصیب ہوئیں۔ الہ آباد میں ۱۹۴۰ء میں حضرت خواجہ مجذوب صاحب رحمہ اللہ کے ہاں بھی چند روز مہمان رہے۔ تقریباً چالیس سال کا عرصہ مختلف ادوار میں ان حضرات کی خدمت بابرکت میں گزرا۔ علاوہ ازیں صوبہ سرحد میں حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمہ اللہ کی خانقاہ میں ذکر وفکر کا سلسلہ جاری رہا۔ ہندوستان جب بھی جانا ہوتا مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادیؒ کی خانقاہ میں حضرت والا قیام فرماتے لیکن اصلاحی تعلق حضرت مسیح الامتؒ سے حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ کے بعد شروع ہوا۔

حضرت والا کے پھوپھا نواب جمشید علی خاں صاحب مرحوم باغپت کے رئیس تھے اور حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے خواص میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ حکیم الامتؒ کے باغپت میں نواب صاحب مرحوم کے مکان پر کئی وعظ ہوئے تھے۔ ''بزم جمشید'' اور ''خمخانہ باطن'' کے عنوان سے جو ملفوظات ہیں ان میں سے ایک میں حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ ''ان کے یہاں کی مستورات تو اپنے وقت کی رابعہ بصریہ ہیں۔'' حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب دامت برکاتہم کے والد ماجد مرحوم ومغفور کا نام محمد مسعود علی خان تھا آپ سرکاری ملازم تھے آخر میں ریٹائرڈ ہوگئے تھے اور کراچی میں رہائش پذیر تھے۔ طویل علالت کے بعد پنج شنبہ ۷؍شوال ۱۳۹۷ھ کو وفات پائی۔ آپ کی وفات پر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ نے ماہنامہ بینات میں جو مضمون تحریر فرمایا تھا وہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:

''افسوس کہ ہمارے محترم کرم فرما جناب عشرت علی قیصر کے والد محترم جناب محمد مسعود علی صاحب طویل علالت کے بعد پنج شنبہ ۷؍شوال ۹۷ھ کو واصل بحق ہوئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون، مرحوم کی بعض صفات وکمالات دیکھ کر رشک آتا تھا کہ اس پُر آشوب دور میں قوت ایمان کے ایسے دل کش نمونے موجود ہیں۔ حدیث بخاری شریف میں جن سات اشخاص کے بارے میں لسان نبوت سے یہ بشارت سنی تھی اور پڑھی تھی کہ سات اشخاص قیامت کے روز میدان حشر میں عرش عظیم کے سایہ تلے ہوں گے۔ ان میں ایک شخص کے بارے میں یہ الفاظ ہیں ''وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ'' کہ ایک شخص وہ ہے جس کا دل ہر وقت مسجد میں رہتا ہے۔

پہلی مرتبہ اس کا مصداق مرحوم کو دیکھا کہ ہر وقت مسجد کی حاضری کی فکر دامنگیر رہتی تھی۔ نماز پڑھ کر آتے ہی دوبارہ دوسری نماز کی فکر کا شدید تقاضا شروع ہوجاتا، بیماری اور بے ہوشی کے عالم میں بھی مسجد جانے کی فکر اور تقاضا رہا۔ اس آخر عمر میں مسجد بہت پہلے پہنچتے تھے، خود اذان واقامت کی خدمت انجام دیتے تھے، دوسری قابل غبطہ (اور قابل رشک) بات یہ دیکھی کہ ہر وقت زبان پر ذکر اللہ جاری رہتا۔ حدیث نبوی میں ہے ''لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللهِ'' کہ تمہاری زبان اللہ کی یاد سے ہر وقت تر وتازہ رہے'' اس حدیث کا مصداق آپ کی ذات گرامی کو دیکھا۔ حق تعالیٰ درجات عالیہ جنۃ الفردوس میں نصیب فرمائے اور بال بال مغفرت فرمائے اور اس جانکاہ حادثہ میں ہمارے کرم فرما قیصر صاحب کو اور ان کی بقیہ اولاد کو صبر جمیل اور اجر جزیل نصیب فرمائے اور تمام پسماندگان کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین''

حضرت والا کے والد ماجد رحمہ اللہ کے حق میں مذکورہ تحسینی وتوصیفی کلمات کا ایک عظیم محدث ومحقق کے قلم سے آخری وقت جاری ہونا ان کے درجات عالیہ وفاضلہ حاصل ہونے کی نشانی ہے۔ حضرت والا کی والدہ ماجدہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے دینداری میں خدادا اصلاحیتیں عطا فرمائی تھی۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے ۲۵؍محرم ۱۴۰۶ھ بروز جمعہ کراچی میں انتقال فرمایا، وفات پر ماہنامہ بینات میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب شہیدؒ اور حضرت نواب صاحب دامت برکاتہم کا جو مشترکہ مضمون

شائع ہوا تھا اسکا وہ حصہ نقل کیا جاتا ہے جس سے قارئین کو حضرت والا دامت برکاتہم کی والدہ ماجدہ کے ولیہ، صالحہ، کاملہ ہونے کا اندازہ ہوگا۔

''۲۵ محرم الحرام ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۱/ اکتوبر ۱۹۸۵ء بروز جمعہ ہمارے مخدوم و معظم حضرت نواب عشرت علی خان قیصر صاحب کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ کا بیعت وارادت کا تعلق حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ سے تھا۔ تلاوت ونوافل، اوراد واشغال، معمولات کی پابندی، اتباع سنت، دوام ذکر، جود وسخاوت اور داد ودہش کی بناء پر ''رابعہ دوراں'' کہلانے کی مستحق تھیں۔''

مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادیؒ سے باضابطہ اصلاحی تعلق قائم کرنے سے پہلے حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب دامت برکاتہم کا حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ سے دیرینہ اور گہرا تعلق قائم رہا۔ حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ جو حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے اجل خلفاء میں سے تھے اور ذکر وشغل میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔

حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب دامت برکاتہم کا پشاور حضرت والا کی خدمت میں کثرت سے حاضری اور خود حضرت مولانا فقیر محمد صاحب پشاوریؒ کا آپ کے یہاں کراچی آمد ورفت کا سلسلہ جاری رہا، سفر وحضر میں حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب دامت برکاتہم کو حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ کی غیر معمولی رفاقت رہی اور حضرت والا نے اپنے شیخ کی دل وجان سے خدمت میں حصہ لیا۔ حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ کی مسلسل مصاحبت ومجالست اور اصلاحی تعلق کی برکات سے حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب دامت برکاتہم نے اپنے شیخ کے بیشتر معمولات اور انداز کو اپنا کر اپنی زندگی کا حصہ بنالیا، چنانچہ ذکر وفکر اور فنائیت اور دعا کے غیر معمولی ذوق وشوق جیسی چیزوں میں اپنے

شیخ کے نقش قدم پر چلنے کو اپنایا جو بحمد اللہ تعالیٰ تا حال جاری ہے۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ۔

جب حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ نے حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب دامت برکاتہم کی صلاحیتوں کو اپنے نور بصیرت سے بھانپ لیا اور آپ کی حالت پر اطمینان ہوگیا تو اپنی طرف سے خلافت واجازت بیعت سے درج ذیل کلمات کے ساتھ مشرف فرمایا۔

''جناب نواب قیصر صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ کے خط سے نور اور حالات سے عجز وانکساری معلوم ہوتی ہے، میرے قلب پر بیساختہ وارد ہوتا ہے کہ آپ کو بیعت اور تلقین کی اجازت دے دوں۔ توکلًا علی اللہ دیتا ہوں۔ اگر کوئی بیعت کی درخواست کرے تو انکار نہ کرنا انشاء اللہ جانبین میں برکت اور نفع ہوگا۔ اپنے دوستوں کو تلقین کیا کرو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ سے لوگوں کو دین کا بہت زیادہ نفع پہنچائے۔ آمین۔ ثم آمین، فقط سلام۔ دعا گو ودعا جو مولوی فقیر محمد سرحدی۔ ۲۹/ جون ۱۹۷۸ء''

حکیم الامتؒ کے ایک اور عظیم خلیفہ، مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادیؒ کی طرف سے آپ کو مندرجہ ذیل کلمات کے ساتھ خلافت واجازت بیعت حاصل ہوئی: ''یہ احساس عظمت نسبت مقتضی ہے کہ مسئلہ سلوک کا ہے کہ اشاعت سلسلہ میں حریص ہونا چاہئے لہٰذا کیوں نہ آپ کو بیعت کے سلسلہ میں حریص ہونے کی اجازت دی جاوے، اجازت۔ بھلا قیصر اور سلسلہ کی رونق سے خالی، اجازت بیعت۔ سرخرو۔ بفضلہ تعالیٰ۔ احقر محمد مسیح اللہ۔ ۱۴/ ذیقعدہ ۱۴۱۰ھ۔''

حضرت والا سال کے مختلف اوقات میں چند ماہ کراچی میں اور چند ماہ اسلام آباد میں قیام فرماتے ہیں اور یہ سلسلہ اس وقت سے جاری ہے، جب آپ کو آپ کے شیخ حضرت مسیح الامتؒ نے اسلام آباد میں مخصوص وجوہات کی بناء پر قیام کرنے کی طرف متوجہ فرمایا تھا، ورنہ اس سے قبل آپ کا مستقل قیام کراچی میں ہوتا تھا۔ حضرت والا

نوراً ۔ اَللّٰھُمَّ اعطنی نُوراً ۔

یا اللہ! کردے میرے دل میں نور اور میری بینائی میں نور اور میری سماعت میں نور اور میرے داہنی طرف نور اور میرے بائیں طرف نور اور میرے پیچھے نور اور میرے سامنے نور اور کردے میرے لئے ایک خاص نور اور میرے پٹھوں میں نور اور میرے گوشت میں نور اور میرے خون میں نور اور میرے بالوں میں نور اور میری زبان میں نور اور کردے میری جان میں نور اور دے مجھے نورِ عظیم اور کردے مجھے سراپا نور اور کردے میرے اوپر نور اور میرے نیچے نور ۔یا اللہ عطا کردے مجھے نور۔

حضور اکرم ﷺ نے یہ دعاء اپنی امت کو سکھائی ۔فجر کی نماز کے لئے نکلتے وقت اس دعاء کا پڑھنا سنت ہے ۔اس دعاء کے بارے میں حضرت عارفیؒ نے اپنے خاص والہانہ انداز میں فرمایا کہ جب حضور ﷺ کو حق تعالیٰ نے سراجاً منیراً (روشن چراغ) کا لقب دیا اور ہر طرح سے منور فرمادیا تا کہ وہ بذات خود ایک روشن چراغ کی طرح ہدایت کا ذریعہ بن کر لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے والے بن جائیں تو حضور ﷺ نے اس وقت اپنی امت کو یاد رکھا اور شفقت کے جوش میں بیتابانہ یہ دعاء وارد ہوئی کے میرا کوئی امتی کیوں محروم رہ جائے ۔

باب ۵

حقیقتِ ایمان

ہمارا سب سے اہم کام ایمان کی حفاظت ہے ۔اسی پر ہمیشہ ہمیشہ کی جنت کا انحصار ہے اور اگر خدانخواستہ ایمان چلا گیا تو ہمیشہ ہمیشہ کی دوزخ اور اسکا عذاب یقینی ہے ۔اس لئے وہ باتیں کتاب اسوۂ رسول اکرم ﷺ سے، بہشتی زیور سے اور دوسری کتابوں سے لکھی جاتی ہیں جن سے ایمان کی حفاظت ہوجائے ۔ایمان قوی ہوجائے اور ایمان کی تجدید ہوجائے اور وہ باتیں معلوم ہوجائیں جن کا خیال رکھنا ایمان کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے ۔

حسب موقع کراچی واسلام آباد میں ہفتہ کے مخصوص دنوں میں اصلاحی مجالس کا قیام فرماتے ہیں،شروع میں اسلام آباد میں اصلاحی مجلس کا قیام بروز جمعہ آپ کے دولت خانہ پر ہوا کرتا تھا۔بعد میں قریبی مسجد میں یہ سلسلہ منتقل کردیا گیا۔آپ کا عموماً معمول یہ ہے کہ حکیم الامتؒ کے مواعظ وملفوظات سنا کران کی تشریح وتوضیح فرماتے ہیں اور اکثر وبیشتر حکیم الامتؒ کے واقعات وارشادات ہی سے اصلاحی مجالس کو مُزیّن فرماتے ہیں۔آپ کو حکیم الامتؒ کی شخصیت اوران کی تعلیمات وہدایات سے والہانہ محبت ہے۔

باب ۴

حقیقتِ نور

اختلافی جتنے ہیں یا رب امور سب میں تو مجھ کو دکھا دے حق کا نور

کلامِ پاک میں نور کا لفظ اکثر نورِ ہدایت کے معنیٰ میں آیا ہے۔یہ نور آنکھوں سے نظر نہیں آتا مگر اس نور کی موجودگی میں ہدایت کا راستہ صاف نظر آتا ہے اورحق وباطل کا فرق صاف سمجھ میں آتا ہے۔یہ نورِ ہدایت اُن کو ہی حاصل ہوتا ہے جو اپنے نفس کے خلاف مجاہدات میں مشغول رہیں اوردنیا کے فانی ہونے کا استحضار رکھیں۔پھر جب تقویٰ قلب میں راسخ ہوجاتا ہے اورذکراللہ کی کثرت ہوتی ہے تو یہ نور سب سے پہلے اپنے نفس کے رذائل کو منکشف کردیتا ہے۔یہ انکشاف عیوب حق تعالیٰ کے فضل کی علامت ہے۔اور جب گناہوں کی وجہ سے حق تعالیٰ کا قہر ہوتا ہے تو نورِ ہدایت بجھ جاتا ہے دل میں ظلمت آجاتی ہے اورحق کو باطل اور باطل کو حق سمجھنے لگتا ہے۔چونکہ نور کے لفظ سے اکثر دیندار بھی غلط معنیٰ لیتے ہیں اور وظیفے پڑھ کر کسی روشنی کے نمودار ہونے کی فکر میں رہتے ہیں اس لئے نورِ ہدایت کی حقیقت بیان کی جاتی ہے۔

آیاتِ نور

کلامِ پاک میں متعدد جگہ نورِ ہدایت کا ذکر ہے۔ بعض آیات نقل کی جاتی ہیں:

(۱) اللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِينَ اٰمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّوْرِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ. (سورۃ البقرہ آیت ۲۵۷)

اللہ تعالیٰ ساتھی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے ان کو تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں ان کے ساتھی شیاطین ہیں وہ ان کو نور سے نکال کر تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں۔ ایسے لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں۔ یہ لوگ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

(۲) يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُم بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا. (سورۃ النساء آیت ۱۷۴)

اے لوگو یقیناً تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک دلیل آ چکی ہے اور ہم نے تمہارے پاس ایک صاف نور بھیجا ہے۔

(۳) يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوا عَن كَثِيرٍ ۞ قَدْ جَآءَكُم مِّنَ اللّٰهِ نُورٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِينٌ ۞ يَهْدِي بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوٰنَهُ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلٰى صِرٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ. (سورۃ المائدہ آیت ۱۵-۱۷)

اے اہلِ کتاب تمہارے پاس ہمارے یہ رسول آئے ہیں کتاب میں سے جن امور کا تم اخفاء کرتے ہو ان میں سے بہت سی باتوں کو تمہارے سامنے صاف صاف کھول دیتے ہیں اور بہت سے امور کو درگزاشت کر دیتے ہیں۔ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے اور ایک کتاب واضح کہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کو جو کہ رضائے حق کے طالب ہوں، سلامتی کی راہیں بتلاتے ہیں اور ان کو اپنی توفیق سے تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آتے ہیں اور ان کو راہِ راست پر قائم رکھتے ہیں۔

(۴) الٓرٰ ؕ كِتٰبٌ أَنزَلْنٰهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلٰى صِرٰطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ﴿۱﴾ (سورۃ ابراہیم آیت ۱)

یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر نازل فرمایا ہے تاکہ آپ تمام لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف یعنی ذات غالب ستودہ صفات کی راہ کی طرف لاویں۔

(۵) أَوْ كَظُلُمٰتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَغْشٰهُ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ سَحَابٌ ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَآ أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكَدْ يَرٰهَا وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ ﴿۴۰﴾ (سورۃ النور آیت ۴۰)

یا وہ ایسے ہیں جیسے بڑے گہرے سمندر کے اندرونی اندھیرے کہ اس کو ایک بڑی لہر نے ڈھانک لیا ہو اور اس کے اوپر دوسری لہر اس کے اوپر بادل اوپر تلے بہت سے اندھیرے ہیں کہ اگر اپنا ہاتھ نکالے تو دیکھنے کا احتمال بھی نہیں اور جس کو اللہ ہی نور نہ دے اس کو نور نہیں۔

(۶) هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّورِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ﴿۴۳﴾ (سورۃ الاحزاب آیت ۴۳)

وہ ایسا ہے کہ وہ اور اس کے فرشتے تم پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں تاکہ حق تعالیٰ تم کو تاریکیوں سے نور کی طرف لے آوے اور اللہ تعالیٰ مومنین پر بہت مہربان ہے۔

(۷) أَفَمَن شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُورٍ مِّن رَّبِّهِ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوبُهُم مِّن ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ أُولٰٓئِكَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ﴿۲۲﴾ (سورۃ الزمر آیت ۲۲)

سو جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا اور وہ اپنے پروردگار کے نور پر ہے کیا وہ شخص اور اہل قساوت برابر ہیں۔ سو جن لوگوں کے دل خدا کے ذکر سے متاثر نہیں ہوتے ان کے لئے بڑی خرابی ہے۔ یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

(۸) هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُم مِّنَ

وہ ایسا ہے کہ اپنے بندہ پر صاف صاف آیتیں بھیجتا ہے تاکہ وہ تم کو تاریکیوں سے نور کی

علامتِ ایمان

(۱) حق تعالیٰ کی محبت:

وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ اور ایمان والے اللہ کی محبت میں اشد ہیں۔(الآیۃ)

(سورۃ البقرۃ: آیت ۱۶۵)

یعنی ہر مسلمان کو چاہئے کہ حق تعالیٰ کی محبت میں نہایت مضبوط ہو اور حق تعالیٰ کے برابر کسی کی محبت دل میں نہ ہو۔ حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ "یہ مضبوطی محبت کی فاسق وفاجر مسلمان میں بھی ہوتی ہے گو گناہوں کی وجہ سے دب جاتی ہے۔ امتحان کے موقع پر یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے مثلاً اگر کسی مسلمان کے سامنے کوئی شخص خدا تعالیٰ کی شان میں یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے تو اگرچہ اس مسلمان کا ایمان نہایت کمزور ہو لیکن اس گستاخی کو سن کر اس قدر بے چین ہو جاتا ہے کہ ماں کی گالی سننے سے اس قدر بے چین نہیں ہوتا۔" اس محبت کو حاصل کرنے کی اور بڑھانے کی آسان تدبیر یہ ہے کہ ہر وقت یہ سوچا کرے کہ حق تعالیٰ کے حکم کو ہر بات پر ترجیح ہونی چاہیے۔ یہ سوچنے سے رفتہ رفتہ حق تعالیٰ کی ایسی محبت جو شرعاً فرض ہے حاصل ہو جائے گی۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کو اپنے ماں باپ اپنی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ میری محبت نہ ہو۔(معارف الحدیث۔بخاری ومسلم)

یہاں بھی حضور اکرم ﷺ کی محبت عقلی مراد ہے یعنی عقلاً یہ سمجھنا کہ حضور ﷺ کا بتایا ہوا طریقہ ہی قابل ترجیح ہے۔ اب یہ طریقہ چاہے شادی غمی کا ہو یا رہن سہن کا یا معاملات، عبادات اور اخلاق سے متعلق کوئی بات ہو یا دین اسلام کی تبلیغ کا طریقہ ہو۔ ہر معاملہ میں اس مسنون طریقہ کو جسے متقی اور محقق علماء حق مسنون بتائیں ترجیح

دے کر اختیار کر لینا ہی علامت ہے اس محبت کی۔ ایسا شخص جس کو یہ محبت حاصل ہے وہ اپنے نفس کے تقاضوں اور اپنے اہل تعلقات کی خواہشات سے مغلوب نہیں ہوتا۔

(۳) باہمی محبت اور سلام کا رواج:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جنت میں نہیں جاسکتے جب تک کہ صاحب ایمان نہ ہو جاؤ اور تم پورے مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ تم میں باہمی محبت نہ ہو۔ کیا میں تم کو ایک ایسی بات نہ بتلادوں کہ اگر تم اس پر عمل کرنے لگو تو تم میں باہمی محبت پیدا ہو جائے اور وہ بات یہ ہے کہ تم اپنے درمیان "سلام" کا رواج پھیلاؤ اور اس کو عام کرو۔(مسلم۔معارف الحدیث)

(۴) اللہ ہی کے لئے محبت وبغض:

حضرت مُعاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ایمان کے متعلق سوال کیا (یعنی پوچھا کہ ایمان کا اعلیٰ اور افضل درجہ کیا ہے اور وہ کون سے اعمال واخلاق ہیں جن کے ذریعہ اس کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بس اللہ تعالیٰ ہی کے لئے کسی سے تمہاری محبت ہو اور اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے بغض وعداوت ہو۔ (یعنی دوستی اور دشمنی جس سے بھی ہو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے ہو) اور دوسرے یہ کہ اپنی زبان کو تم اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگائے رکھو۔

حضرت معاذؓ نے عرض کیا کہ اور کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دوسرے لوگوں کے لئے بھی وہی چاہو اور پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے اور چاہتے ہو اور ان کے لئے بھی ان چیزوں کو ناپسند کرو جو اپنے لئے ناپسند کرتے ہو۔

(بخاری ومسلم، مسند احمد، معارف الحدیث)

(۵) ایمان اور وفاداری:

حضرت تمیم داریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین نام ہے "خلوص اور وفاداری" کا ہم نے عرض کیا کہ کس کے ساتھ خلوص اور وفاداری؟

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹﴾
(سورۃ الحدید آیت ۹)

طرف لاوے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے حال پر بڑا شفیق مہربان ہے۔

(۹) فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْۤ اَنْزَلْنَا ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۸﴾ (سورۃ التغابن آیت ۸)

سو تم اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو کہ ہم نے نازل کیا ہے، ایمان لاؤ۔

کیفیت نور

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّلَا غَرْبِیَّةٍ ۙ یَّكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَیَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۳۵﴾
(سورۃ النور آیت ۳۵)

اللہ تعالیٰ نور (ہدایت) دینے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔ اس کے نور (ہدایت) کی حالتِ عجیبہ ایسی ہے جیسے (فرض کرو) ایک طاق ہے (اور) اس میں ایک چراغ ہے (اور) وہ چراغ ایک قندیل میں ہے (اور وہ قندیل) طاق میں رکھا ہے (اور) وہ قندیل ایسا (صاف شفاف) ہے جیسے ایک چمکدار تارہ ہو (اور) وہ چراغ ایک نہایت مفید درخت (کے تیل) سے روشن کیا جاتا ہے کہ وہ زیتون (کا درخت) ہے جو (کسی آڑ کے) نہ پورب رُخ ہے اور نہ پچھم رُخ ہے اس کا تیل (اس قدر صاف اور سلگنے والا ہے کہ) اگر اسکو آگ بھی نہ چھوئے تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود جل اٹھے گا (اور جب) آگ بھی (لگ گئی تب تو) نور علیٰ نور ہے اور اللہ اپنے اس نور (ہدایت) سے جس کو چاہتا ہے راہ دے دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ لوگوں (کی ہدایت) کے لئے یہ مثالیں بیان فرماتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

نور قلب

حکیم الامتؒ کے ایک مرید کو ذکر کی برکات کا یوں مشاہدہ ہوا کہ نور قلب کی حقیقت واضح ہوگئی۔ انہوں نے اپنے خط میں اپنا حال لکھا۔ اُن کا یہ حال متعلق نور قلب اور حکیم الامتؒ کا جواب گرامی ملاحظہ ہو:

پہلے یہ سمجھ لیں کہ یہ نور قلب، جو عیبوں کو ظاہر کر دے اور حق و باطل کی پہچان کرا دے، گناہ کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا۔ حکیم الامتؒ نے ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ معصیت (یعنی گناہ) کے ساتھ اعمال صالحہ تو جمع ہوسکتے ہیں: **فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ** یعنی جو ذرہ برابر بھی نیکی کریگا وہ اس کو دیکھے گا اور جو ذرہ برابر بھی شر کرے گا وہ اس کو دیکھے گا۔ لیکن نور قلب اور معاصی (یعنی گناہ) ایک جگہ جمع نہیں ہوتے۔

حال: قلب کی حالت نہایت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ حضرت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ذکر کی برکت سے قلب میں ایک نور ہے جس کی وجہ سے مجھکو میرے عیوب نظر آتے ہیں۔

تحقیق: بڑی رحمت ہے۔

حال: چنانچہ پرسوں میں بیٹھا ہوا ذکر کر رہا تھا اور گذشتہ گناہوں کا خیال پیش نظر تھا تو یہ معلوم ہوا کہ میرے اندر تکبر کا ایک مرض ایسا موجود ہے جس کی وجہ سے یہ سب گناہ صادر ہوئے ہوں۔ اور اس مرض ہی کے سبب سے مجھکو دین و دنیا کے نقصانات برداشت کرنے پڑے ہیں۔ چنانچہ میں نے نہایت عجز و زاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی چاہی اور پختہ عہد کیا ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ میں کسی دین یا دنیا کے کام میں کبر نہیں کروں گا۔ اور تواضع اختیار کرنے کا اقرار بھی کر کے تواضع شروع کر دی ہے،

حضرت بھی دعا فرما دیں۔

تحقیق: بدل و جان دعا ہے۔ آپ نے بالکل ٹھیک سمجھا۔

نورِ ذکر

کتاب قصد السبیل میں ہدایت چہارم میں حکیم الامتؒ نے ذکر کے انوار کی حقیقت بتا کر تنبیہ فرمائی ہے کہ ”بعضے یہ سمجھتے ہیں کہ ذکر و شغل کرنے میں یہ فائدہ ہے کہ کچھ انوار نظر آیا کریں گے یا کچھ آوازیں سنائی دیں گی۔ یہ محض ہوس اور نافہمی ہے کیونکہ اول تو ذکر و شغل پر ان آثار کا مرتب ہونا ضروری نہیں ہے اور نہ ذکر و شغل سے یہ مقصود ہے دوسرے یہ انوار و الوان و اصوات (روشنی، رنگ اور آوازیں) بعض اوقات اسی کے دماغ کا تصرف ہوتا ہے عالم غیب کے اشیاء میں سے نہیں ہوتیں تیسرے اگر بالفرض اسی عالم کی چیزیں منکشف ہوگئیں تو اس کو کیا فائدہ۔ کسی عالم کے منکشف ہونے سے (حق تعالیٰ کا) قرب نہیں بڑھ جاتا۔ قرب کے لئے تو طاعات موضوع ہیں (یعنی حق تعالیٰ کا قرب صرف ان کی اطاعت سے بڑھتا ہے۔) بعض اوقات شیاطین کو فرشتے نظر آجاتے ہیں مگر وہ شیطان کے شیطان ہی رہتے ہیں“

حکیم الامتؒ کے ایک مرید نے ذکر کے دوران نور دیکھا اس کی تحقیق ملاحظہ ہو:

حال: رات کو نفلیں پڑھ کر بارہ تسبیح شروع کر دیا۔ کچھ دیر کے بعد دیکھتا ہوں کہ ساری مسجد روشن ہوگئی۔ آنکھ کھولکر دیکھا تو بھی (مسجد) روشن معلوم ہوئی۔

تحقیق: ایسے حالات اس مصلحت کے لئے بھی پیش آتے ہیں کہ سالک کو نشاط ہو اور طریق میں مشغولی سہل ہو۔

حکیم الامتؒ کے ایک حقیقت شناس مرید نے ذکر کی وجہ سے نور کے پیدا ہو کر نظر آنے کو غیر کامل سمجھا ان کا حال اور حکیم الامتؒ کا جواب گرامی ملاحظہ ہو:

حال: آج شب کو ذکر میں تمام بدن منور معلوم ہوتا تھا۔

تحقیق: یہ انوارِ ذکر ہیں۔

حال: دل یوں چاہتا ہے کہ بے کیف حضور ہو۔ انوار کے ساتھ جو حضور ہوتا ہے قلب میں خود بخود یہ بات آتی ہے کہ یہ حضور کامل نہیں۔

تحقیق: فی نفسہ یہ امر صحیح ہے لیکن جس وقت مربی حقیقی سے جو عطاء ہو اس وقت کے مناسب وہی ہوتا ہے۔ اس کے خلاف کی تمنا نہ چاہئے۔

دعاءِ نور

۱) رَبَّنَا اَتمِم لَنَا نُورَنَا فَاغفِر لَنَا اِنَّکَ عَلیٰ کُلِّ شَیءٍ قَدِیرٌ

(الآیۃ: سورۃ التحریم۔ آیت ۸)

اے ہمارے پروردگار! ہمارے لئے ہمارے اس نور کو آخر تک رکھ (یعنی اللہ کو راضی کرنے کے راستے کے درمیان میں بجھ نہ جائے) اور ہماری مغفرت فرما۔ آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔)

ایک مرتبہ حضرت عارفیؒ نے اپنی مجلس میں اس دعاء کے بارے میں فرمایا کہ اس دعاء میں فَاغفِر لَنَا کے معنیٰ چھپا دینے کے ہیں۔ کلمہ غفر چھپانے کے معنیٰ بھی رکھتا ہے۔ یعنی نور ہدایت جو عطاء ہوا ہے وہ آخیر تک رہنمائی کرے یعنی اللہ تک پہنچا دے اور یہ نور ہم سے چھپا دیں تا کہ رہنمائی تو ہو مگر عُجب (یعنی خود پسندی) سے حفاظت رہے۔

۲) اَللّٰھُمَّ اجعَل فِی قَلبِی نوراً وَّ فِی بَصَرِی نُوراً وَّ فِی سَمعِی نوراً وَّ عَن یَّمِینِی نوراً وَّ عَن شِمالِی نوراً وَّ خَلفِی نوراً وَّمِن اَمامِی نوراً وَّاجعَل لِی نُوراً وَّ فِی عَصَبِی نوراً وَّ فِی لَحمِی نوراً وَّفِی دَمِی نوراً وَّ فِی شَعرِی نوراً وَّفِی بَشَرِی نوراً وَّ فِی لِسانِی نُوراً وَاجعَل فِی نَفسِی نُوراً وَّ اَعظِم لِی نوراً وَّاجعَلنِی نوراً وَّاجعَل من فوقی نوراً وَّمن تحتی

ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کے رسول کے ساتھ، مسلمانوں کے سرداروں اور پیشواؤں کے ساتھ اور ان کے عوام کے ساتھ۔

(معارف الحدیث، مسلم)

(۶) ایمان کی مٹھاس:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ایسی ہیں کہ وہ جس شخص میں ہوں اس کو ان کی وجہ سے ایمان کی مٹھاس نصیب ہوگی:

۱۔ ایک وہ شخص جس کے نزدیک اللہ اور اس کا رسول سب ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں، یعنی جتنی محبت اس کو اللہ اور رسول سے ہو اتنی کسی سے نہ ہو۔

۲۔ اور ایک وہ شخص جس کو کسی بندے سے محبت ہو اور محض اللہ ہی کے لئے ہو (یعنی کسی دُنیوی غرض سے نہ ہو محض اس وجہ سے محبت ہو کہ وہ شخص اللہ والا ہے)۔

۳۔ اور ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے کفر سے بچالیا ہو (خواہ پہلے ہی سے بچا رکھا ہو، خواہ کفر سے توبہ کرلی اور بچ گیا) اور اس (بچالینے) کے بعد وہ کفر کی طرف آنے کو اس قدر ناپسند کرتا ہے جیسے آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے (روایت کیا ہے اس کو بخاری و مسلم نے)۔(حیٰوۃ المسلمین)

(۷) راستے سے تکلیف والی چیز ہٹا دینا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایمان کی ستّر سے بھی کچھ اوپر شاخیں ہیں ان میں سب سے اعلیٰ اور افضل تو ”لا الہ الا اللہ“ کا قائل ہونا، یعنی توحید کی شہادت دینا ہے۔ اور ان میں ادنیٰ درجے کی چیز اذیت اور تکلیف دینے والی چیزوں کا راستے سے ہٹانا ہے اور حیا ایمان کی ایک اہم شاخ ہے۔(معارف الحدیث، بخاری و مسلم)

(۸) اچھے کام سے خوشی اور بُرے کام سے رنج:

حضرت ابواُمامہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم کو اپنے اچھے عمل سے مسرت ہو اور بُرے کام سے رنج اور قلق ہو تو تم مومن ہو۔(معارف الحدیث۔مسند احمد)

(۹) حیاء وشرم:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، حیا اور شرم ایمان سے پیدا ہوتی ہے اور ایمان کا نتیجہ جنت ہے اور بے حیائی اور فحش کلامی، درشتیِ فطرت سے پیدا ہوتی ہے اور اس کا نتیجہ دوزخ ہے۔(مسند احمد۔ ترمذی)

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حیا اور ایمان دونوں ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں جب ان میں سے ایک اٹھا لیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھا لیا جاتا ہے۔(معارف الحدیث)

(۱۰) پڑوسی کو ایذا سے بچانا:

حضرت ابو شریح خزاعیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قسم اللہ تعالیٰ کی وہ مومن نہیں، قسم اللہ تعالیٰ کی وہ مومن نہیں، قسم اللہ تعالیٰ کی وہ مومن نہیں“۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کون مومن نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”وہ آدمی جس کے پڑوسی اس کی شرارتوں اور آفتوں سے خائف رہتے ہوں“۔(بخاری، معارف الحدیث)

(۱۱) بُری بات مٹانا:

حضرت ابو سعید خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی تم میں سے کوئی بُری اور خلاف شرع بات دیکھے تو لازم ہے کہ اگر طاقت رکھتا ہو تو اپنے ہاتھ سے (یعنی زور اور قوت سے) اس کو بدلنے کی (یعنی درست کرنے کی) کوشش کرے اور اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو پھر اپنی زبان ہی

سے اس کو بدلنے کی کوشش کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے دل ہی سے بُرا سمجھے اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔ (مسلم۔ معارف الحدیث)

ایمان اور وساوس

وسوسہ غیر اختیاری خیال ہوتا ہے۔ اس کو شیطان دماغ میں یا دل میں ڈالتا ہے۔ وساوس ہرگز ایمان کے منافی نہیں ہیں۔ حضرت عارفیؒ اپنی کتاب معمولات یومیہ میں وساوس کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں: ''خوب سمجھ لینا چاہئے کہ یہ سب غیر اختیاری باتیں ہیں اور محض شیطانی تصرفات ہیں۔ جب تک کہ ان کے مقتضاء پر عمل نہ کیا جائے ہرگز قابل مواخذہ نہیں ہیں اور نہ ہی علامت مردودیت ہیں۔ نہ ایمان میں کمی ہوتی ہے نہ تعلق مع اللہ میں ان سے کوئی فرق آتا ہے۔ بلکہ ان کے مکروہ اور ناگوار ہونے سے جو اذیت ہوتی ہے اس کو برداشت کرنے پر اجر ملتا ہے۔'' حکیم الامتؒ نے ایک وعظ میں فرمایا ہے کہ حدیث میں ہے کہ ''میری امت سے وسوسہ پر مواخذہ نہ ہوگا۔''

مسلم شریف کی حدیث ہے کہ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چند صحابہؓ حاضر ہوئے آپ سے پوچھا کہ ہم اپنے دلوں میں ایسے وسوسے پاتے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک بُرا سمجھتا ہے کہ زبان پر لاوے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، کیا واقعی تم لوگوں نے اسے پایا ہے؟ صحابہؓ نے فرمایا، ہاں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ صریح ایمان ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کبھی کبھی میرے دل میں ایسے بُرے خیالات آتے ہیں کہ جل کر کوئلہ ہو جانا مجھے اُس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اس کو زبان سے نکالوں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر ہے جس نے اس کے معاملہ کو وسوسہ کی طرف لوٹا دیا ہے۔ (ابو داؤد، معارف الحدیث) یعنی وہ

خیالات صرف وسوسے کی حد تک ہیں، قصداً شک کی بات سوچنے اور بدعملی کا موجب نہیں ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں میں ہمیشہ فضول سوالات اور چوں و چرا کا سلسلہ جاری رہے گا یہاں تک کہ یہ احمقانہ سوال بھی کیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے سب مخلوق کو پیدا کیا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ پس جس کو اس سے سابقہ پڑے وہ یہ کہہ کر بات ختم کردے کہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر میرا ایمان ہے۔ (معارف الحدیث۔ بخاری و مسلم)

اسلام، ایمان اور احسان

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک دن حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے (اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے ایک بڑے مجمع سے خطاب فرما رہے تھے) کہ اچانک ایک شخص سامنے سے نمودار ہوا جس کے کپڑے نہایت سفید اور بال بہت ہی زیادہ سیاہ تھے اور اس شخص پر سفر کا کوئی اثر بھی معلوم نہ ہوتا تھا (جس سے خیال ہوتا کہ یہ کوئی بیرونی شخص نہیں ہے) اور اس کے ساتھ یہ بات بھی تھی کہ ہم میں سے کوئی شخص اس نو وارد کو پہچانتا نہ تھا۔ جس سے خیال ہوتا کہ یہ کوئی باہر کا آدمی ہے تو یہ شخص حاضرین کے حلقہ میں سے ہوتا ہوا آیا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آکر دو زانو اس طرح بیٹھ گیا کہ اپنے گھٹنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں سے ملا دیئے اور اپنے ہاتھ حضور ﷺ کے زانوں پر رکھ دیئے اور کہا،

''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے بتلایئے کہ اسلام کیا ہے''۔

آپ ﷺ نے فرمایا اسلام یہ ہے (یعنی اس کے ارکان یہ ہیں کہ دل و زبان سے) تم یہ شہادت ادا کرو کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ (کوئی ذات عبادت و بندگی کے لائق نہیں۔ اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور ماہ رمضان

کے روزے رکھو اور حج بیت اللہ کی تم استطاعت رکھتے ہو تو حج کرو۔ اس نووارد سائل نے آپ کا یہ جواب سن کر کہا، آپ نے سچ کہا۔

راوئ حدیث حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم کو اس پر تعجب ہوا کہ یہ شخص پوچھتا بھی ہے اور پھر خود تصدیق وتصویب بھی کرتا جاتا ہے۔

اس کے بعد اس شخص نے عرض کیا اب مجھے یہ بتلایئے کہ ایمان کیا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تم اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں کو اور یوم آخر یعنی روز قیامت کو حق جانو اور ہر خیر وشر کی تقدیر کو بھی حق جانو اور حق مانو (یہ سن کر بھی) اس نے کہا آپ نے سچ کہا۔

اس کے بعد اس شخص نے عرض کیا مجھے بتلایئے کہ احسان کیا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت وبندگی تم اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ اگر چہ تم اس کو نہیں دیکھتے ہو لیکن وہ تو تم کو دیکھتا ہی ہے۔

پھر اس شخص نے عرض کیا مجھے قیامت کی بابت بتلایئے (کہ کب واقع ہو گی)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس سے یہ سوال کیا جارہا ہے وہ اس کو سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔

پھر اس نے عرض کیا تو پھر مجھے اس کی کچھ نشانیاں ہی بتلایئے۔

آپ ﷺ نے فرمایا (اس کی ایک نشانی تو یہ ہے کہ) لونڈی اپنے آقا اور ملکہ کو جنے گی اور (دوسری نشانی یہ ہے کہ) تم دیکھو گے کہ جن کے پاؤں میں جوتا اور تن پر کپڑا نہیں ہے اور جو تہی دست اور بکریاں چرانے والے ہیں وہ بڑی بڑی عمارتیں بنانے لگیں گے اور اس میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کریں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ یہ باتیں کر کے وہ نووارد شخص چلا گیا۔ پھر مجھے کچھ عرصہ گذر گیا تو مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر کیا تمہیں پتہ ہے کہ وہ سوال کرنے والا شخص کون تھا۔ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی

زیادہ جاننے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ جبرئیل (علیہ السلام) تھے۔ تمہاری اس مجلس میں اس لئے آئے تھے کہ تم لوگوں کو تمہارا دین سکھائیں۔

(صحیح مسلم وصحیح بخاری۔ معارف الحدیث)

ایمان کی قبولیت کی شرطیں

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین پانچ چیزوں کا مجموعہ ہے (جو سب کی سب ضروری ہیں) ان میں کوئی بھی چیز دوسرے کے بغیر بایں معنی مقبول نہیں (کہ دوزخ سے کامل نجات دلا سکے) اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں، کتابوں، اس کے رسولوں اور جنت دوزخ پر یقین رکھنا اور اس پر کہ مرنے کے بعد پھر (حساب وکتاب کے لئے) جی اٹھنا ہے۔ یہ ایک بات ہوئی اور پانچ نمازیں اسلام کا ستون ہیں، اللہ تعالیٰ نماز کے بغیر ایمان بھی قبول نہیں کرے گا۔ زکوٰۃ گناہوں کا کفارہ ہے، زکوٰۃ کے بغیر اللہ تعالیٰ ایمان اور نماز بھی قبول نہیں کرے گا۔ پھر جس نے یہ ارکان ادا کر لئے اور رمضان شریف کا مہینہ آ گیا اور کسی عذر کے بغیر جان بوجھ کر اس میں روزے نہ رکھے تو اللہ تعالیٰ نہ اس کا ایمان قبول کرے گا اور نہ نماز وزکوٰۃ۔ اور جس شخص نے یہ چار رکن ادا کر لئے اس کے بعد حج کرنے کی بھی استطاعت ہوئی (یعنی اتنا مال ہوا) پھر اس نے نہ خود حج کیا اور نہ اس کے بعد کسی دوسرے عزیز نے اس کی طرف سے حج کیا تو اس کا ایمان، نماز، زکوٰۃ اور روزے کچھ قبول نہیں، قبول نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کسی رکن اسلام میں کوتاہی ہونے سے بقیہ اعمال دوزخ سے فوری نجات دلانے کے لئے کافی نہ ہوں گے۔ (الحلیہ۔ ترجمان السنہ)

فلاح کی ضمانت والے احکام اسلام

حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ ایک شخص جو علاقہ نجد کا رہنے

والا تھا اور اس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے (کچھ کہتا ہوا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آیا۔ ہم اس بھنبھناہٹ کو تو سنتے تھے مگر آواز صاف نہ ہونے کی وجہ سے (اور شاید فاصلہ کی زیادتی بھی اس کی وجہ ہو) ہم اس کی بات کو سمجھ نہیں رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قریب آ گیا۔

اب وہ سوال کرتا ہے اسلام کے بارے میں (یعنی اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ "مجھے اسلام کے وہ خاص احکام بتلایئے جن پر عمل کرنا بحیثیت مسلمان میرے لئے اور ہر مسلمان کے ضروری ہے)۔

آپ ﷺ نے فرمایا، پانچ تو نمازیں ہیں دن رات میں (جو فرض کی گئی ہیں اور اسلام میں یہ سب سے اہم اوّل فریضہ ہے) اس نے عرض کیا کہ کیا ان کے علاوہ اور کوئی نماز بھی میرے لئے لازم ہوگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں" (فرض تو بس یہی پانچ نمازیں ہیں) مگر تمہیں حق ہے کہ اپنی طرف سے اور اپنے دل کی خوشی سے (ان پانچ فرض نمازوں کے علاوہ) اور بھی زائد نمازیں پڑھو (اور مزید ثواب حاصل کرو)۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا، اور سال میں پورے ماہ رمضان کے روزے فرض کئے گئے ہیں (اور یہ اسلام کا دوسرا عمومی فریضہ ہے)۔ اس نے عرض کیا، کیا رمضان کے علاوہ کوئی اور روزے بھی میرے لئے لازم ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں (فرض تو بس رمضان ہی کے روزے ہیں) مگر تمہیں حق ہے کہ اپنے دل کی خوشی سے تم اور نفلی روزے رکھو (اور اللہ تعالیٰ کا مزید قرب اور ثواب حاصل کرو)۔

راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس شخص سے فریضۂ زکوٰۃ کا بھی ذکر فرمایا۔ اس پر بھی اس نے یہی کہا کہ "کیا اس زکوٰۃ کے علاوہ کوئی اور صدقہ ادا کرنا بھی میرے لئے ضروری ہوگا؟ آپ نے فرمایا نہیں (فرض تو بس زکوٰۃ ہی ہے) مگر تم کو حق ہے کہ اپنے دل کی خوشی سے تم نفلی صدقے دو (اور مزید ثواب حاصل کرو)۔

راوی حدیث حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد وہ سوال کرنے والا شخص واپس لوٹ گیا اور وہ کہتا جا رہا تھا کہ (مجھے جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے) میں اس میں (اپنی طرف سے) کوئی زیادتی یا کمی نہیں کروں گا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے (اس کی یہ بات سن کر) فرمایا، "فلاح پالی اس نے اگر یہ سچا ہے۔" (بخاری ومسلم۔ معارف الحدیث)

وہ عقائد جن پر ایمان کا دارومدار ہے

چونکہ عقائد پر ہی ایمان کا دارومدار ہے اور آج کل اس سے بالکل غفلت ہے اسلئے بہشتی زیور سے ان عقائد کی فہرست نقل کی جاتی ہے۔ ان کو بار بار پڑھنے اور یاد رکھنے سے ایمان کو قوت ملتی جائے گی۔ ساتھ ہی بدعات اور بڑے بڑے گناہوں کی فہرست بھی دی گئی ہے کہ یہ بھی عقائد ہی کا حصہ ہیں۔ یہ اچھی طرح سمجھ لیں کہ ان عقائد کا سمجھ میں آنا ضروری نہیں بلکہ ان عقائد کو ماننا ضروری ہے کیونکہ ایمان غیب پر لانے کا حکم ہے۔ سمجھنے کا حکم کہیں نہیں آیا ہے۔

عقیدہ ۱۔ تمام عالم پہلے بالکل نا پید تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے موجود ہوا۔

عقیدہ ۲۔ اللہ ایک ہے وہ کسی کا محتاج نہیں نہ اُس نے کسی کو جنا نہ وہ کسی سے جنا گیا نہ اُس کی کوئی بی بی ہے۔ کوئی اس کے مقابل کا نہیں۔

عقیدہ ۳۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

عقیدہ ۴۔ کوئی چیز اس کے مثل نہیں۔ وہ سب سے نرالا ہے۔

عقیدہ ۵۔ وہ زندہ ہے۔ ہر چیز پر اُس کو قدرت ہے۔ کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں۔ وہ سب کچھ دیکھتا ہے۔ سُنتا ہے۔ کلام فرماتا ہے لیکن اس کا کلام ہم لوگوں کے کلام کی طرح نہیں۔ جو چاہے کرتا ہے کوئی اس کی روک ٹوک کرنے والا نہیں۔ وہی پوجنے کے قابل ہے اس کا کوئی ساجھی نہیں۔ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ بادشاہ ہے۔ سب عیبوں سے پاک ہے۔ وہی اپنے بندوں کو سب آفتوں سے بچاتا ہے۔

وہی عزّت والا ہے۔ بڑائی والا ہے۔ ساری چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے اس کا کوئی
پیدا کرنے والا نہیں۔ گناہوں کا بخشنے والا ہے۔ زبردست ہے۔ بہت دینے والا ہے۔
روزی پہنچانے والا ہے جس کی روزی چاہے تنگ کردے اور جس کی چاہے زیادہ
کردے۔ جس کو چاہے پست کردے جس کو چاہے بلند کردے۔ جس کو چاہے عزّت
دے جس کو چاہے ذلت دے۔ انصاف والا ہے بڑے تحمّل اور برداشت والا ہے۔
خدمت اور عبادت کی قدر کرنے والا ہے۔ دُعا کا قبول کرنے والا ہے۔ سمائی والا
ہے۔ وہ سب پر حاکم ہے اُس پر کوئی حاکم نہیں ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی
نہیں۔ وہ سب کا کام بنانے والا ہے۔ اُسی نے سب کو پیدا کیا ہے۔ وہی قیامت میں
پھر پیدا کرے گا۔ وہی جلاتا ہے وہی مارتا ہے۔ اس کو نشانیوں اور صفتوں سے سب
جانتے ہیں۔ اُس کی ذات کی باریکی کو کوئی نہیں جان سکتا۔ گنہگاروں کی توبہ قبول کرتا
ہے۔ جو سزا کے قابل ہیں اُن کو سزا دیتا ہے۔ وہی ہدایت کرتا ہے۔ جہان میں جو کچھ
ہوتا ہے اُسی کے حکم سے ہوتا ہے۔ بے اس کے حکم کے ذرّہ نہیں ہل سکتا۔ نہ وہ سوتا
ہے نہ اُونگھتا ہے۔ وہ تمام عالم کی حفاظت سے تھکتا نہیں۔ وہی سب چیزوں کو تھامے
ہوئے ہے۔ اسی طرح تمام اچھی اور کمال کی صفتیں اس کو حاصل ہیں اور بُری اور
نقصان کی کوئی صفت اس میں نہیں نہ اس میں کوئی عیب ہے۔

عقیدہ ۶۔ اس کی سب صفتیں ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گی اور اس کی کوئی صفت
کبھی جا نہیں سکتی۔

عقیدہ ۷۔ مخلوق کی صفتوں سے پاک ہے۔ اور قرآن و حدیث میں بعض جگہ جو ایسی
باتوں کی خبر دی گئی ہے تو اُن کے معنی اللہ کے حوالہ کریں کہ وہی اس کی حقیقت جانتا
ہے۔ اور ہم بے کھود کُرید کئے اسی طرح ایمان لاتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ جو
کچھ اس کا مطلب ہے وہ ٹھیک ہے اور حق ہے اور یہی بات بہتر ہے۔ یا اس کے کچھ
مناسب معنے لگالیں جس سے وہ سمجھ میں آجاوے۔

عقیدہ ۸۔ عالم (دنیا) میں جو کچھ بھلا بُرا ہوتا ہے سب کو خدا تعالیٰ اس کے ہونے سے

پہلے ہمیشہ سے جانتا ہے اور اپنے جاننے کے موافق اس کو پیدا کرتا ہے۔ تقدیر اسی کا
نام ہے۔ اور بُری چیزوں کے پیدا کرنے میں بہت بھید ہیں جن کو ہر ایک نہیں جانتا۔

عقیدہ ۹۔ بندوں کو اللہ تعالیٰ نے سمجھ اور ارادہ دیا ہے جس سے وہ گناہ اور ثواب کے
کام اپنے اختیار سے کرتے ہیں۔ مگر بندوں کو کسی کام کے پیدا کرنے کی قدرت نہیں
ہے۔ گناہ کے کام سے اللہ میاں ناراض اور ثواب کے کام سے خوش ہوتے ہیں۔

عقیدہ ۱۰۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ایسے کام کا حکم نہیں دیا جو بندوں سے نہ ہو سکے۔

عقیدہ ۱۱۔ کوئی چیز خدا کے ذمّہ ضروری نہیں وہ جو کچھ مہربانی کرے اس کا فضل ہے۔

عقیدہ ۱۲۔ بہت سے پیغمبر اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے بندوں کو سیدھی راہ بتانے آئے اور
وہ سب گناہوں سے پاک ہیں گنتی اُن کی پوری طرح اللہ ہی کو معلوم ہے اُن کی سچائی
بتانے کو اللہ تعالیٰ نے اُن کے ہاتھوں ایسی نئی نئی اور مشکل مشکل باتیں ظاہر کیں جو اور
لوگ نہیں کرسکتے۔ ایسی باتوں کو معجزہ کہتے ہیں۔ اُن میں سب سے پہلے آدم علیہ
السّلام تھے اور سب کے بعد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی درمیان میں
ہوئے۔ ان میں بعضے بہت مشہور ہیں جیسے حضرت نوح علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام
اسحٰق علیہ السلام اسمٰعیل علیہ السلام یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام داؤد علیہ السلام
سلیمان علیہ السلام ایوب علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام ہارون علیہ السلام زکریا علیہ السلام
یحییٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام الیاس علیہ السلام الیسع علیہ السلام یونس علیہ السلام لوط
علیہ السلام ادریس علیہ السلام ذوالکفل علیہ السلام صالح علیہ السلام ہود علیہ السلام
شعیب علیہ السلام۔

عقیدہ ۱۳۔ سب پیغمبروں کی گنتی اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتائی اس لئے یوں عقیدہ
رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے جتنے پیغمبر ہیں ہم اُن سب پر ایمان لاتے ہیں جو ہم
کو معلوم ہیں اُن پر بھی اور جو نہیں معلوم اُن پر بھی۔

عقیدہ ۱۴۔ پیغمبروں میں بعضوں کا مرتبہ بعضوں سے بڑا ہے۔ سب سے زیادہ مرتبہ

ہمارے پیغمبر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور آپ کے بعد کوئی نیا پیغمبر نہیں آ سکتا۔ قیامت تک جتنے آدمی اور جن ہوں گے آپ سب کے پیغمبر ہیں۔

عقیدہ[۱۵]۔ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جاگتے میں جسم کے ساتھ مکّہ سے بیت المقدس اور وہاں سے ساتوں آسمانوں پر اور وہاں سے جہاں تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا پہنچایا اور پھر مکّہ میں پہنچادیا۔ اس کو معراج کہتے ہیں۔

عقیدہ[۱۶]۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ مخلوقات نور سے پیدا کر کے اُن کو ہماری نظروں سے چھپا دیا ہے۔ اُن کو فرشتہ کہتے ہیں۔ بہت سے کام اُن کے حوالے ہیں۔ وہ کبھی اللہ کے حکم کے خلاف کوئی کام نہیں کرتے۔ جس کام میں لگا دیا ہے اس میں لگے ہیں۔ ان میں چار فرشتے بہت مشہور ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السّلام۔ حضرت میکائیل علیہ السّلام۔ حضرت اسرافیل علیہ السّلام۔ حضرت عزرائیل علیہ السّلام۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ مخلوق آگ سے بنائی ہے۔ وہ بھی ہم کو دکھائی نہیں دیتی۔ اُن کو جن کہتے ہیں۔ اُن میں نیک و بد سب طرح کے ہوتے ہیں اُن کے اولاد بھی ہوتی ہے۔ اُن میں سب سے زیادہ مشہور شریر ابلیس یعنی شیطان ہے۔

عقیدہ[۱۷]۔ مسلمان جب خوب عبادت کرتا ہے اور گناہوں سے بچتا ہے اور دُنیا سے محبت نہیں رکھتا اور پیغمبر صاحب کی ہر طرح خوب تابعداری کرتا ہے تو وہ اللہ کا دوست اور پیارا ہو جاتا ہے۔ ایسے شخص کو ولی کہتے ہیں۔ اس شخص سے کبھی ایسی باتیں ہونے لگتی ہیں جو اور لوگوں سے نہیں ہو سکتیں۔ ان باتوں کو کرامت کہتے ہیں۔

عقیدہ[۱۸]۔ ولی کتنے ہی بڑے درجہ کو پہنچ جاوے مگر نبی کے برابر نہیں ہو سکتا۔

عقیدہ[۱۹]۔ خدا کا کیسا ہی پیارا ہو جاوے مگر جب تک ہوش و حواس باقی ہوں شرع کا پابند رہنا فرض ہے۔ نماز روزہ اور کوئی عبادت معاف نہیں ہوتی۔ جو گناہ کی باتیں ہیں وہ اس کے لئے درست نہیں ہو جاتیں۔

عقیدہ[۲۰]۔ جو شخص شریعت کے خلاف ہو وہ خدا کا دوست نہیں ہو سکتا اگر اس کے ہاتھ

سے کوئی اچنبھے کی بات دکھائی دیوے یا تو وہ جادو ہے یا نفسانی اور شیطانی دھندا ہے۔ اس سے عقیدہ نہ رکھنا چاہیئے۔

عقیدہ[۲۱]۔ ولی لوگوں کو بعض بھید کی باتیں سوتے یا جاگتے میں معلوم ہو جاتی ہیں اس کو کشف اور الہام کہتے ہیں اگر وہ شرع کے موافق ہے تو قبول ہے اور اگر شرع کے خلاف ہے تو رَد ہے۔

عقیدہ[۲۲]۔ اللہ و رسول ﷺ نے دین کی سب باتیں قرآن و حدیث میں بندوں کو بتا دیں۔ اب کوئی نئی بات دین میں نکالنا درست نہیں۔ ایسی نئی بات کو بدعت کہتے ہیں۔ بدعت بہت بڑا گناہ ہے۔

عقیدہ[۲۳]۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سی چھوٹی بڑی کتابیں آسمان سے جبرئیل علیہ السّلام کی معرفت بہت سے پیغمبروں پر اُتاریں تاکہ وہ اپنی اُمتوں کو دین کی باتیں سُنائیں۔ ان میں چار کتابیں بہت مشہور ہیں۔ توریت حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو ملی۔ زبور حضرت داؤد علیہ السلام کو۔ انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو۔ قرآن مجید ہمارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ اور قرآن مجید آخری کتاب ہے اب کوئی کتاب آسمان سے نہ آوے گی۔ قیامت تک قرآن کا حکم چلتا رہے گا۔ دوسری کتابوں کو گمراہ لوگوں نے بہت کچھ بدل ڈالا۔ مگر قرآن مجید کی نگہبانی کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے اس کو کوئی نہیں بدل سکتا۔

عقیدہ[۲۴]۔ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو جن جن مسلمانوں نے دیکھا ہے اُن کو صحابی کہتے ہیں۔ اُن کی بڑی بڑی بزرگیاں آئی ہیں۔ اُن سب سے محبت اور اچھا گمان رکھنا چاہیئے۔ اگر اُن کے آپس میں کوئی لڑائی جھگڑا سُننے میں آئے تو اُس کو بھول چوک سمجھے۔ اُن کی کوئی بُرائی نہ کرے اُن سب میں سب سے بڑھ کر چار صحابی ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہ پیغمبر صاحب کے بعد اُن کی جگہ بیٹھے اور دین کا بندوبست کیا اس لئے یہ اوّل خلیفہ کہلاتے ہیں۔ تمام اُمّت میں یہ سب سے

بہتر ہیں۔ اُن کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہ دوسرے خلیفہ ہیں۔ ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہ تیسرے خلیفہ ہیں۔ ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہ چوتھے خلیفہ ہیں۔

عقیدہ[۲۵]۔ صحابی کا اتنا بڑا رُتبہ ہے کہ بڑے سے بڑا ولی بھی ادنیٰ درجہ کے صحابی کے برابر مرتبے میں نہیں پہنچ سکتا۔

عقیدہ[۲۶]۔ پیغمبر صاحب کی اولاد اور بیبیاں سب تعظیم کے لائق ہیں۔ اور اولاد میں سب سے بڑا رتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہے۔ اور بیبیوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا۔

عقیدہ[۲۷]۔ ایمان جب درست ہوتا ہے کہ اللہ و رسول ﷺ کو سب باتوں میں سچا سمجھے اور ان سب کو مان لے۔ اللہ و رسول ﷺ کی کسی بات میں شک کرنا یا اس کو جھٹلانا یا اس میں عیب نکالنا یا اسکے ساتھ مذاق اُڑانا ان سب باتوں سے ایمان جاتا رہتا ہے۔

عقیدہ[۲۸]۔ قرآن اور حدیث کے کھلے مطلب کو نہ ماننا اور اینچ پینچ کر کے اپنے مطلب بنانے کو معنی گڑھنا بددینی کی بات ہے۔

عقیدہ[۲۹]۔ گناہ کو حلال سمجھنے سے ایمان جاتا رہتا ہے۔ (اس عقیدہ کا بہت دھیان رکھیں۔ آجکل یہی مرض عام ہے کہ گناہ کو حلال اور جائز سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ گناہ بار بار کرنے اور نادم نہ ہونے سے یہ خطرناک حال پیدا ہو جاتا ہے یا اپنا مفاد اسقدر عزیز ہوتا ہے کہ گناہ کو گناہ ماننے سے انکار پیدا ہو جاتا ہے۔)

عقیدہ[۳۰]۔ گناہ چاہے جتنا بڑا ہو جب تک اُس کو بُرا سمجھتا رہے ایمان نہیں جاتا۔ البتہ کمزور ہو جاتا ہے۔

عقیدہ[۳۱]۔ اللہ تعالیٰ سے نڈر ہو جانا یا نا اُمید ہو جانا کفر ہے۔

عقیدہ[۳۲]۔ کسی سے غیب کی باتیں پوچھنا اور اس کا یقین کر لینا کفر ہے۔

عقیدہ[۳۳]۔ غیب کا حال سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ البتہ نبیوں کو وحی سے اور

ولیوں کو کشف اور الہام سے اور عام لوگوں کو نشانیوں سے بعضی باتیں معلوم بھی ہو جاتی ہیں۔

عقیدہ[۳۴]۔ کسی کا نام لے کر کافر کہنا یا لعنت کرنا بڑا گناہ ہے۔ ہاں یوں کہہ سکتے ہیں کہ ظالموں پر لعنت جھوٹوں پر لعنت۔ مگر جن کا نام لے کر اللہ و رسول ﷺ نے لعنت کی ہے یا اُن کے کافر ہونے کی خبر دی ہے اُن کو کافر ملعون کہنا گناہ نہیں۔

عقیدہ[۳۵]۔ جب آدمی مر جاتا ہے اگر گاڑا جائے تو گاڑنے کے بعد اور اگر نہ گاڑا جائے تو جس حال میں ہو اُس کے پاس دو فرشتے جن میں سے ایک کو منکر دوسرے کو نکیر کہتے ہیں۔ آ کر پوچھتے ہیں کہ تیرا پروردگار کون ہے۔ تیرا دین کیا ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پوچھتے ہیں کہ یہ کون ہیں۔ اگر مُردہ ایماندار ہوا تو ٹھیک ٹھیک جواب دیتا ہے۔ پھر اس کے لئے سب طرح کا چین ہے۔ جنت کی طرف کھڑکی کھول دیتے ہیں جس سے ٹھنڈی ہوا اور خوشبو آتی رہتی ہے۔ اور وہ مزے میں پڑ کر سو رہتا ہے۔ اور اگر مُردہ ایماندار نہ ہوا تو وہ سب باتوں میں یہی کہتا ہے کہ مجھے کچھ خبر نہیں۔ پھر اُس پر بڑی سختی اور عذاب قیامت تک ہوتا رہتا ہے۔ اور بعضوں کو اللہ تعالیٰ اس امتحان سے معاف کر دیتا ہے مگر یہ سب باتیں مُردہ کو معلوم ہوتی ہیں ہم لوگ نہیں دیکھتے جیسے سوتا آدمی خواب میں سب کچھ دیکھتا ہے اور جاگتا آدمی اُس کے پاس بے خبر بیٹھا رہتا ہے۔

عقیدہ[۳۶]۔ مرنے کے بعد ہر دن صبح اور شام کے وقت مُردے کا جو ٹھکانا ہے دکھلا دیا جاتا ہے جنّتی کو جنّت دکھلا کر خوشخبری دیتے ہیں اور دوزخی کو دوزخ دکھلا کر اور حسرت بڑھاتے ہیں۔

عقیدہ[۳۷]۔ مُردے کے لئے دُعا کرنے سے کچھ خیر خیرات دے کر بخشنے سے اُس کو ثواب پہنچتا ہے اور اس سے اُس کو بڑا فائدہ ہوتا ہے۔

عقیدہ[۳۸]۔ اللہ و رسول ﷺ نے جتنی نشانیاں قیامت کی بتائی ہیں سب ضرور ہونے

والی ہیں۔امام مہدی علیہ السلام ظاہر ہوں گے اور خوب انصاف سے بادشاہی کریں گے۔کانا دجّال نکلے گا اور دُنیا میں بہت فساد مچاوے گا۔اُس کے مار ڈالنے کے واسطے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر سے اُتریں گے اور اُس کو مار ڈالیں گے۔یاجوج ماجوج بڑے زبردست لوگ ہیں۔وہ تمام زمین پر پھیل پڑیں گے اور بڑا ادھم مچاویں گے پھر خدا کے قہر سے ہلاک ہوں گے۔ایک عجیب طرح کا جانور زمین سے نکلے گا اور آدمیوں سے باتیں کرے گا۔مغرب کی طرف سے آفتاب نکلے گا۔قرآن مجید اُٹھ جائے گا اور تھوڑے دنوں میں سارے مسلمان مر جائیں گے اور تمام دُنیا کافروں سے بھر جائے گی اور اس کے سوا اور بہت سی باتیں ہوں گی۔

عقیدہ[۳۹]۔جب ساری نشانیاں پوری ہو جائیں گی تو قیامت کا سامان شروع ہوگا۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام خدا کے حکم سے صُور پھونکیں گے یہ صُور ایک بہت بڑی چیز سینگ کی شکل پر ہے۔اس صور کے پھونکنے سے تمام زمین و آسمان پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاویں گے۔تمام مخلوقات مر جاوے گی اور جو مر چکے ہیں ان کی روحیں بے ہوش ہو جاویں گی۔مگر اللہ تعالیٰ کو جن کا بچانا منظور ہے وہ اپنے حال پر رہیں گے۔ ایک مُدت اسی کیفیت پر گذر جاوے گی۔

عقیدہ[۴۰]۔پھر جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا کہ تمام عالَم پھر پیدا ہو جاوے تو دوسری بار پھر صور پھونکا جائے گا۔اُس سے پھر سارا عالم پیدا ہو جاوے گا۔مُردے زندہ ہو جاویں گے اور قیامت کے میدان میں سب اکٹھے ہوں گے اور وہاں کی تکلیفوں سے گھبرا کر سب پیغمبروں کے پاس سفارش کرانے جاویں گے۔آخر ہمارے پیغمبر صاحب سفارش کریں گے۔ترازو کھڑی کی جاوے گی۔بھلے بُرے عمل تولے جاویں گے۔اُن کا حساب ہوگا۔بعضے بے حساب جنّت میں جاویں گے۔نیکوں کا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں اور بدوں کا بائیں ہاتھ میں دیا جاوے گا۔پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمّت کو حوضِ کوثر کا پانی پلائیں گے۔جو دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا

ہوگا۔پُل صراط پر چلنا ہوگا۔جو نیک لوگ ہیں وہ اس سے پار ہو کر بہشت میں پہنچ جاویں گے۔جو بد ہیں وہ اس پر سے دوزخ میں گر پڑیں گے۔

عقیدہ[۴۱]۔دوزخ پیدا ہو چکی ہے اس میں سانپ اور بچھو اور طرح طرح کا عذاب ہے۔دوزخیوں میں سے جن میں ذرا بھی ایمان ہوگا وہ اپنے اعمال کی سزا بھگت کر پیغمبروں اور بزرگوں کی سفارش سے نکل کر بہشت میں داخل ہوں گے۔خواہ کتنے ہی بڑے گنہگار ہوں۔اور جو کافر اور مشرک ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور اُن کو موت بھی نہ آئے گی۔

عقیدہ[۴۲]۔بہشت بھی پیدا ہو چکی ہے اور اُس میں طرح طرح کے چین اور نعمتیں ہیں۔بہشتیوں کو کسی طرح کا ڈر اور غم نہ ہوگا۔اور وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔نہ اُس سے نکلیں گے اور نہ وہاں مریں گے۔

عقیدہ[۴۳]۔اللہ کو اختیار ہے کہ چھوٹے گناہ پر سزا دے دے یا بڑے گناہ کو اپنی مہربانی سے معاف کر دے اور اُس پر بالکل سزا نہ دے۔

عقیدہ[۴۴]۔شرک اور کُفر کا گناہ اللہ تعالیٰ کبھی کسی کو معاف نہیں کرتا۔اور اس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے گا اپنی مہربانی سے معاف کر دیوے گا۔

عقیدہ[۴۵]۔جن لوگوں کا نام لے کر اللہ اور رسول ﷺ نے اُن کا بہشتی یعنی جنّتی ہونا بتلا دیا ہے اُن کے سوا کسی اور کے بہشتی ہونے کا یقینی حُکم نہیں لگا سکتے البتہ اچھی نشانیاں دیکھ کر اچھا گمان رکھنا اور اُس کی رحمت سے اُمید رکھنا ضروری ہے۔

عقیدہ[۴۶]۔بہشت میں سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے جو بہشتیوں کو نصیب ہوگا۔اس کی لذّت میں تمام نعمتیں ہیچ معلوم ہوں گی۔

عقیدہ[۴۷]۔دنیا میں جاگتے ہوئے اللہ کو ان آنکھوں سے کسی نے نہیں دیکھا اور نہ کوئی دیکھ سکتا ہے۔

عقیدہ[۴۸]۔عمر بھر کوئی کیسا ہی بھلا بُرا ہو مگر جس حالت پر خاتمہ ہوتا ہے اُسی کے موافق

اُس کو اچھا بُرا بدلہ ملتا ہے۔

عقیدہ ۴۹۔ آدمی عمر بھر میں جب کبھی توبہ کرے یا مسلمان ہو اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہے البتہ مرتے وقت جب دَم ٹوٹنے لگے اور عذاب کے فرشتے دکھائی دینے لگیں اُس وقت نہ توبہ قبول ہوتی ہے اور نہ ایمان۔

کُفر اور شرک کی باتوں کا بیان

کفر اور شرک کی حسب ذیل باتیں نمونہ کے طور پر بہشتی زیور سے نقل کی جاتی ہیں۔ جب کسی کام کے جائز یا ناجائز کا پتہ نہ ہو، علماء کرام سے معلوم کر کے عمل کیا جائے۔ محض اس وجہ سے کہ لوگ ایسا ہی کرتے ہیں یا رائج الوقت رسم یا طور طریقہ یہی ہے، کوئی کام نہ کیا جائے۔ محقق اور متقی علماء کرام سے دریافت کر لیا جائے۔

۱۔ کفر کو پسند کرنا۔ کفر کی باتوں کو اچھا جاننا۔

۲۔ کسی دوسرے سے کُفر کی کوئی بات کرانا۔ کسی وجہ سے اپنے ایمان پر پشیمان ہونا کہ اگر مسلمان نہ ہوتے تو فلانی بات حاصل ہو جاتی۔

۳۔ اولاد وغیرہ کسی کے مر جانے پر رنج میں اس قسم کی باتیں کہنا، خدا کو بس اسی کا مارنا تھا۔ دنیا بھر میں مارنے کے لئے بس یہی تھا۔ خدا کو ایسا نہ چاہیے تھا۔ ایسا ظلم کوئی نہیں کرتا جیسا تو نے کیا۔

۴۔ خدا اور رسول کے کسی حکم کو بُرا سمجھنا اس میں عیب نکالنا۔

۵۔ کسی نبی یا فرشتے کی حقارت کرنا۔ اُن کو عیب لگانا۔

۶۔ کسی بزرگ یا پیر کے ساتھ یہ عقیدہ رکھنا کہ ہمارے سب حال کی اس کو ہر وقت ضرور خبر رہتی ہے۔

۷۔ نجومی پنڈت یا جس پر جن چڑھا ہو اُس سے غیب کی خبریں پوچھنا یا فال کھلوانا پھر اُس کو سچ جاننا۔

۸۔ کسی بزرگ کے کلام سے فال دیکھ کر اس کو یقینی سمجھنا۔

۹۔ کسی کو دور سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ اُس کو خبر ہو گی۔

۱۰۔ کسی کو نفع نقصان کا مختار سمجھنا۔ کسی سے مرادیں مانگنا۔ روزی اولاد مانگنا۔

۱۱۔ کسی کے نام کا روزہ رکھنا۔

۱۲۔ کسی کو سجدہ کرنا۔

۱۳۔ کسی کے نام کا جانور چھوڑنا یا چڑھاوا چڑھانا۔

۱۴۔ کسی کے نام کی منّت ماننا۔

۱۵۔ کسی کی قبر یا مکان کا طواف کرنا۔

۱۶۔ خدا کے حکم کے مقابلہ میں کسی دوسری بات یا رسم کو مقدم رکھنا۔

۱۷۔ کسی کے سامنے جھکنا یا تصویر کی طرح کھڑا رہنا۔

۱۸۔ توپ پر بکرا چڑھانا۔

۱۹۔ کسی کے نام پر جانور ذبح کرنا۔

۲۰۔ جن بھوت پریت وغیرہ سے نجات حاصل کرنے کے لئے اُن کی بھینٹ دینا۔ بکرا وغیرہ ذبح کرنا۔

۲۱۔ بچّے کے جینے کے لئے اُس کے نارکا پوجنا۔

۲۲۔ کسی کی دُہائی دینا۔

۲۳۔ کسی جگہ کا کعبہ کے برابر ادب و تعظیم کرنا۔

۲۴۔ کسی کے نام پر بچّہ کے کان ناک چھیدنا۔ بالی اور بُلاق پہنانا۔ کسی کے نام کا بازو پر پیسہ باندھنا یا گلے میں ناڑا ڈالنا۔

۲۵۔ سہرا باندھنا۔

۲۶۔ چوٹی رکھنا۔

۲۷۔ فقیر بنانا۔

۲۸۔ علی بخش۔ حسین بخش۔ عبدالنبی وغیرہ نام رکھنا۔

۲۹۔ کسی جانور پر کسی بزرگ کا نام لگا کر اس کا ادب کرنا۔

۳۰۔ عالم کے کاروبار کو ستاروں کی تاثیر سے سمجھنا۔

۳۱۔ اچھی بری تاریخ اور دن کا پوچھنا۔

۳۲۔ شگون لینا۔

۳۳۔ کسی مہینے یا تاریخ کو منحوس سمجھنا۔

۳۴۔ کسی بزرگ کا نام بطور وظیفہ کے جپنا۔

۳۵۔ یوں کہنا کہ خدا اور رسول اگر چاہے گا تو فلانا کام ہوجاوے گا۔

۳۶۔ کسی کے نام یا سر کی قسم کھانا۔

۳۷۔ (جاندار کی بڑی) تصویر رکھنا۔خصوصاً کسی بزرگ کی تصویر برکت کے لے رکھنا اور اُس کی تعظیم کرنا۔

بدعتوں اور بُری رسموں اور بُری باتوں کا بیان

بدعتوں اور بُری رسموں کی حسب ذیل باتیں کتاب بہشتی زیور سے نقل کی جاتی ہیں۔یہ بطور نمونہ کے ہیں قوسین میں مؤلف نے جہاں ضرورت ہوئی وضاحت بھی کر دی ہے اور بھی بہت سی باتیں ہیں جو بدعات میں شامل ہیں۔کوئی کام یا رسم کرنے سے پہلے علماء کرام سے اس کا جائز یا ناجائز ہونا معلوم کرنا ضروری ہے۔

۱۔ قبروں پر دھوم دھام سے میلا کرنا۔ چراغ جلانا۔عورتوں کا وہاں جانا۔ چادریں ڈالنا۔پختہ قبریں بنانا۔بزرگوں کے راضی کرنے کو قبروں کی حد سے زیادہ تعظیم کرنا۔تعزیہ یا قبر کو چومنا چاٹنا۔خاک ملنا۔طواف اور سجدہ کرنا۔ قبروں کی طرف نماز پڑھنا۔مٹھائی، چاول گلگلے وغیرہ چڑھانا۔تعزیہ علم وغیرہ رکھنا۔اس پر حلوہ مالیدہ چڑھانا یا اس کو سلام کرنا۔

۲۔ کسی چیز کو اچھوتی سمجھنا۔

۳۔ محرم کے مہینے میں پان نہ کھانا۔مہندی مسّی نہ لگانا۔مرد کے پاس نہ رہنا۔لال

کپڑا نہ پہننا۔بی بی کی صحنک مردوں کو نہ کھانے دینا۔

۴۔ تیجا، چالیسواں وغیرہ کو ضروری سمجھ کر کرنا۔

۵۔ باوجود ضرورت کے عورت کے دوسرے نکاح کو معیوب سمجھنا۔

۶۔ نکاح، ختنہ، بسم اللہ وغیرہ میں اگرچہ وسعت نہ ہو مگر ساری خاندانی رسمیں کرنا۔خصوصاً قرض وغیرہ کر کے ناچ رنگ وغیرہ کرنا۔(مطلب یہ ہے کہ محض رسم کی وجہ سے کوئی کام نہ کیا جائے بلکہ جائز ہے یا ناجائز یہ معلوم کیا جائے اور جائز رسم بھی قرض لے کر نہ کی جائے)

۷۔ ہولی دیوالی کی رسمیں کرنا۔سلام کی جگہ بندگی وغیرہ کرنا یا صرف سر پر ہاتھ رکھ کر جھک جانا۔

۸۔ دیور، جیٹھ، پھوپی زاد، خالہ زاد بھائی کے سامنے بے محابا آنا، یا اور کسی نامحرم کے سامنے آنا۔(پھوپھا اور خالو عورت کے لئے اور چچی اور ممانی مرد کے لئے نامحرم ہیں۔ماموں زاد اور چچا زاد بھائی بہن بھی ایک دوسرے کے لئے نامحرم ہیں۔عورت کے لئے شوہر کے والد اور نانا، دادا کے سوا سب سسرالی مرد نامحرم ہیں اسی طرح مرد کے لئے بیوی کی والدہ، نانی دادی کے سوا سب سسرالی عورتیں نامحرم ہیں)

۹۔ گگرا دریا سے گاتے بجاتے لانا۔(کیونکہ اس میں رقص ہے گانا ہے اور نامحرم سنتے اور دیکھتے ہیں)

۱۰۔ راگ باجا۔گانا سُننا۔

۱۱۔ ڈومنیوں وغیرہ کو نچانا اور دیکھنا۔اُس پر خوش ہو کر اُن کو انعام دینا۔

۱۲۔ نسب پر فخر کرنا یا کسی بزرگ سے منسوب ہونے کو نجات کے لئے کافی سمجھنا۔ کسی کے نسب میں کسر ہو اُس پر طعن کرنا۔

۱۳۔ جائز پیشہ کو ذلیل سمجھنا۔حد سے زیادہ کسی کی تعریف کرنا۔

۱۴۔ شادیوں میں فضول خرچی اور خرافات باتیں کرنا۔ہندوؤں کی رسمیں کرنا۔

۱۵۔ دولہا کو خلاف شرع پوشاک پہنانا۔کنگنا سہرا باندھنا۔مہندی لگانا۔آتشبازی ٹٹیوں وغیرہ کا سامان کرنا۔فضول آرائش کرنا۔

۱۶۔ گھر کے اندر عورتوں کے درمیان دولہا کو بُلانا اور سامنے آجانا۔تاک جھانک کر اُس کو دیکھ لینا۔

۱۷۔ سیانی سمجھدار سالیوں وغیرہ کا سامنے آنا۔اس سے ہنسی دل لگی کرنا۔چوتھی کھیلنا۔

۱۸۔ جس جگہ دولہا دولہن لیٹے ہوں اُس کے گرد جمع ہو کر باتیں سُننا۔جھانکنا۔تاکنا۔اگر کوئی بات معلوم ہو جائے تو اُس کو اوروں سے کہنا۔

۱۹۔ مانجھے بیٹھانا اور ایسی شرم کرنا جس سے نمازیں قضا ہو جاویں۔

۲۰۔ شیخی سے مہر زیادہ مقرر کرنا۔(یعنی فخر اور کبر کی وجہ سے مہر زیادہ مقرر کرنا کہ مہر کم ہوا تو برادری میں ناک کٹ جائیگی)

۲۱۔ غمی میں چلّا کر رونا۔مُنہ اور سینہ پیٹنا۔بیان کر کے رونا۔استعمالی گھڑے توڑ ڈالنا۔جو جو کپڑے اس کے بدن سے لگے ہوں سب کا دھلوانا۔برس روز تک یا کچھ کم زیادہ اُس گھر میں اَچار نہ پڑنا۔کوئی خوشی کی تقریب نہ کرنا۔مخصوص تاریخوں میں پھر غم کا تازہ کرنا۔

۲۲۔ حد سے زیادہ زیب و زینت میں مشغول ہونا۔

۲۳۔ سادی وضع کو معیوب جاننا۔(یعنی سیدھے سادھے کپڑے وغیرہ کے استعمال کو عیب کی بات سمجھنا۔فیشن زدہ ایسے ہی ہوتے ہیں۔)

۲۴۔ مکان میں تصویریں لگانا۔(جاندار کی تصاویر حرام ہیں۔یہ مسئلہ متفق علیہ ہے یعنی فقہاء میں کوئی اختلاف اس بارے میں نہیں ہے۔جاندار کی تصاویر شیشے پر نظر آئیں یا کپڑوں پر یا کاغذ پر یا کسی اور چیز پر اور نقاط سے بنائی گئی ہوں یا خطوط سے،کسی مشین سے بنائی جائیں یا کیمرے سے یا انسان بنائے،سب

حرام ہیں۔ہاں وہ عکس جو جاندار کی حرکت کے ساتھ ساتھ بعینہٖ حرکت کرتا ہو اور جاندار کے ہٹ جانے پر ختم ہو جائے جیسے پانی،شیشے،آئینے وغیرہ میں عکس،اور براہ راست لائیو ٹی وی براڈ کاسٹ جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس میں موسیقی کان میں پڑنے کا احتمال نہ ہو،نہ نامحرم پر نظر پڑنے کا احتمال ہو،نہ کوئی اور گناہ ہو اور یہ دیکھنا لہو و لعب میں شامل نہ ہو۔کسی نامحرم کو لائیو ٹی وی پر دیکھنا بھی جائز نہیں۔)

۲۵۔ خاصدان،عطر دان،سُرمہ دانی سلائی وغیرہ چاندی سونے کی استعمال کرنا۔

۲۶۔ بہت باریک کپڑا پہننا یا بجتا زیور پہننا۔

۲۷۔ لہنگا پہننا۔

۲۸۔ (عورتوں کو) مَردوں کے مجمع میں جانا،عورتوں کو مردوں کی (یا مردوں کو عورتوں کی)وضع اختیار کرنا۔

۳۰۔ بدن گدوانا۔

۳۱۔ خدائی رات کرنا۔

۳۲۔ ٹوٹکہ کرنا۔

۳۳۔ محض زیب و زینت کے لئے دیوار گیری چھت گیری لگانا۔

۳۴۔ سفر کو جاتے یا (سفر سے) لوٹتے وقت غیر محرم کے گلے لگنا یا گلے لگانا۔

۳۵۔ جینے کے لئے لڑکے کا کان یا ناک چھیدنا۔

۳۶۔ لڑکے کو بالا یا بُلاق پہنانا۔ریشمی یا کُسم یا زعفران کا رنگا ہوا کپڑا یا ہنسلی یا گھونگرو یا کوئی اور زیور پہنانا۔

۳۷۔ کم رونے کے لئے افیون کھلانا۔(یا کوئی اور ایسی چیز نشہ آور کھلانا)

۳۸۔ کسی بیماری میں شیر کا دودھ یا اُس کا گوشت کھلانا۔(کسی بھی حرام چیز کو دوا بنانا جائز نہیں ہے۔جب کوئی ایسی ضرورت ہو متقی عالم سے دریافت کیا جائے۔)

بعضے بڑے بڑے گناہوں کا بیان

۱۔ خدا سے شرک کرنا۔(سوائے حق تعالیٰ کے کسی میں قدرت نہیں کہ بیماری کو اچھا کردے، یا اولاد دیدے یا مشکل کو آسان کردے یا رزق بڑھادے۔ بس اسی سے مانگو اور شرک آمیز تدبیریں نہ کرو۔)

۲۔ ناحق خون کرنا۔ وہ عورتیں جن کے اولاد نہیں ہوتی بعضے ایسے ٹوٹکے کرتی ہیں کہ یہ بچہ مرجائے اور ہمارے اولاد ہو یہ بھی اسی خون میں داخل ہے۔

۳۔ ماں باپ کو ستانا۔(ماں باپ کو تو راحت پہنچانے اور ان کا دل خوش کرنے کا حکم ہے۔ ستانے سے دین و دنیا برباد ہو جاتی ہے۔ خوب سمجھ لو۔ ان کی تعظیم اور ادب سے ان کے دل کو راحت پہنچتی ہے۔ دل میں بھی تعظیم رکھو۔ والدین کی عظمت کا تو کافر بھی انکار نہیں کرسکتا۔)

۴۔ زنا کرنا۔(بس اس کے قریب ہی نہ جاؤ، نہ نظر سے، نہ گفتگو کرکے، نہ کوئی ایسی بات سوچ کر)

۵۔ یتیموں کا مال کھانا جیسے اکثر عورتیں خاوند کے تمام مال و جائداد پر قبضہ کرکے چھوٹے بچوں کا حصہ اُڑاتی ہیں۔

۶۔ لڑکیوں کو حصّہ میراث کا نہ دینا۔(واقعات سامنے ہیں کہ بہن ضرورتمند ہے اور بھائی دولت میں کھیلے اور بہن کو اس کا حصہ جائداد میں سے نہ دے۔ یہ سخت گناہ اور ظلم ہے۔ میراث ہر صورت میں جلد از جلد تقسیم کرنی چاہئے۔)

۷۔ کسی عورت کو ذرا سے شبہ میں زنا کی تہمت لگانا۔

۸۔ ظلم کرنا۔(حقوق ادا نہ کرنا ہی اصل ظلم ہے۔ ہمارے معاشرے میں بہو اور بیوی پر بہت ظلم ہوتا ہے۔ اسی طرح ملازمتوں میں بہت ظلم ہوتا ہے۔)

۹۔ کسی کو اُس کے پیچھے بدی سے یاد کرنا۔(چاہے وہ برائی اس میں واقعی بھی ہو)

۱۰۔ خدا کی رحمت سے نا اُمید ہونا۔(یہ ناامیدی کفر ہے۔ حق تعالیٰ معافی چاہنے

والے کو فوراً معاف فرما دیتے ہیں۔ ایک سیکنڈ بھی دیر نہیں لگتی)

۱۱۔ وعدہ کرکے پورا نہ کرنا۔

۱۲۔ امانت میں خیانت کرنا۔

۱۳۔ خدا کا کوئی فرض مثل نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ چھوڑ دینا۔

۱۴۔ قرآن شریف پڑھ کر بھلا دینا۔

۱۵۔ جھوٹ بولنا خصوصاً جھوٹی قسم کھانا۔

۱۶۔ خدا کے سوا اور کسی کی قسم کھانا یا اس طرح قسم کھانا کہ مرتے وقت کلمہ نصیب نہ ہو۔ ایمان پر خاتمہ نہ ہو۔

۱۷۔ خدا کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنا۔

۱۸۔ بلاعذر نماز قضا کردینا۔

۱۹۔ کسی مسلمان کو کافر یا بے ایمان یا خدا کی مار یا خدا کی پھٹکار یا خدا کا دشمن وغیرہ کہنا۔(آج کل اچھے مسلمان بھی اس میں احتیاط نہیں کرتے۔)

۲۰۔ کسی کا گلہ شکوہ سننا۔(صرف مظلوم کو جائز ہے کہ کسی ایسے شخص یا ادارے سے فریاد کرے جو اسے ظلم سے نجات دلاسکتا ہو۔)

۲۱۔ چوری کرنا۔(بجلی اور پانی کی چوری بھی چوری ہے اور حرام ہے۔)

۲۲۔ بیاج لینا۔

۲۳۔ اناج کی گرانی سے خوش ہونا۔

۲۴۔ مول چکا کر پیچھے زبردستی سے کم دینا۔

۲۵۔ غیر محرم کے پاس تنہائی میں بیٹھنا۔

۲۶۔ جُوا کھیلنا بعضی عورتیں اور لڑکیاں بَد بَد کے گِٹّے یا اور کوئی کھیل کھیلتی ہیں یہ بھی جُوا ہے۔

۲۷۔ کافروں کی رسمیں پسند کرنا۔

۲۸۔ کھانے کو بُرا کہنا۔

۲۹۔ ناچ دیکھنا۔

۳۰۔ راگ باجا سننا۔

۳۱۔ قدرت ہونے پر نصیحت نہ کرنا۔

۳۲۔ کسی سے مسخرا پن کر کے بے حرمت اور شرمندہ کرنا۔

۳۳۔ کسی کا عیب ڈھونڈنا۔

گُناہوں سے بعضے دُنیا کے نقصانوں کا بیان

۱۔ علم سے محروم رہنا۔

۲۔ روزی کم ہو جانا۔

۳۔ خدا کی یاد سے وحشت ہونا۔

۴۔ آدمیوں سے وحشت ہو جانا، خاص کر نیک آدمیوں سے۔

۵۔ اکثر کاموں میں مشکل پڑ جانا۔

۶۔ دل میں صفائی نہ رہنا۔

۷۔ دل میں اور بعضی دفعہ تمام بدن میں کمزوری ہو جانا۔

۸۔ طاعت سے محروم رہنا۔

۹۔ عُمر گھٹ جانا۔

۱۰۔ توبہ کی توفیق نہ ہونا۔

۱۱۔ کچھ دنوں میں گناہ کی بُرائی دل سے جاتی رہنا۔

۱۲۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل ہو جانا۔

۱۳۔ دوسری مخلوق کو اس کا نقصان پہنچنا اور اس وجہ سے اُس پر لعنت کرنا۔

۱۴۔ عقل میں فتور ہو جانا۔

۱۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اُس پر لعنت ہونا۔

۱۶۔ فرشتوں کی دُعا سے محروم رہنا۔

۱۷۔ پیداوار میں کمی ہونا۔

۱۸۔ شرم اور غیرت کا جاتا رہنا۔

۱۹۔ اللہ تعالیٰ کی بڑائی اُس کے دل سے نکل جانا۔

۲۰۔ نعمتوں کا چھن جانا۔

۲۱۔ بلاؤں کا ہجوم ہونا۔

۲۲۔ اُس پر شیطانوں کا مقرر ہو جانا۔

۲۳۔ دِل کا پریشان رہنا۔

۲۴۔ مرتے وقت منہ سے کلمہ نہ نکلنا۔

۲۵۔ خدا کی رحمت سے مایوس ہونا اور اس وجہ سے بے توبہ مَر جانا۔

عبادت سے بعضے دُنیا کے فائدوں کا بیان

۱۔ روزی بڑھنا۔

۲۔ طرح طرح کی برکت ہونا۔

۳۔ تکلیف اور پریشانی دُور ہونا۔

۴۔ مرادوں کے پورے ہونے میں آسانی ہونا لُطف کی زندگی ہونا۔

۵۔ بارش ہونا۔

۶۔ ہر قسم کی بَلا کا ٹل جانا۔

۷۔ اللہ تعالیٰ کا مہربان اور مددگار رہنا۔

۸۔ فرشتوں کو حُکم ہونا کہ اس کا دِل مضبوط رکھو۔

۹۔ سچّی عزّت و آبرو ملنا۔

۱۰۔ مرتبے بلند ہونا۔

۱۱۔ سب کے دلوں میں اس کی محبت ہو جانا۔

۱۲۔ قرآن کا اس کے حق میں شفا ہونا۔

۱۳۔ مال کا نقصان ہو جاوے تو اس سے اچھا بدلا مل جانا۔

۱۴۔ دن بدن نعمت میں ترقی ہونا۔

۱۵۔ مال بڑھنا۔

۱۶۔ دل میں راحت اور تسلی رہنا۔

۱۷۔ آئندہ نسل میں یہ نفع پہنچنا۔

۱۸۔ زندگی میں غیبی بشارتیں نصیب ہونا۔

۱۹۔ مرتے وقت فرشتوں کا خوشخبری سُنانا، مبارکباد دینا۔

۲۰۔ عُمر بڑھنا۔

۲۱۔ افلاس اور فاقہ سے بچا رہنا۔

۲۲۔ تھوڑی چیز میں زیادہ برکت ہونا۔

۲۳۔ اللہ تعالیٰ کا غصہ جاتا رہنا۔

باب ۶

حقوق

ایمان کی سلامتی کے بعد جس کو پچھلے باب میں بیان کیا گیا، حقوق کا معاملہ سب سے اہم ہے اس لئے اب حقوق کا بیان کیا جاتا ہے۔۔حقوق اگر نہ ادا کئے گئے یا کسی کا حق مار لیا گیا تو یہ ظلم ہے۔اس کی سزا آخرت میں تو ملے گی ہی مگر ظلم کا انجام دنیا میں بھی بہت جلد بھگتنا پڑتا ہے۔اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حقوق ادا کئے بغیر ہمارا رب ہم سے راضی ہوگا۔ حکیم الامتؒ کتاب قصد السبیل میں لکھتے ہیں کہ "اگر کسی کے ذمہ کچھ حقوق العباد ہوں تو ان کے ادا کرنے کے بندوبست میں لگ جائے یا اہل حقوق سے معاف کرائے کیونکہ بدون اس کے کہ ان سے سبکدوشی حاصل کرنے کی کوشش کرے ہرگز مقصودِ حقیقی تک رسائی (یعنی اللہ کی رضاء) نصیب نہ ہوگی۔"

حقوق العباد کے اصول

سب سے اہم اور مقدم حق یہ ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچایا جائے۔ کلام پاک میں حق تعالیٰ واضح اور دوٹوک حکم فرماتے ہیں کہ: **یا ایُّھا الّذینَ آمَنُوا قُوا انفُسَکُم وَاَھلِیکُم نارًا** ''اے ایمان والو تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ'' (الآیۃ) دوزخ کی آگ سے بچانے کا مطلب بس یہ ہے کہ شریعت کے حکموں پر پورا پورا چلا جائے اور گھر والوں کو اسی راہ پر لگایا جائے۔

اس آیت کریمہ سے حقوق کا پہلا بنیادی اصول معلوم ہوتا ہے۔ یہ حق فرض عین ہے۔ اب جتنے بھی حقوق العباد ہوں گے ان کی حدود اس فرض عین سے متعین ہوں گی۔ مثلاً قریبی رشتہ داروں کا حق ہے کہ ان کی خوشی اور غم میں ساتھ رہا جائے مگر اس کی حد یہ ہے کہ گناہ میں شریک نہ ہو۔ اسی طرح خدمت خلق کے لئے یا تعلقات نبھانے کے لئے یا کسی کی دل شکنی کے خیال سے اپنے اور اپنے گھر والوں کے دین کا نقصان گوارا کرنا جائز نہیں ہے۔ حتیٰ کہ والدین کی فرمانبرداری جس کی اسلام میں اس قدر تاکید اور جس کے خلاف کرنے پر شدید وعید ہے اس کی بھی یہی حد ہے۔

حقوق کا دوسرا بنیادی اصول حجۃ الاسلام امام غزالیؒ بیان فرماتے ہیں کہ ''ہر ایک کا حق اس کی قرابت کی قدر رہتا ہے''۔ حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وعظ خیر الارشاد لحقوق العباد میں فرماتے ہیں کہ ''جو شخص جتنا قریبی اور خصوصی تعلق رکھتا ہوتا اتنا اس کا حق زیادہ ہوگا''۔ اس اصول کی بناء پر انسانوں کے حقوق جانوروں کے حقوق سے زیادہ ہیں۔ اگر کوئی شخص مسلمان ہے تو اسلام کی وجہ سے اس کا حق اور بھی بڑھ جائے گا۔ دوستوں، رشتہ داروں کا حق عام مسلمانوں کے حقوق کے علاوہ مزید ہوگا۔ ایک مسلمان کے لئے سردار دو عالم رسول اکرم ﷺ کی

ذات طیبہ ہے۔ اس وجہ سے حقوق العباد میں سب سے زیادہ ور تمام احباب واقارب سے زیادہ عزیز وقریب حق رسول اکرم ﷺ کا ہے اور ان کا حق یہ ہے کہ تمام امور زندگی میں ان کی اتباع کی جائے۔

ان بنیادی اصولوں کے علاوہ شریعت نے تفصیل سے حقوق متعین کئے ہیں۔ حکیم الامتؒ نے بہشتی زیور میں جانوروں کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں۔ جانوروں کا ایک حق یہ ہے کہ ''جو جانور اپنے کام میں ہیں ان کے کھانے پینے اور راحت رسانی وخدمت کا پورے طور پر اہتمام کرے''۔ کاش ایک یہی حق ہم انسانوں کو دے دیتے! اسی طرح محض آدمی ہونے کی وجہ سے (گو وہ مسلمان بھی نہ ہو) اس کے کئی حق ہیں۔ ایک حق یہ ہے کہ ''اگر کسی کو مصیبت اور فاقہ اور مرض میں مبتلاء دیکھے اس کی مدد کر دے کھانا پانی دیدے۔ علاج معالجہ کر دے'' اور مسلمان کے حقوق میں جانور اور آدمی کے حقوق تو شامل ہی ہیں۔ ان کے علاوہ بھی مزید بہت سے حقوق ہیں۔ حکیم الامتؒ نے بہشتی زیور میں ایسے ۲۴ حقوق لکھے ہیں۔ امام غزالیؒ نے مسلمان پر مسلمان کا پہلا حق جو تحریر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ ''آدمی جو چیز اپنے واسطے پسند نہیں کرتا وہ کسی مسلمان کے واسطے بھی پسند نہ کرے'' اس بات کو حضرت عارفیؒ حقوق العباد کا بیان کرتے ہوئے حسب ذیل شعر سے واضح فرماتے ہیں:

کبھی بھول کر کسی سے نہ کرو سلوک ایسا
کہ جو تم سے کوئی کرتا تمہیں ناگوار ہوتا

اگر کسی آدمی کے حق میں کچھ کمی ہوگئی ہو تو حقوق مالیہ کو ادا کرے یا معاف کرائے مثلاً کسی کا قرض رہ گیا تھا یا کسی کی خیانت وغیرہ کی تھی اور حقوق غیر مالیہ کو فقط معاف کرالے مثلاً غیبت وغیرہ کی تھی یا مارا تھا۔ اور اگر کسی وجہ سے حقداروں سے نہ معاف کرا سکتا ہے نہ ادا کر سکتا ہے تو اُن لوگوں کے لئے ہمیشہ بخشش کی دعا کرتا رہے عجب

نہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں اُن لوگوں کو رضامند کر کے معاف کرالیں مگر اس کے بعد بھی جب موقع ادا کرنے کا یا معاف کرانے کا ہو اس وقت اسمیں بے پروائی نہ کرے۔ اور جو حقوق خود اُس کے اوروں کے ذمہ رہ گئے ہوں جن سے اُمید وصول کی ہو نرمی کے ساتھ اُن سے وصول کرے اور جن سے اُمید نہ ہو یا وہ حقوق قابل وصول نہ ہوں جیسے غیبت وغیرہ سو اگرچہ قیامت میں اُن کے عوض نیکیاں ملنے کی اُمید ہے مگر معاف کر دینے میں اور زیادہ ثواب آیا ہے اس لئے بالکل معاف کر دینا زیادہ بہتر ہے خاص کر جب کوئی شخص منت خوشامد کر کے معافی چاہے۔ اب بہشتی زیور سے حقوق کی تفصیل درج کی جاتی ہے۔

حیوانات کے حقوق

(۱) جس جانور سے کوئی فائدہ متعلق نہ ہو اُس کو مقیّد نہ کرے بالخصوص بچوں کو آشیانہ سے نکال لانا۔ اُن کے ماں باپ کو پریشان کرنا بڑی بے رحمی ہے۔

(۲) جو جانور قابل کھانے کے ہیں اُنکو بھی محض دل بہلانے کے طور پر قتل نہ کرے۔

(۳) جو جانور اپنے کام میں ہیں اُن کے کھانے پینے وراحت رسانی وخدمت کا پورے طور سے اہتمام کرے۔ اُن کی قوت سے زیادہ اُن سے کام نہ لے ان کو حد سے زیادہ نہ مارے۔

(۴) جن جانوروں کو ذبح کرنا ہو یا بوجہ موذی ہونے کے قتل کرنا ہو تیز اوزار سے جلدی کام تمام کردے اُسکو تڑپاوے نہیں، بھوکا پیاسا رکھ کر جان نہ لے۔

انسان کے حقوق

بعضے حقوق صرف آدمی ہونے کی وجہ سے ہیں گو وہ مسلمان نہ ہو وہ یہ ہیں:

(۱) بے خطا کسی کو جان ومال کی تکلیف نہ دے۔

(۲) بے وجہ شرعی کسی کے ساتھ بدزبانی نہ کرے۔

(۳) اگر کسی کو مصیبت اور فاقہ اور مرض میں مبتلا دیکھے اسکی مدد کرے کھانا پانی دیدے۔ علاج معالجہ کردے۔

(۴) جس صورت میں شریعت نے سزا کی اجازت دی ہے اُس میں بھی ظلم وزیادتی نہ کرے۔

یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ انسان کے یہ حقوق جو اوپر بیان کئے گئے، یہ اُن حقوق کے علاوہ مزید ہیں جو حیوانات ہونے کی وجہ سے ہیں۔ یعنی انسان کے حقوق اسی وقت ادا ہوں گے جب اس کو حیوانات کے حقوق بھی ادا کیے جائیں اور اوپر دیئے ہوئے انسانی حقوق بھی۔ مثلاً جو جانور اپنے کام میں ہیں ان کے کھانے پینے وراحت رسانی وخدمت کا پورے طور سے اہتمام کرے ان کی قوت سے زیادہ اُن سے کام نہ لے تو یہ حق انسان کا بھی ہے کیونکہ انسان حیوانات میں شامل ہے۔

عام مسلمانوں کے حقوق

۱۔ مسلمانوں کی خطا کو معاف کرے۔
۲۔ اُس کے رونے پر رحم کرے۔
۳۔ اُس کے عیب کو ڈھانکے۔
۴۔ اُس کے عذر کو قبول کرے۔
۵۔ اس کی تکلیف کو دُور کرے۔
۶۔ ہمیشہ اسکی خیر خواہی کرتا رہے۔
۷۔ اسکی محبت نبھائے۔
۸۔ اسکے عہد کا خیال رکھے۔
۹۔ بیمار ہو تو پوچھے۔
۱۰۔ مرجاوے تو دعا کرے۔

۱۱۔ اسکی دعوت قبول کرے۔

۱۲۔ اسکا تحفہ قبول کرے۔

۱۳۔ اسکے احسان کے بدلے احسان کرے۔

۱۴۔ اسکی نعمت کا شکر گذار ہو۔

۱۵۔ ضرورت کے وقت اسکی مدد کرے۔

۱۶۔ اسکے بال بچوں کی حفاظت کرے۔

۱۷۔ اسکا کام کردیا کرے۔

۱۸۔ اسکی بات کو سُنے۔

۱۹۔ اسکی سفارش کو قبول کرے۔

۲۰۔ اسکو مراد سے نا اُمید نہ کرے۔

۲۱۔ وہ چھینک کر الحمدللہ کہے تو جواب میں یرحمک اللہ کہے۔

۲۲۔ اُسکی گم ہوئی چیز اگر مل جائے تو اُسکے پاس پہنچادے۔

۲۳۔ اُسکے سلام کا جواب دے۔

۲۴۔ نرمی و خوش خلقی کے ساتھ اُس سے گفتگو کرے۔

۲۵۔ اسکے ساتھ احسان کرے۔

۲۶۔ اگر وہ اسکے بھروسہ قسم کھا بیٹھے تو اسکو پورا کردے۔

۲۷۔ اگر اُس پر کوئی ظلم کرتا ہو اسکی مدد کرے اگر وہ کسی پر ظلم کرتا ہو تو روکدے۔

۲۸۔ اسکے ساتھ محبت کرے دشمنی نہ کرے۔

۲۹۔ اُسکو رسوا نہ کرے۔

۳۰۔ جو بات اپنے لئے پسند کرے اُسکے لئے بھی پسند کرے۔

۳۱۔ ملاقات کے وقت اسکو سلام کرے اور مرد سے مرد اور عورت سے عورت مصافحہ

بھی کرے تو اور بہتر ہے۔

۳۲۔ اگر باہم اتفاقاً کچھ رنجش ہو جاوے تین روز سے زیادہ کلام ترک نہ کرے۔

۳۳۔ اُس پر بدگمانی نہ کرے۔

۳۴۔ اُس پر حسد اور بغض نہ کرے۔

۳۵۔ اسکو اچھی بات بتلاوے بُری بات سے منع کرے۔

۳۶۔ چھوٹوں پر رحم بڑوں کا ادب کرے۔

۳۷۔ دو مسلمانوں میں رنج ہو جاوے اُن کے آپس میں صلح کرادے۔

۳۸۔ اسکی غیبت نہ کرے۔

۳۹۔ اُسکو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچاوے نہ مال میں نہ آبرو میں۔

۴۰۔ اُسکو اُٹھا کر اُسکی جگہ نہ بیٹھے۔

ایک عام مسلمان کے یہ حقوق جو بہشتی زیور میں بیان کئے گئے ہیں اسی وقت ادا ہو سکتے ہیں جب اس کے وہ حقوق جو انسان کی حیثیت سے اور حیوان کی حیثیت سے ہیں وہ بھی ادا کئے جائیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

ہمسایہ کے حقوق

۱۔ اُسکے ساتھ احسان اور رعایت سے پیش آوے۔

۲۔ اسکی بیوی بچوں کی آبرو کی حفاظت کرے۔

۳۔ کبھی کبھی اُسکے گھر تحفہ وغیرہ بھیجتا رہے۔ بالخصوص جب وہ فاقہ زدہ ہو تو ضرور تھوڑا بہت کھانا اُسکو دے۔

۴۔ اُسکو تکلیف نہ دے۔ ہلکی ہلکی باتوں میں اُس سے نہ اُلجھے اور جیسے شہر میں ہمسایہ ہوتا ہے اُسی طرح سفر میں بھی ہوتا ہے یعنی سفر کا رفیق جو گھر سے ساتھ ہوا ہو یا راہ میں اتفاقاً اسکا ساتھ ہوگیا ہو اُسکا حق بھی مثل اُسی ہمسایہ کے ہے۔

اسکے حقوق کا خلاصہ یہ ہے کہ اسکی راحت کو اپنی راحت پر مقدم رکھے۔

محتاجوں کے حقوق

اسی طرح جو دوسروں کا محتاج ہو جیسے یتیم اور بیوہ یا عاجز وضعیف یا مسکین و بیمار اور ہاتھ پاؤں سے معذور یا مسافر یا سائل ان لوگوں کے یہ حقوق زائد ہیں:

۱۔ ان لوگوں کی خدمت مال سے کرنا۔

۲۔ ان لوگوں کا کام اپنے ہاتھ پاؤں سے کر دینا۔

۳۔ ان لوگوں کی دلجوئی و تسلی کرنا۔

۴۔ ان کی حاجت اور سوال کو رد نہ کرنا۔

قرابت داروں کے حقوق

۱۔ اپنے سگے اگر محتاج ہوں اور کھانے کمانے کی قدرت نہ رکھتے ہوں تو گنجائش کے موافق اُن کے ضروری خرچ کی خبر گیری رکھے۔

۲۔ گاہ گاہ اُن سے ملتا رہے۔

۳۔ اُن سے قطع قرابت نہ کرے بلکہ اگر کسی قدر اُن سے ایذا بھی پہنچے تو صبر افضل ہے۔

سُسرالی رشتہ داروں کے حقوق

سُسرالی رشتہ کو قرآن میں خدائے تعالیٰ نے نسب میں ذکر فرمایا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ ساس اور سُسر اور سالے اور بہنوئی داماد اور بہو اور بیوی کی پہلی اولاد۔ اور اسی طرح میاں کی پہلی اولاد کا بھی کسی قدر حق ہوتا ہے۔اس لئے ان علاقوں میں بھی رعایت احسان واخلاق کی اوروں سے زیادہ رکھنا چاہئے۔

بھائی بہنوں کے حقوق

بڑا بھائی حدیث کی رُو سے مثل باپ کے ہے اس لئے معلوم ہوا کہ چھوٹا بھائی مثل اولاد کے ہے۔پس اُن کے آپس میں ویسے ہی حقوق ہوں گے جیسے ماں باپ

اور اولاد کے ہیں اسی طرح بڑی بہن اور چھوٹی بہن کو سمجھ لینا چاہئے۔

انّا کے حقوق

۱۔ اسکے ساتھ ادب سے پیش آنا۔

۲۔ اگر اسکو مال کی حاجت ہو اور اپنے پاس گنجائش ہو اُس کا خیال کرنا۔

سوتیلی ماں کے حقوق

سوتیلی ماں چونکہ باپ کی دوست ہے اور باپ کے دوست کے ساتھ احسان کرنے کا حکم آیا ہے اس لئے سوتیلی ماں کے بھی کچھ حقوق ہیں۔(یعنی باپ کے دوست کی طرح سے سلوک کیا جائے)

دادا، دادی اور نانا، نانی کے حقوق

دادا، دادی اور نانا، نانی کا حکم شرع میں مثل ماں باپ کے ہے۔اُن کے حقوق بھی مثل ماں باپ کے سمجھنا چاہئے۔

خالہ، ماموں، چچا اور پھوپھی کے حقوق

خالہ اور ماموں مثل ماں کے اور چچا اور پھوپھی مثل باپ کے ہیں۔حدیث کے اشارہ سے معلوم ہوتا ہے۔

والدین کے حقوق

والدین کے حقوق کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔والدین کی ناراضگی میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی پوشیدہ ہے۔لیکن یہ سمجھنا چاہئے کہ شریعت نے انسان کو کسی ایسی بات کا حکم نہیں دیا جو اس سے ہو نہ سکے۔اس لئے والدین کے حقوق واجبہ کو سمجھنے کی ضرورت ہے تا کہ آسانی سے ادا ہو سکیں اور شریعت بھاری یا مشکل محسوس نہ ہو۔بہشتی زیور میں والدین کے حقوق واجبہ کی فہرست جو دی گئی ہے وہ حسب ذیل ہے۔یہ حقوق اس کے

علاوہ ہیں جو حیوان، انسان اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان کو حاصل ہیں۔

ماں باپ کی زندگی میں ان کے حقوق:

۱۔ اُن کو تکلیف نہ پہنچاوے اگر چہ اُن کی طرف سے کچھ زیادتی ہو۔

۲۔ زبان سے برتاؤ سے اُن کی تعظیم کرے۔

۳۔ جائز کاموں میں ان کی اطاعت کرے۔

۴۔ اگر اُن کو حاجت ہو مال سے اُن کی خدمت کرے اگر چہ وہ دونوں کافر ہوں۔

ماں باپ کے انتقال کے بعد اُن کے حقوق:

۱۔ اُن کے لئے دعائے مغفرت ورحمت کرتا رہے۔ نفل عبادت اور خیرات کا ثواب اُن کو پہنچاتا رہے۔

۲۔ اُن کے ملنے والوں کے ساتھ احسان اور خدمت سے اچھی طرح پیش آوے۔

۳۔ اُن کے ذمہ جو قرضہ ہو یا کسی جائز کام کی وصیت کر گئے ہوں اور خدا نے مقدور دیا ہو اُس کو ادا کر دے۔

۴۔ اُن کے مرنے کے بعد خلاف شرع رونے اور چلّانے سے بچے ورنہ اُن کی روح کو تکلیف ہوگی۔

یہ بات سمجھنے کی ہے کہ ان حقوق واجبہ کو جو بہشتی زیور سے نقل کئے گئے ہیں، ادا نہ کیا تو گناہگار ہوگا اور دوسرے احسانات نافلہ سے حقوق واجبہ کی تلافی نہ ہوگی بلکہ توبہ کرنی پڑے گی۔ اور معاف کروانا پڑے گا۔

والدین کے حقوق کی وضاحت کے لئے ایک مضمون جو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تحریر فرمایا ہے جو بہشتی گوہر کے آخیر میں دیا ہوا ہے یہ مضمون یہاں نقل کیا جاتا ہے تاکہ یہ پتہ چل جائے کہ دین آسان ہے۔ اس مضمون کا نام تعدیل حقوق الوالدین ہے۔

تعدیل حقوق والدین

بسم اللہ الرحمن الرحیم. نحمدہ ونصلّی علٰی رسُوْلِہِ الکریم.

قال اللہ تعالیٰ اِنَّ اللہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَھْلِھَا وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ. (الآیۃ) ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتے ہیں کہ امانتیں امانت والوں کو ادا کرو اور جب تم لوگوں میں حکم کرو انصاف سے حکم کرو۔

اس آیت کے عموم سے دو حکم مفہوم ہوئے ہیں ایک یہ کہ اہل حقوق کو ان کے حقوق واجبہ ادا کرنا واجب ہے دوسرے یہ کہ ایک حق کے لئے دوسرے شخص کا حق ضائع کرنا نا جائز ہے ان دونوں حکم کلی کے متعلقات میں سے وہ خاص دو جزئی مواقع بھی ہیں جن کے متعلق اس وقت تحقیق کرنے کا قصد ہے ایک ان میں سے والدین کے حقوق واجبہ وغیر واجبہ کی تعیین ہے دوسرے والدین کے حقوق اور زوجہ یا اولاد کے حقوق میں تعارض اور تزاحم کے وقت ان حقوق کی تعدیل ہے اور ضرورت اس تحقیق کی یہ ہوئی کہ واقعات غیر محصورہ سے معلوم ہوا کہ جس طرح بعض بے قید لوگ والدین کے حق میں تفریط کرتے ہیں اور ان کے وجوب اطاعت کی نصوص نظر انداز کرتے ہیں اور ان کے حقوق کا وبال اپنے سر پر لیتے ہیں اسی طرح بعضے دیندار والدین کے حق میں افراط کرتے ہیں جس سے دوسرے صاحب حق کے حقوق مثلاً زوجہ کے یا اولاد کے تلف ہوتے ہیں اور ان کے وجوب ورعایت کی نصوص کو نظر انداز کرتے ہیں اور ان کے اتلاف حقوق کا وبال اپنے سر پر لیتے ہیں اور بعضے کسی صاحب کا حق تو ضائع نہیں کرتے لیکن حقوق غیر واجب کو واجب سمجھ کر ان کے ادا کا قصد کرتے ہیں اور چونکہ بعض اوقات ان کا تحمل نہیں ہوتا اس لئے تنگ ہوتے ہیں اور ان سے وسوسہ ہونے لگتا ہے کہ بعض احکام شرعیہ میں نا قابل برداشت سختی اور تنگی ہے اس طرح سے ان بیچاروں کے دین کو ضرر پہنچتا ہے اور اس حیثیت سے اس کو بھی صاحب

حق کے حقوق واجبہ ضائع کرنے میں داخل کر سکتے ہیں اور وہ صاحب حق اس شخص کا نفس ہے کہ اس کے بھی بعض حقوق واجب ہیں **کَمَا قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقًّا** تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور ان حقوق واجبہ میں سے سب سے بڑھ کر حفاظت اپنے دین کی ہے پس جب والدین کے حق غیر واجب کو واجب سمجھنا مفضی ہوا (یعنی سبب بن گیا) اس معصیت (گناہ) مذکورہ کی طرف اس لئے حقوق واجبہ وغیر واجبہ کا امتیاز واجب ہوا۔ اس امتیاز کے بعد پھر اگر عملاً ان حقوق کا التزام کرلے گا مگر اعتقاداً واجب نہ سمجھے گا تو وہ محذور تو لازم نہ آئے گا اس تنگی کو اپنے ہاتھوں کی خریدی ہوئی سمجھے گا۔ اور جب تک برداشت کرے گا اس کی عالی ہمتی ہے اور اس تصور میں بھی ایک گونہ حظ ہوگا کہ میں باوجود میرے ذمہ نہ ہونے کے اس کا تحمل کرتا ہوں اور جب چاہے گا سبکدوش ہو سکے گا۔ غرض علم احکام میں ہر طرح کی مصلحت ہی مصلحت ہے اور جہل میں ہر طرح کی مضرت ہی مضرت (یعنی نقصان ہی نقصان) ہے۔ پس اسی تمیز کی غرض سے یہ چند سطور لکھتا ہوں اب اس تمہید کے بعد اول اس کے متعلق ضروری روایات حدیثیہ وفقہیہ جمع کر کے پھر اُن سے جو احکام ماخوذ ہوتے ہیں ان کی تقریر کر دوں گا اور اگر اس کو تعدیل حقوق والدین کے لقب سے نامزد کیا جائے تو نازیبا نہیں۔ **واللہ المستعان وعلیہ التکلان**۔ (نوٹ: حکیم الامتؒ نے عربی زبان میں احادیث لکھی ہیں۔ یہاں اس کا ترجمہ دیا جا رہا ہے):

مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میرے نکاح میں ایک عورت تھی میں اس سے خوش تھا اور اُس سے محبت رکھتا تھا مگر حضرت عمرؓ میرے باپ اس سے ناخوش تھے انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ اس عورت کو طلاق دیدے میں نے انکار کیا اس کے بعد حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ قصہ ذکر کیا۔ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس عورت کو طلاق دے دے۔ مرقاۃ میں لکھا ہے کہ یہ طلاق کا امر بطور استحباب کے تھا۔ یا اگر

وہاں پر کوئی اور سبب بھی موجود تھا تو وجوب کے لئے تھا۔

امام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ والد کا حق مقدم ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ والد اس عورت کو کسی غرض فاسد کی وجہ سے بُرا نہ سمجھتا ہو جیسا کہ حضرت عمرؓ کسی غرض فاسد کی وجہ سے اُسے بُرا نہ سمجھتے تھے۔ حضرت معاذؓ کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ماں باپ کی نافرمانی ہرگز نہ کر اگرچہ وہ تجھ کو یہ حکم کریں کہ اہل وعیال اور مال سے علیحدہ ہو جا۔ مرقاۃ میں لکھا ہے کہ یہ مبالغہ اور کمال اطاعت کا بیان ہے ورنہ اصل حکم کے لحاظ سے لڑکے کے لئے والدین کے فرمانے کی بنا پر اپنی بیوی کو طلاق دینا ضروری نہیں اگرچہ ماں باپ کو بیوی کے طلاق نہ دینے سے سخت تکلیف ہو کیونکہ اس کی وجہ سے کبھی لڑکے کو سخت تکلیف کا سامنا ہوتا ہے اور ماں باپ کی شفقت سے یہ بعید ہے کہ وہ بیٹے کی تکلیف کو جانتے ہوئے اسکا حکم کریں کہ وہ بیوی یا مال کو علیحدہ کردے پس ایسی صورت میں ان کا کہنا ماننا ضروری نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ مبالغہ کے لئے ہونے کا یہ قرینہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ خدا کے ساتھ شرک نہ کر اگرچہ تو قتل کردیا جائے یا جلادیا جائے۔ اور یہ یقیناً مبالغہ ہے ورنہ کلمۂ کفر ایسی مجبوری کی حالت میں کہنا اللہ تعالیٰ کے قول **مَنْ کَفَرَ بِاللّٰہِ بَعْدِ اِیْمَانِہٖ** سے ثابت ہے

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے ماں باپ میں اللہ کا مطیع ہوتا ہے تو اگر دونوں ہوں تو دو دروازے جنت کے کھل جاتے ہیں اور اگر ایک ہو تو ایک۔ اور اگر نافرمانی کرتا ہے تو اگر دونوں کی نافرمانی کرتا ہے تو اس کے لئے دو دروازے دوزخ کے کھل جاتے ہیں اور اگر ایک کی نافرمانی کرتا ہے تو ایک کھل جاتا ہے۔ اسی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ اگرچہ ماں باپ اس پر ظلم ہی کرتے ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

مسئلہ۔ عورت اپنے ماں باپ کو دیکھنے کے لئے ہفتہ میں ایک دفعہ جاسکتی ہے۔ اور ماں باپ کے سوا اور رشتہ داروں کے لئے سال بھر میں ایک دفعہ، اس سے زیادہ کا اختیار نہیں۔ اسی طرح اس کے ماں باپ بھی ہفتہ میں فقط ایک مرتبہ یہاں آسکتے ہیں۔ مرد کو اختیار ہے کہ اس سے زیادہ جلدی جلدی نہ آنے دے۔ اور ماں باپ کے سوا اور رشتہ دار سال بھر میں فقط ایک دفعہ آسکتے ہیں اس سے زیادہ آنے کا اختیار نہیں۔ لیکن مرد کو اختیار ہے کہ زیادہ دیر نہ ٹھیرنے دے نہ ماں باپ کو نہ کسی اور کو۔ اور جاننا چاہئے کہ رشتہ داروں سے مطلب وہ رشتہ دار ہیں جن سے نکاح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہے۔ اور جو ایسے نہ ہوں وہ شرع میں غیر کے برابر ہیں۔

مسئلہ۔ اگر باپ بہت بیمار ہے اور اسکا کوئی خبر لینے والا نہیں تو ضرورت کے موافق وہاں روز جایا کرے اگر باپ بے دین کافر ہو تب بھی یہی حکم ہے بلکہ اگر شوہر منع کرے تب بھی جانا چاہئے۔ لیکن شوہر کے منع کرنے پر جانے سے روٹی کپڑے کا حق نہ رہے گا۔

مسئلہ۔ غیر لوگوں کے گھر نہ جانا چاہئے۔ اگر بیاہ شادی وغیرہ کی کوئی محفل ہو اور شوہر اجازت بھی دیدے تو بھی جانا درست نہیں۔ شوہر اجازت دے گا تو وہ بھی گنہگار ہوگا۔ بلکہ محفل کے زمانہ میں اپنے محرم رشتہ دار کے یہاں جانا بھی درست نہیں۔

مسئلہ۔ جس عورت کو طلاق مل گئی وہ بھی عدت تک روٹی کپڑا اور رہنے کا گھر پانے کی مستحق ہے البتہ جس کا خاوند مرگیا اسکو روٹی کپڑا اور گھر ملنے کا حق نہیں۔ ہاں اس کو میراث سب چیزوں میں ملے گی۔

بیوی پر شوہر کے حقوق

بیوی پر شوہر کا سب سے بڑا حق اس کی تابعداری اور اس کو ہر ممکن جائز طریقہ سے خوش رکھنا ہے۔ اگر شوہر کسی ناجائز کام کا حکم کرے تو خوش اسلوبی سے اپنے کو گناہ سے بچالے۔ حکیم الامت شوہر کے حقوق کے بیان میں فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے شوہر کا بڑا حق بنایا ہے اور بہت بزرگی دی ہے شوہر کا راضی اور خوش رکھنا بڑی عبادت ہے اور اس کا ناخوش اور ناراض کرنا بہت گناہ ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو عورت پانچوں وقت کی نماز پڑھتی رہے اور رمضان کے مہینہ کے روزے رکھے اور اپنی آبرو کو بچائے رہے یعنی پاکدامن رہے اور اپنے شوہر کی تابعداری اور فرمانبرداری کرتی رہے سو اسکو اختیار ہے جس دروازے سے اسکا جی چاہے بے کھٹکے جنت میں چلی جائے۔ اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس کی موت اس حالت پر آئے کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہے تو وہ جنتی ہے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر میں خدا کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنے کے لئے کہتا تو عورت کو ضرور حکم دیتا کہ اپنے میاں کو سجدہ کیا کرے۔ اگر مرد اپنی عورت کو حکم دے کہ اس پہاڑ کے پتھر اٹھا کر اس پہاڑ تک لے جاوے اور اس پہاڑ سے پتھر اٹھا کر تیسرے پہاڑ تک لے جاوے تو اس کو یہی کرنا چاہئے۔

حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی مرد اپنی بی بی کو اپنے کام کے لئے بُلاوے تو ضرور اس کے پاس آوے۔ اگر چولہے پر بیٹھی ہو تب بھی چلی آوے۔ مطلب یہ ہے کہ چاہے جتنے ضروری کام پر بیٹھی ہو سب چھوڑ چھاڑ کر چلی آوے۔ اور حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب کسی مرد نے اپنے پاس اپنی عورت کو لیٹنے کے لئے بُلایا اور وہ نہ آئی پھر وہ اسی طرح غصہ میں لیٹ رہا تو صبح تک سارے فرشتے اس عورت پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔ اور حضرت نے فرمایا ہے کہ دنیا میں جب کوئی عورت اپنے میاں کو ستاتی ہے تو جو حور قیامت میں اسکی بی بی بنے گی یوں کہتی ہے کہ تیرا خدا ناس کرے تو اس کو مت ستا۔ یہ تو تیرے پاس مہمان ہے تھوڑے ہی دنوں میں تجھ کو چھوڑ کر ہمارے پاس چلا آوے گا۔ اور حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ تین طرح کے آدمی ایسے ہیں کہ جن کی نہ تو نماز قبول ہوتی ہے نہ کوئی اور نیکی منظور ہوتی ہے۔ ایک تو وہ لونڈی غلام جو اپنے مالک سے بھاگ جائے۔ دوسرے وہ عورت جس کا

اگر چہ وہ دونوں ظلم ہی کرتے ہوں۔ مرقاۃ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ماں باپ میں کرنیکا مطلب یہ ہے کہ اُن کے حقوق میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اور اُن کے حقوق ادا کرتا ہے اور اسمیں یہ بھی ہے کہ والدین کی اطاعت مستقل انکی اطاعت نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے جسکی اللہ تعالیٰ نے خاص طور سے وصیت فرمائی ہے اس لئے انکی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت سمجھتے ہوئے کرنی چاہئے۔ یعنی جو بات وہ خدا کے حکم کے مطابق کہیں اسکو ماننا چاہئے اور جو اسکے حکم کے خلاف کہیں اُسے نہ ماننا چاہئے کیونکہ حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق کی فرمانبرداری نہیں۔ اور مرقاۃ میں لکھا ہے کہ ماں باپ کے ظلم سے مُراد حدیث میں دنیوی ظلم ہے اُخروی ظلم نہیں۔ یعنی دنیوی امور میں اگر چہ وہ زیادتی کریں تب بھی ان کی فرمانبرداری لازم ہے اور اگر وہ دین کے خلاف کوئی بات کریں تو اسمیں انکی فرمانبرداری نہ کرنی چاہئے۔

میں کہتا ہوں کہ حدیث میں حضور ﷺ کا یہ فرمانا کہ اگر چہ وہ دونوں ظلم کریں ایسا ہے جیسا کہ آپ نے زکوٰۃ وصول کرنے والے کے متعلق فرمایا ہے کہ اپنے زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو راضی کرو اگر چہ تم پر ظلم کیا جاوے۔ لمعات میں لکھا ہے اس سے مقصود مبالغہ ہے یعنی تمہارے خیال میں یا بالفرض اگر وہ ظلم کریں تب بھی تم ان کو راضی کرو کیونکہ اگر وہ واقعی ظلم کرتے تھے تو آپ انکو راضی کرنیکا حکم کیسے فرما سکتے تھے۔

مشکوٰۃ میں حضرت ابن عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (ان تین آدمیوں کے قصہ میں) روایت کرتے ہیں جو کہیں چلے جارہے تھے اور بارش آگئی وہ ایک پہاڑ میں غار کے اندر چلے گئے اسکے بعد غار کے منہ پر ایک بڑا پتھر گر پڑا اور اُس نے دروازہ بند کر دیا۔ انہوں نے آپس میں کہا کہ تم اپنے اپنے نیک اعمال دیکھو جو خالص اللہ کے واسطے کئے ہوں اور ان کا واسطہ دیکر دعا مانگو کہ اللہ تعالیٰ دروازہ کھولدے۔ اُنمیں سے ایک نے کہا کہ اے اللہ میرے ماں باپ بہت بوڑھے

تھے اور میرے چھوٹے بچے بھی تھے میں بکریاں چرایا کرتا تھا اور شام کو جب گھر آتا تو بکریوں کا دودھ نکال کر اپنے ماں باپ کو اپنے بچوں سے پہلے پلاتا تھا۔ ایک دن میں بہت دُور چلا گیا اور جب شام کو آیا تو میں نے اپنے ماں باپ کو سویا ہوا پایا۔ میں نے حسبِ معمول دودھ نکالا اور دودھ کا برتن لیکر اُن کے سر کے پاس کھڑا رہا اور انکو جگانا اچھا نہ سمجھا اور یہ بھی بُرا سمجھا کہ ان سے پہلے بچوں کو پلاؤں اور بچے میرے پیروں میں پڑے روتے چلّاتے رہے یہانتک کہ صبح ہوگئی۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بچوں کا رونا چلانا ایسا ہی تھا جیسا کہ حضرت ابوطلحہؓ کے مہمانوں کے قصہ میں ہے جب انہوں نے اپنی بیوی سے دریافت کیا کہ تمہارے پاس کچھ کھانے کے لئے ہے؟ بیوی نے کہا کہ نہیں صرف بچوں کی خوراک ہے تو ابوطلحہ نے کہا کہ بچوں کو بہلا پھسلا کر سلادو۔ لمعات میں لکھا ہے کہ علماء نے اسکو اس پر محمول کیا ہے کہ وہ بچے بھوکے نہیں تھے بلکہ بلا بھوک مانگ رہے تھے جیسا کہ بچوں کی عادت ہوتی ہے ورنہ اگر وہ بھوکے ہوتے ان کو کھلانا واجب تھا اور واجب کو وہ کیسے ترک کر سکتے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوطلحہؓ اور انکی بیوی کی تعریف کی۔ میں کہتا ہوں کہ اس تاویل کی ضرورت اس سے بھی ثابت ہوئی کہ والد سے چھوٹے بچے کا حق مقدم ہے جیسا کہ درمختار میں ہے کہ اگر کسی کا باپ اور بیٹا دونوں موجود ہوں تو خرچہ کے اعتبار سے بیٹا باپ سے زیادہ مستحق ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ دونوں پر تقسیم کردے۔

امام محمدؒ کی کتاب الآثار میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہے کہ سب سے بہتر روزی اپنی کمائی ہے اور تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی میں داخل ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جب باپ محتاج ہو تو بیٹے کے مال میں سے کھانے کا مضائقہ نہیں لیکن ضرورت کے مطابق خرچ کرے فضول خرچی نہ کرے۔ اگر باپ مالدار ہے اور پھر بیٹے کا مال لیتا ہے تو وہ اس پر قرض ہے یہی قول امام ابوحنیفہ کا ہے۔ امام محمدؒ امام ابوحنیفہؒ سے

روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت حمادؒ سے اور وہ حضرت ابراہیمؒ سے کہ باپ کے لئے بیٹے کے مال میں کوئی حق نہیں مگر یہ کہ وہ کھانے پینے کپڑے کا محتاج ہو۔امام محمدؒ نے فرمایا کہ اسی پر ہم عمل کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔کنزالاعمال میں حاکم وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ تمہاری اولاد اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے جسکو چاہتے ہیں لڑکیاں دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں لڑکے دیتے ہیں۔پس وہ اولاد اور ان کا مال تمہارے لئے ہے جب تمکو ضرورت ہو۔میں کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ (جب تمکو ضرورت ہو) اس مسئلہ پر دلالت کرتا ہے جو مسئلہ ابھی امام محمدؒ نے حضرت عائشہؓ کے قول سے اخذ کیا تھا۔نیز حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی کہ ”تو اور تیرا مال اپنے باپ کے لئے ہے“ یہی تفسیر کی ہے کہ اس سے مراد نان نفقہ ہے۔

درمختار میں ہے کہ ایسے نابالغ اور جوان لڑکے پر جہاد فرض نہیں ہوتا جس کے ماں باپ دونوں یا ایک موجود ہو کیونکہ ان کی اطاعت فرض عین ہے اور کوئی ایسا سفر کرنا جائز نہیں جس میں خطرہ ہو مگر ان کی اجازت سے۔اور جس میں خطرہ نہ ہو وہ بلا اجازت جائز ہے منجملہ اس کے علم حاصل کرنے کے لئے سفر بھی ہے۔

ردالمحتار میں ہے کہ ماں باپ کو اس سفر سے روکنے کی گنجائش ہے جبکہ اس کی وجہ سے وہ سخت مشقت میں مبتلا ہوتے ہوں۔اور کافر ماں باپ کا بھی یہی حکم ہے جبکہ اس کے سفر سے ان کو اندیشہ ہو۔اور اگر وہ اپنے اہل دین کے قتال کی وجہ سے روکتے ہوں تو انکی اطاعت نہ کرے۔جب تک کہ اُن کی ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو کیونکہ اگر وہ تنگدست اور اسکی خدمت کے محتاج ہوں تو اس پر خدمت فرض ہے اگر وہ کافر ہوں۔اور فرض عین کو فرض کفایہ کی خاطر ترک کرنا ٹھیک نہیں۔وہ سفر جس میں خطرہ ہو جیسے جہاد اور سمندر کا سفر ہے اور جس میں خطرہ نہیں جیسے تجارت حج عمرہ کے لئے سفر کرنا وہ بلا اجازت جائز ہے مگر یہ کہ ہلاکت کا خوف ہو اور علم کا سفر بھی اسی میں داخل ہے جبکہ

راستہ مامون ہو اور ہلاکت کا خوف نہ ہو۔بحرالرائق وفتاویٰ ہندیہ میں بھی ایسا ہی لکھا ہے اور فتاویٰ ہندیہ میں ایک مسئلہ کے ذیل میں لکھا ہے کہ والدین سے اجازت لینا ضرورت ہے جبکہ ضروری کام نہ ہو۔

درمختار باب النفقۃ میں ہے کہ بیوی کے لئے ایسا گھر دینا جس میں کوئی بیوی یا شوہر کے اقارب سے نہ رہتا ہو، واجب ہے۔درمختار میں مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ شریف مالدار عورت کے لئے متوسط درجہ کا ایک گھر دینا ضروری ہے۔اسکے بعد لکھا ہے کہ ہمارے شام کے شہروں میں متوسط درجہ کے لوگ بھی ایسے گھروں میں نہیں رہتے جن میں اجنبی لوگ رہتے ہوں چہ جائیکہ امیر اور شریف لوگ رہیں مگر یہ کہ گھر چند بھائیوں کے درمیان مشترک اور موروث ہو تو ایسی صورت میں ہر ایک اپنے حصہ میں رہتا ہے اور گھر کے حقوق وضروریات مشترک ہوتے ہیں۔اس کے بعد کہا ہے کہ عرف زمان اور مکان کے اختلاف سے بدلتا رہتا ہے۔مفتی کو زمان اور مکان پر نظر رکھنی ضروری ہے بلا اسکے معاشرہ بالمعروف حاصل نہیں ہوسکتی۔

ان روایات سے چند مسائل ظاہر ہوئے جو حسب ذیل ہیں:

اول: جو امر شرعاً واجب ہو اور ماں باپ اس سے منع کریں اس میں ان کی اطاعت جائز بھی نہیں واجب ہونے کا تو کیا احتمال ہے اس قاعدے میں یہ فروع بھی آ گئے مثلاً اس شخص کے پاس مالی وسعت اس قدر کم ہے کہ اگر ماں باپ پر خرچ کرے تو بیوی بچوں کو تکلیف ہونے لگے تو اس شخص کو جائز نہیں کہ بیوی بچوں کو تکلیف دے اور ماں باپ پر خرچ کرے اور مثلاً بیوی کا حق ہے کہ وہ شوہر کے ماں باپ سے جدا رہنے کا مطالبہ کرے پس وہ اگر اس کی خواہش کرے اور ماں باپ اس کو شامل رکھنا چاہیں تو شوہر کو جائز نہیں کہ اس حالت میں بیوی کو ان کے شامل رکھے بلکہ واجب ہوگا کہ اس کو جدا رکھے یا مثلاً حج وعمرہ کو یا طلب العلم بقدر الفریضۃ کو نہ جانے دیں تو اس میں ان کی اطاعت ناجائز ہوگی۔

شوہر اس سے ناخوش ہو۔تیسرے وہ جو نشہ میں مست ہو۔کسی نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ سب سے اچھی عورت کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ عورت جب اسکا میاں اسکی طرف دیکھے تو خوش کردے اور جب کچھ کہے تو کہا مانے اور اپنی جان ومال میں کچھ اس کے خلاف نہ کرے جو اس کو ناگوار ہو۔ایک حق مرد کا یہ ہے کہ اس کے پاس ہوتے ہوئے بے اسکی اجازت کے نفل روزے نہ رکھا کرے اور بے اسکی اجازت کے نفل نماز نہ پڑھے ایک حق اسکا یہ ہے کہ اپنی صورت بگاڑ کے اور میلی کچیلی نہ رہا کرے بلکہ بناؤ سنگار سے رہا کرے۔یہاں تک کہ اگر مرد کے کہنے پر بھی عورت سنگار نہ کرے تو مرد کو مارنے کا اختیار ہے۔ایک حق یہ ہے کہ بے میاں کی اجازت گھر سے باہر کہیں نہ جاوے نہ عزیز رشتہ دار کے گھر نہ کسی غیر کے گھر۔

میاں کے ساتھ نباہ کرنے کا طریقہ

یہ خوب سمجھ لو کہ میاں بی بی کا ایسا سابقہ ہے کہ ساری عمر اسی میں بسر کرنا ہے۔اگر دونوں کا دل ملا ہوا رہا تو اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔اور اگر خدانخواستہ دلوں میں فرق آ گیا تو اس سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں اس لئے جہاں تک ہو سکے میاں کا دل ہاتھ میں لئے رہو اور اسکے آنکھ کے اشارہ پر چلا کرو۔اگر وہ حکم کرے کہ رات بھر ہاتھ باندھے کھڑی رہو تو دنیا اور آخرت کی بھلائی اسی میں ہے کہ دنیا کی تھوڑی سی تکلیف گوارا کر کے آخرت کی بھلائی اور سُرخروئی حاصل کرو۔کسی وقت کوئی بات ایسی نہ کرو جو اسکے مزاج کے خلاف ہو۔اگر وہ دن کو رات بتلاوے تو تم بھی دن کو رات کہنے لگو۔کم سمجھی اور انجام نہ سوچنے کی وجہ سے بعضی بیبیاں ایسی باتیں کر بیٹھتی ہیں جس سے مرد کے دل میں میل آ جاتا ہے۔کہیں بے موقعہ زبان چلا دی کوئی بات طعنہ وتشنیع کی کہہ ڈالی۔غصہ میں جلی کٹی باتیں کہہ دیں کہ خواہ مخواہ سُنکر بُرا لگے۔پھر جب اسکا دل پھر گیا تو روتی پھرتی ہیں یہ خوب سمجھ لو کہ دل پر میل آ جانے کے بعد اگر دو چار دن میں تم نے کہہ سُنکر منا بھی لیا تب بھی وہ بات نہیں رہتی جو پہلی تھی۔پھر ہزار باتیں بناؤ عذر

معذرت کرو لیکن جیسا پہلے دل صاف تھا اب ویسی محبت نہیں رہتی۔جب کوئی بات ہوتی ہے تو یہی خیال آ جاتا ہے کہ یہ وہی ہے جس نے فلانے فلانے دن ایسا کہا تھا اسلئے اپنے شوہر کے ساتھ خوب سوچ سمجھ کر رہنا چاہئے کہ خدا اور رسول کی بھی خوشی ہو اور تمہاری دنیا اور آخرت دونوں درست ہو جائیں۔سمجھدار بیبیوں کو کچھ بتلانے کی تو کوئی ضرورت نہیں ہے وہ خود ہی ہر بات کے نیک وبد کو دیکھ لیویں گی لیکن پھر بھی ہم بعضی ضروری باتیں بیان کرتے ہیں۔جب تم ان کو خوب سمجھ لوگی تو اور باتیں بھی اسی سے معلوم ہو جایا کریں گی۔شوہر کی حیثیت سے زیادہ خرچ نہ مانگو جو کچھ جُوے ملے اپنا گھر سمجھ کر چٹنی روٹی کھا کے بسر کرو۔اگر کبھی کوئی زیور یا کپڑا پسند آیا تو اگر شوہر کے پاس خرچ نہ ہو تو اس کی فرمائش نہ کرو نہ اس کے نہ ملنے پر حسرت کرو۔بالکل منہ سے نہ نکالو۔خود سوچو کہ اگر تم نے کہا تو وہ اپنے دل میں کہے گا کہ اس کو ہمارا کچھ خیال نہیں کہ ایسی بے موقع فرمائش کرتی ہے بلکہ اگر میاں امیر ہو تب بھی جہاں تک ہو سکے خود کبھی کسی بات کی فرمائش ہی نہ کرو البتہ اگر وہ خود پوچھے کہ تمہارے واسطے کیا لاویں تو خیر بتلا دو کہ فرمائش کرنے سے آدمی نظروں سے گھٹ جاتا ہے اور اسکی بات ہیٹی ہو جاتی ہے۔کسی بات پر ضد اور ہٹ نہ کرو اگر کوئی بات تمہارے خلاف بھی ہو تو اس وقت جانے دو پھر کسی دوسرے وقت مناسب طریقے سے طے کر لینا اگر میاں کے یہاں تکلیف سے گذرے تو کبھی زبان پر نہ لاؤ اور ہمیشہ خوشی ظاہر کرتی رہو کہ مرد کو رنج نہ پہنچے اور تمہارے اس نباہ سے اسکا دل بس تمہاری مٹھی میں ہو جاوے۔اگر تمہارے لئے کوئی چیز لاوے تو پسند آوے یا نہ آوے ہمیشہ اُس پر خوشی ظاہر کرو۔یہ نہ کہو کہ یہ چیز بُری ہے ہمیں پسند نہیں ہے اس سے اسکا دل تھوڑا ہو جائے گا اور پھر کبھی کچھ لانے کو نہ چاہے گا۔اور اگر اسکی تعریف کر کے خوشی سے لے لوگی تو دل اور بڑھے گا اور پھر اس سے زیادہ چیز لاوے گا۔کبھی غصہ میں آ کر خاوند کی ناشکری نہ کرو اور یوں نہ کہنے لگو کہ اس موئے اجڑے گھر میں آ کر میں نے دیکھا کیا بس ساری عمر مصیبت اور

دوم: جو امر شرعاً ناجائز ہو اور ماں باپ اس کا حکم کریں اس میں بھی ان کی اطاعت جائز نہیں مثلاً وہ کسی ناجائز نوکری کا حکم کریں یا رسوم جہالت اختیار کرا دیں وعلیٰ ہذا سوم جو امر شرعاً نہ واجب ہو اور نہ ممنوع ہو بلکہ مباح ہو بلکہ خواہ مستحب ہی ہو اور ماں باپ اس کے کرنے کو یا نہ کرنے کو کہیں تو اس میں تفصیل ہے دیکھنا چاہئے کہ اس امر کی اس شخص کو ایسی ضرورت ہے کہ بدون اس کے اس کو تکلیف ہوگی مثلاً غریب آدمی ہے پاس پیسہ نہیں بستی میں کوئی صورت کمائی کی نہیں مگر ماں باپ نہیں جانے دیتے یا یہ کہ اس شخص کو ایسی ضرورت نہیں اگر اس درجہ کی ضرورت ہے تب تو اس میں ماں باپ کی اطاعت ضروری نہیں اور اگر اس درجہ ضرورت نہیں تو پھر دیکھنا چاہیئے کہ اس کام کے کرنے میں کوئی خطرہ و اندیشہ ہلاک یا مرض کا ہے یا نہیں۔ اور یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ اس شخص کے اس کام میں مشغول ہو جانے سے بوجہ کوئی خادم و سامان نہ ہونے کے خود ان کا تکلیف اٹھانے کا احتمال قوی ہے یا نہیں۔ پس اگر اس کام میں خطرہ ہے یا اس کے غائب ہو جانے سے ان کو بوجہ بے سروسامانی تکلیف ہوگی تب تو ان کی مخالفت جائز نہیں مثلاً غیر واجب لڑائی میں جاتا ہے یا سمندر کا سفر کرتا ہے یا پھر ان کا کوئی خبر گیراں نہ رہے گا اور اس کے پاس اتنا مال نہیں جس سے انتظام خادم ونفقہ کافیہ کا کر جائے اور وہ کام اور سفر بھی ضروری نہیں تو اس حالت میں ان کی اطاعت واجب ہوگی اور اگر دونوں باتوں میں سے کوئی بات نہیں یعنی نہ اس کام یا سفر میں اس کو کوئی خطرہ ہے اور نہ ان کی مشقت و تکلیف ظاہری کا کوئی احتمال ہے تو بلا ضرورت بھی وہ کام یا سفر باوجود ان کی ممانعت کے جائز ہے گو مستحب یہی ہے اس وقت بھی اطاعت کرے اور اسی کلیہ سے ان فروع کا بھی؟ معلوم ہو گیا کہ مثلاً وہ کہیں کہ اپنی بی بی کو بلا وجہ معتد بہ طلاق دیدے تو اطاعت واجب نہیں۔

اور مثلاً وہ کہیں کہ تمام کمائی اپنی ہم کو دیا کرو تو اس میں بھی اطاعت واجب نہیں وہ اگر اس چیز پر جبر کریں گے تو گناہ گار ہوں گے۔ اور اگر وہ حاجت ضروریہ سے زائد بلا

اذن لیں گے تو ان کے ذمہ دین ہوگا (یعنی قرض ہوگا) جس کا مطالبہ دنیا میں بھی ہوسکتا ہے۔ اگر یہاں نہ دیں گے قیامت میں دینا پڑے گا۔ فقہاء کی تصریح اس کے لئے کافی ہے وہ احادیث کے معنی خوب سمجھتے ہیں خصوصاً جبکہ حدیث حاکم میں بھی **اذا احتجتم** کی قید مصرح ہے۔ واللہ اعلم۔ کتبہ اشرف علی ۲۷ رجمادی الاخریٰ ۱۳۳۲ھ مقام تھانہ بھون

شوہر پر بیوی کے حقوق

شوہر کے لئے بیوی کا شرعی مقام ''بہترین دوست'' کا ہے۔ اس لئے شوہر کو اپنی بیوی سے ایسے سلوک کا حکم ہے جو ساتھ رہنے والے ایک بہترین دوست سے کیا جاتا ہے۔ اسکی دلجوئی اسکا بہت بڑا حق ہے۔ سلوک کے علاوہ بیوی کے مادی اور مالی حقوق بھی شوہر پر واجب ہیں۔ ان میں ایک بہت اہم حق بیوی کا یہ ہے کہ شوہر اسکو رہنے کو ایسا گھر دے جس میں میاں، بیوی بالکل بے تکلفی سے رہ سکیں اور اس میں شوہر کے کسی رشتہ دار کا کوئی دخل نہ ہو۔ آجکل اس حق کو ادا کرنے کی طرف شوہر توجہ نہیں دیتے جس کی وجہ سے زندگی بے لطف ہو جاتی ہے۔ ان حقوق کو سمجھنے کے لئے بہشتی زیور سے ''روٹی کپڑا اور رہنے کے لئے گھر ملنے کا بیان'' سے بعض مسائل یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

روٹی کپڑے کا بیان

مسئلہ۔ بی بی کا روٹی کپڑا مرد کے ذمہ واجب ہے۔ عورت چاہے کتنی ہی مالدار ہو مگر خرچ مرد ہی کے ذمہ ہے اور رہنے کے لئے گھر دینا بھی مرد ہی کے ذمہ ہے۔

مسئلہ۔ نکاح ہو گیا لیکن رخصتی نہیں ہوئی تب بھی روٹی کپڑے کی دعویدار ہوسکتی ہے لیکن اگر مرد نے رخصت کرانا چاہا پھر بھی رخصتی نہیں ہوئی تو روٹی کپڑا پانے کی مستحق نہیں۔

مسئلہ۔ جتنا مہر پہلے دینے کا دستور ہے وہ مرد نے نہیں دیا اسلئے وہ مرد کے گھر نہیں

جاتی تو اسکو روٹی کپڑا دلایا جاویگا۔ اور اگر یوں ہی بے وجہ مرد کے گھر نہ جاتی ہو تو روٹی کپڑا پانے کی مستحق نہیں ہے۔ جب سے جاوے گی تب سے دلایا جاوے گا۔

مسئلہ ۴۔ جتنے زمانہ تک شوہر کی اجازت سے اپنے ماں باپ کے گھر رہے اتنے زمانہ کا روٹی کپڑا بھی مرد سے لے سکتی ہے۔

مسئلہ ۵۔ عورت بیمار پڑ گئی تو بیماری کے زمانہ کا روٹی کپڑا پانے کی مستحق ہے چاہے مرد کے گھر بیمار پڑے یا اپنے میکے میں لیکن اگر بیماری کی حالت میں مرد نے بُلایا پھر بھی نہیں آئی تو اب اس کے پانے کی مستحق نہیں رہی اور بیماری کی حالت میں فقط روٹی کپڑے کا خرچ ملے گا دوا علاج حکیم طبیب کا خرچہ مرد کے ذمہ واجب نہیں۔ اپنے پاس سے خرچ کرے۔ اگر مرد دیدے اسکا احسان ہے۔

مسئلہ ۶۔ عورت حج کرنے گئی تو اتنے زمانہ کا روٹی کپڑا مرد کے ذمہ نہیں البتہ اگر شوہر بھی ساتھ ہو تو اس زمانہ کا خرچ بھی ملے گا لیکن روٹی کپڑے کا جتنا خرچ گھر میں ملتا تھا اتنا ہی پانے کی مستحق ہے جو کچھ زیادہ لگے اپنے پاس سے لگاوے اور ریل اور جہاز وغیرہ کا کرایہ بھی مرد کے ذمے نہیں ہے۔

مسئلہ۔ روٹی کپڑے میں دونوں کی رعایت کی جاویگی اگر دونوں مالدار ہوں تو امیروں کی طرح کا کھانا کپڑا ملے گا۔ اور اگر دونوں غریب ہوں تو غریبوں کی طرح۔ اور مرد غریب ہو اور عورت امیر یا عورت امیر ہے اور مرد غریب تو ایسا روٹی کپڑا دیوے کہ امیری سے کم ہو اور غریبی سے بڑھا ہوا ہو۔

مسئلہ ۸۔ عورت اگر بیمار ہے کہ گھر کا کاروبار نہیں کر سکتی یا ایسے بڑے گھر کی ہے کہ اپنے ہاتھ سے پیسنے کوٹنے کھانا پکانے کا کام نہیں کرتی بلکہ عیب سمجھتی ہے تو پکا پکایا کھانا دیا جاویگا۔ اور اگر دونوں باتوں میں سے کوئی بات نہ ہو تو گھر کا سب کام کاج اپنے ہاتھ سے کرنا واجب ہے۔ یہ سب کام خود کرے مرد کے ذمہ فقط اتنا ہے کہ چولہا چکی کچا اناج لکڑی کھانے پینے کے برتن وغیرہ لا دیوے وہ اپنے ہاتھ سے پکاوے اور کھاوے۔

مسئلہ ۹۔ تیل، کنگھی، صابون، وضو اور نہانے دھونے کا پانی مرد کے ذمہ ہے اور سُرمہ، مسّی، پان، تمبا کو مرد کے ذمہ نہیں۔ دھوبی کی تنخواہ مرد کے ذمہ نہیں اپنے ہاتھ سے دھوئے اور پہنے اور اگر مرد دیدے اس کا احسان۔

مسئلہ ۱۰۔ دائی جنائی کی مزدوری اُس پر ہے جس نے بُلوایا۔ مرد نے بلایا ہو تو مرد پر اور عورت نے بُلوایا ہو تو اس پر اور جو بے بُلائے آ گئی تو مرد پر۔

مسئلہ ۱۱۔ روٹی کپڑے کا خرچ ایک سال کا یا اس سے کچھ کم زیادہ پیشگی دیدیا اب اسمیں سے کچھ لَوٹا نہیں سکتا۔

رہنے کے لئے گھر ملنے کا بیان

مسئلہ ۱۔ مرد کے ذمہ یہ بھی واجب ہے کہ بی بی کے رہنے کے لئے کوئی ایسی جگہ دیوے جسمیں شوہر کا کوئی رشتہ دار نہ رہتا ہو بلکہ خالی ہوتا کہ میاں بی بی بالکل بے تکلفی سے رہ سکیں البتہ اگر عورت خود سب کے ساتھ رہنا گوارا کر لے تو ساجھے کے گھر میں بھی رکھنا درست ہے۔

مسئلہ ۲۔ گھر میں سے ایک جگہ عورت کو الگ کر دے کہ وہ اپنا مال اسباب حفاظت سے رکھے اور خود اسمیں رہے سہے (رہنے سہنے سے مراد ہوتا ہے کہ وہ وہاں کھانے پکانے، نہانے دھونے اور تمام ضروریات کو پورا کر سکے۔ ملاحظۂ مؤلف) اور اسکی قفل کنجی اپنے پاس رکھے کسی اور کو اسمیں دخل نہ ہو۔ فقط عورت ہی کے قبضے میں رہے تو بس حق ادا ہو گیا۔ عورت کو اس سے زیادہ کا دعویٰ نہیں ہو سکتا اور یہ نہیں کہہ سکتی کہ پورا گھر میرے لئے الگ کر دو۔

مسئلہ ۳۔ جس طرح عورت کو اختیار ہے کہ اپنے لئے کوئی الگ گھر مانگے جسمیں مرد کا کوئی رشتہ دار نہ رہنے پاوے فقط عورت ہی کے قبضے میں رہے اسی طرح مرد کو اختیار ہے کہ جس گھر میں عورت رہتی ہے وہاں اس کے رشتہ داروں کو نہ آنے دے نہ ماں کو نہ باپ کو نہ بھائی کو نہ کسی اور رشتہ دار کو۔

تکلیف ہی سے کٹی، میّا بابا نے میری قسمت پھوڑ دی کہ مجھے ایسی بَلا میں پھنسا دیا، ایسی آگ میں جھونک دیا۔ کہ ایسی باتوں سے پھر دل میں جگہ نہیں رہتی۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں نے دوزخ میں عورتیں بہت دیکھیں۔ کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ دوزخ میں عورتیں کیوں زیادہ جاویں گی؟ تو حضرت نے فرمایا کہ یہ اَوروں پر لعنت بہت کیا کرتی ہیں اور اپنے خاوند کی ناشکری بہت کیا کرتی ہیں۔ تو خیال کرو کہ یہ ناشکری کتنی بُری چیز ہے اور کسی پر لعنت کرنا یا یوں کہنا کہ فلانی پر خدا کی مار۔ خدا کی پھٹکار، فلانی کا لعنتی چہرہ ہے، منہ پر لعنت برس رہی ہے۔ یہ سب باتیں بہت بُری ہیں شوہر کو کسی بات پر غصہ آ گیا تو ایسی بات مت کہو کہ غصہ اور زیادہ ہو جاوے۔ ہر وقت مزاج دیکھ کر بات کرو۔ اگر دیکھو کہ اس وقت ہنسی دل لگی میں خوش ہے تو ہنسی دل لگی کرو اور نہیں تو ہنسی دل لگی نہ کرو۔ جیسا مزاج دیکھو ویسی باتیں کرو کسی بات پر تم سے خفا ہو کر روٹھ گیا تو تم بھی منہ پھُلا کر نہ بیٹھ رہو بلکہ خوشامد کر کے عذر معذرت کر کے ہاتھ جوڑ کے جس طرح بنے اس کو منالو چاہے تمہارا قصور نہ ہو شوہر ہی کا قصور ہو تب بھی تم ہرگز نہ روٹھو اور ہاتھ جوڑ کر قصور معاف کرانے کو اپنا فخر اور اپنی عزت سمجھو اور خوب سمجھ لو کہ میاں بی بی کا ملاپ فقط خالی خولی محبت سے نہیں ہوتا بلکہ محبت کے ساتھ میاں کا ادب بھی کرنا ضرورت ہے۔ میاں کو اپنے برابر درجہ میں سمجھنا بڑی غلطی ہے۔ میاں سے ہرگز کبھی کوئی کام مت لو۔ اگر وہ محبت میں آ کر کبھی ہاتھ یا سر دبانے لگے تو تم نہ کرنے دو۔ بھلا سوچو کہ اگر تمہارا باپ ایسا کرے تو کیا تم کو گوارا ہوگا؟ پھر شوہر کا رتبہ تو باپ سے بھی زیادہ ہے۔ اٹھنے بیٹھنے میں بات چیت میں غرضکہ ہر بات میں ادب تمیز کا پاس اور خیال رکھو اور اگر خود تمہارا ہی قصور ہو تو ایسے وقت اینٹھ کر الگ بیٹھنا تو اور بھی پوری بیوقوفی اور نادانی ہے ایسی باتوں سے دل پھٹ جاتا ہے جب کبھی پردیس سے آوے تو مزاج پوچھو۔ خیریت دریافت کرو کہ وہاں کس طرح رہے تکلیف تو نہیں ہوئی ہاتھ پاؤں پکڑ لو کہ تم تھک

گئے ہو گے۔ بھوکا ہو تو روٹی پانی کا بندوبست کرو۔ گرمی کا موسم ہو تو پنکھا جھل کر ٹھنڈا کرو۔ غرضکہ اس کی راحت و آرام کی باتیں کرو۔ روپے پیسے کی باتیں ہرگز نہ کرنے لگو کہ ہمارے واسطے کیا لائے کتنا خرچ لائے۔ خرچ کا بٹوا کہاں ہے۔ دیکھیں کتنا ہے جب وہ خود دیوے تو لے لو یہ حساب نہ پوچھو کہ تنخواہ تو بہت ہے اتنے مہینے میں بس اتنا ہی لائے۔ تم بہت خرچ کر ڈالتے ہو کاہے میں اُٹھایا، کیا کر ڈالا۔ کبھی خوشی کے وقت سلیقہ کے ساتھ باتوں باتوں میں پوچھ لو تو خیر اس کا کچھ حرج نہیں۔ اگر اسکے ماں باپ زندہ ہوں اور روپیہ پیسہ سب ان ہی کو دیوے تمہارے ہاتھ پر نہ رکھے تو کچھ بُرا نہ مانو بلکہ اگر تمکو دیوے بھی تب بھی عقلمندی کی بات یہ ہے کہ تم اپنے ہاتھ میں نہ لو اور یہ کہو کہ ان ہی کو دیوے تا کہ اُن کا دل میلا نہ ہو اور تمکو بُرا نہ کہیں کہ بہو نے لڑکے کو اپنے ہی پھندے میں کر لیا۔ جب تک ساس خسر زندہ رہیں ان کی خدمت کو ان کی تابعداری کو فرض جانو اور اسی میں اپنی عزت سمجھو اور ساس نندوں سے الگ ہو کر رہنے کی ہرگز فکر نہ کرو۔ کہ ساس نندوں سے بگاڑ ہو جانے کی یہی جڑ ہے۔ خود سوچو کہ ماں باپ نے اسے پالا پوسا اور اب بوڑھاپے میں اس آسرے پر اسکی شادی بیاہ کیا کہ ہمکو آرام ملے اور جب بہو آئی تو ڈولے سے اُترتے ہی یہ فکر کرنے لگی کہ میاں آج ہی ماں باپ کو چھوڑ دیں۔ پھر جب ماں کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیٹے کو ہم سے چھُڑاتی ہے تو فساد پھیلتا ہے۔ کنبے کے ساتھ مل جل کر رہو۔ اپنا معاملہ شروع سے ادب لحاظ کا رکھو۔ چھوٹوں پر مہربانی بڑوں کا ادب کیا کرو۔ اپنا کوئی کام دوسروں کے ذمے نہ رکھو اور اپنی کوئی چیز پڑی نہ رہنے دو کہ فلانی اسکو اٹھا لیوے گی جو کام ساس نندیں کرتی ہیں تم اسکے کرنے سے عار نہ کرو تم خود بے کہے ان سے لے لو اور کر دو اس سے ان کے دلوں میں تمہاری محبت پیدا ہو جاوے گی۔ جب دو آدمی چُپکے چُپکے باتیں کرتے ہوں تو ان سے الگ ہو جاؤ اور اس کی ٹوہ مت لگاؤ کہ آپس میں کیا باتیں ہوتی تھیں اور خواہ مخواہ یہ بھی نہ خیال کرو کہ کچھ ہماری ہی باتیں ہوتی ہوں گی۔ یہ بھی ضرور خیال رکھو کہ سُسرال

میں بے دلی سے مت رہو اگر چہ نیا گھر نئے لوگ ہونے کی وجہ سے جی نہ لگے لیکن جی کو سمجھانا چاہئے نہ کہ وہاں رونے بیٹھ گئیں اور جب دیکھو تو بیٹھی رو رہی ہیں جاتے دیر نہیں ہوئی اور آنے کا تقاضا شروع کر دیا۔ بات چیت میں خیال رکھو نہ تو آپ ہی آپ اتنی بک بک کرو جو بُری لگے نہ اتنی کم کہ منّت خوشامد کے بعد بھی نہ بولو کہ یہ بھی بُرا ہے اور غرور سمجھا جاتا ہے۔ اگر سُسرال میں کوئی بات ناگوار اور بُری لگے تو میکے میں آ کر چُغلی نہ کھاؤ۔ سُسرال کی ذرا ذرا سی بات آ کر ماں سے کہنا اور ماؤں کا خود کھود کھود کر پوچھنا بڑی بُری بات ہے اسی سے لڑائیاں پڑتی ہیں اور جھگڑے کھڑے ہوتے ہیں اس کے سوا اور کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ شوہر کی چیزوں کو خوب سلیقہ اور تمیز سے رکھو۔ رہنے کا کمرہ صاف رکھو گندہ نہ رہے۔ بستر میلا کچیلا نہ ہو۔ شکن نکال ڈالو۔ تکیہ میلا ہو گیا ہو تو غلاف بدل دو نہ ہو تو سی ڈالو۔ جب خود اس نے کہا اور اُسکے کہنے پر تم نے کیا تو اسمیں کیا بات رہی۔ لطف تو اسی میں ہے کہ بے کہے سب چیزیں ٹھیک کر دو۔ جو چیزیں تمہارے پاس رکھی ہوں اُن کو حفاظت سے رکھو۔ کپڑے ہوں تو تہ کر کے رکھو۔ یونہی مل کوچ کے نہ ڈالو۔ اِدھر اُدھر نہ ڈالو۔ کہیں قرینے سے رکھو۔ کبھی کسی کام میں حیلہ حوالہ نہ کرو۔ نہ کبھی جھوٹی باتیں بناؤ کہ اس سے اعتبار جاتا رہتا ہے۔ پھر سچی بات کا بھی یقین نہیں آتا۔ اگر غصہ میں کبھی کچھ بُرا بھلا کہے تو تم ضبط کرو اور بالکل جواب نہ دو۔ وہ چاہے جو کچھ کہے تم چپکی بیٹھی رہو۔ غصہ اُترنے کے بعد دیکھنا کہ خود پشیمان ہوگا اور تم سے کتنا خوش رہے گا اور پھر کبھی انشاءاللہ تم پر غصہ نہ کرے گا۔ اور اگر تم بھی بول اٹھیں تو بات بڑھ جائے گی پھر نہ معلوم کہاں تک نوبت پہنچے۔ ذرا ذرا سے شبہ پر تہمت نہ لگاؤ کہ تم فلانی کے ساتھ بہت ہنسا کرتے ہو۔ وہاں زیادہ جایا کرتے ہو۔ وہاں بیٹھے کیا کرتے ہو کہ اسمیں اگر مرد بے قصور ہو تو تم ہی سوچو کہ اسکو کتنا برا لگے گا۔ اور اگر سچ مچ اس کی عادت ہی خراب ہے تو یہ خیال کرو کہ تمہارے غصہ کرنے اور بکنے جھکنے سے کوئی دباؤ ڈال کر زبردستی کرنے سے تمہارا ہی نقصان ہے۔ اپنی طرف

سے دل میلا کرانا ہو تو کرالو۔ ان باتوں سے کہیں عادت چھوٹتی ہے۔ عادت چھڑانا ہو تو عقلمندی سے رہو۔ تنہائی میں چُپکے سے سمجھاؤ بجھاؤ۔ اگر سمجھانے اور تنہائی میں غیرت دلانے سے بھی عادت نہ چھوٹے تو خیر صبر کر کے بیٹھی رہو۔ لوگوں کے سامنے گاتی مت پھرو اور اس کو رُسوا نہ کرو۔ نہ گرم ہو کر اسکو زیر کرنا چاہو کہ اس میں زیادہ ضد ہو جاتی ہے اور غصہ میں آ کر زیادہ کرنے لگتا ہے اگر تم غصہ کرو گی اور لوگوں کے سامنے بک جھک کر رُسوا کرو گی تو جتنا تم سے بولتا تھا اتنا بھی نہ بولے گا پھر اُس وقت روتی پھرو گی۔ اور یہ خوب یاد رکھو کہ مردوں کو خدا نے شیر بنایا ہے دباؤ اور زبردستی سے ہرگز زیر نہیں ہو سکتے۔ ان کے زیر کرنے کی بہت آسان ترکیب خوشامد اور تابعداری ہے۔ ان پر غصہ کر کے دباؤ ڈالنا بڑی غلطی اور نادانی ہے اگر چہ اسکا انجام ابھی سمجھ میں نہیں آتا لیکن جب فساد کی جڑ پڑ گئی تو کبھی نہ کبھی ضرور اس کا خراب نتیجہ پیدا ہوگا۔ لکھنؤ میں ایک بی بی کے میاں بڑے بدچلن ہیں دن رات باہر ہی بازاری عورت کے پاس رہا کرتے ہیں گھر میں بالکل نہیں آتے اور طرّہ یہ کہ وہ بازاری فرمائشیں کرتی ہے کہ آج پلاؤ پکے آج فلانی چیز پکے اور وہ بیچاری دم نہیں مارتی جو کچھ میاں کہلا بھیجتے ہیں روز مرّہ برابر پکا کر کھانا باہر بھیج دیتی ہے اور کبھی کچھ سانس نہیں لیتی ہے۔ دیکھو ساری خلقت اس بی بی کو کیسی واہ واہ کرتی ہے اور خدا کے یہاں جو اسکو رتبہ ملے گا وہ الگ رہا۔ اور جس دن میاں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور بدچلنی چھوڑ دی اس دن سے بس بی بی کا غلام ہی ہو جاویں گے۔

اولاد کے پرورش کرنے کا طریقہ

جاننا چاہئے کہ یہ امر بہت ہی خیال رکھنے کے قابل ہے کیونکہ بچپن میں جو عادت بھلی یا بُری پختہ ہو جاتی ہے وہ عمر بھر نہیں جاتی اسلئے بچپن سے جوان ہونے تک ان باتوں کا ترتیب وار ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) نیک بخت دیندار عورت کا دودھ پلاویں دودھ کا بڑا اثر ہوتا ہے۔

(۲) عورتوں کی عادت ہے کہ بچوں کو کہیں سپاہی سے ڈراتی ہیں کہیں اور ڈراؤنی چیزوں سے سو یہ بُری بات ہے اس سے بچہ کا دل کمزور ہو جاتا ہے۔

(۳) اسکے دودھ پلانے کے لئے اور کھانا کھلانے کے لئے وقت مقرر رکھو کہ وہ تندرست رہے۔

(۴) اسکو صاف ستھرا رکھو کہ اس سے تندرستی رہتی ہے۔

(۵) اسکا بہت بناؤ سنگار مت کرو۔

(۶) اگر لڑکا ہو اس کے سر پر بال مت بڑھاؤ۔

(۷) اگر لڑکی ہے اس کو جب تک پردہ میں بیٹھنے کے لائق نہ ہو جائے زیور مت پہناؤ۔ اس سے ایک تو ان کی جان کا خطرہ ہے دوسرے بچپن ہی سے زیور کا شوق دل میں ہونا اچھا نہیں۔

(۸) بچوں کے ہاتھ سے غریبوں کو کھانا کپڑا پیسہ اور ایسی چیزیں دلوایا کرو اسی طرح کھانے پینے کی چیز اُن کے بھائی بہنوں کو یا اور بچوں کو تقسیم کرایا کرو تا کہ ان کو سخاوت کی عادت ہو۔ مگر یہ یاد رکھو کہ تم اپنی چیزیں ان کے ہاتھ سے دلوایا کرو۔ خود جو چیز شرع سے ان ہی کی ہو اسکا دلوانا کسی کو درست نہیں۔

(۹) زیادہ کھانے والوں کی بُرائی اس کے سامنے کیا کرو مگر کسی کا نام لے کر نہیں بلکہ اس طرح کہ جو کوئی بہت کھاتا ہے لوگ اس کو حبشی سمجھتے ہیں اس کو بیل جانتے ہیں۔

(۱۰) اگر لڑکا ہو سفید کپڑے کی رغبت اس کے دل میں پیدا کرو اور رنگین اور تکلف کے لباس سے اس کو نفرت دلاؤ کہ ایسے کپڑے لڑکیاں پہنتی ہیں تم ماشاء اللہ مرد ہو۔ ہمیشہ اس کے سامنے ایسی باتیں کیا کرو۔

(۱۱) اگر لڑکی ہو جب بھی زیادہ مانگ چوٹی بہت تکلف کے کپڑوں کی اسکو عادت مت ڈالو۔

(۱۲) اسکی سب ضدیں پوری مت کرو کہ اس سے مزاج بگڑ جاتا ہے۔

(۱۳) چلا کر بولنے سے روکو۔ خاصکر اگر لڑکی ہو تو چلانے پر خوب ڈانٹو ورنہ بڑی ہو کر وہی عادت ہو جاوے گی۔

(۱۴) جن بچوں کی عادتیں خراب ہیں یا پڑھنے لکھنے سے بھاگتے ہیں یا تکلف کے کھانے کپڑے کے عادی ہیں ان کے پاس بیٹھنے سے ان کے ساتھ کھیلنے سے انکو بچاؤ۔

(۱۵) ان باتوں سے اس کو نفرت دلاتی رہو: غصہ، جھوٹ بولنا، کسی کو دیکھ کر جلنا یا حرص کرنا، چوری، چغلی کھانا، اپنی بات کی پچ کرنا، خواہ مخواہ اس کو بنانا، بے فائدہ بہت باتیں کرنا، بے بات ہنسنا یا زیادہ ہنسنا، دھوکہ دینا، بھلی بُری بات کا نہ سوچنا۔ اور جب ان باتوں میں سے کوئی بات ہو جاوے فوراً اس کو روکو اس پر تنبیہ کرو۔

(۱۶) اگر کوئی چیز توڑ پھوڑ دے یا کسی کو مار بیٹھے مناسب سزا دو تا کہ پھر ایسا نہ کرے۔ ایسی باتوں میں پیار دلار ہمیشہ کے لئے بچہ کو کھو دیتا ہے۔

(۱۷) بہت سویرے مت سونے دو۔

(۱۸) سویرے جاگنے کی عادت ڈالو۔

(۱۹) جب سات برس کی عمر ہو جاوے نماز کی عادت ڈالو۔

(۲۰) جب مکتب میں جانے کے قابل ہو جاوے اول قرآن مجید پڑھواؤ۔

(۲۱) جہاں تک ہو سکے دیندار استاد سے پڑھواؤ۔

(۲۳) ان کو ایسی کتابیں مت دیکھنے دو جن میں عاشقی معشوقی کی باتیں یا شرع کے خلاف مضمون یا اور بیہودہ قصے یا غزلیں وغیرہ ہوں۔

(۲۵) ایسی کتابیں پڑھواؤ جن میں دین کی باتیں اور دنیا کی ضروری کارروائی آ جاوے۔

(۲۶) مکتب سے آ جانے کے بعد کسی قدر دل بہلانے کے لئے اس کو کھیلنے کی اجازت دو تا کہ اس کی طبیعت کُند نہ ہو جاوے لیکن کھیل ایسا ہو جس میں کوئی

گناہ نہ ہو چوٹ لگنے کا اندیشہ نہ ہو۔

(۲۷) آتشبازی یا باجہ یا فضول چیزیں مول لینے کے لئے پیسے مت دو۔

(۲۸) کھیل تماشے دکھلانے کی عادت مت ڈالو۔

(۲۹) اولاد کو ضرور کوئی ایسا ہنر سکھا دو جس سے ضرورت اور مصیبت کے وقت چار پیسے حاصل کر کے اپنا اور اپنے بچوں کا گذارہ کر سکے۔

(۳۰) لڑکیوں کو اتنا لکھنا سکھلا دو کہ ضروری خط اور گھر کا حساب کتاب لکھ سکیں۔

(۳۱) بچوں کو عادت ڈالو کہ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کیا کریں۔ اپاہج اور سُست نہ ہو جاویں۔ ان کو کہو کہ رات کو بچھونا اپنے ہاتھ سے بچھاویں صبح کو سویرے اٹھ کر تہ کر کے احتیاط سے رکھ دیں۔ کپڑوں کی گٹھڑی اپنے انتظام میں رکھیں۔ ادھڑا پھٹا خود سی لیا کریں۔ کپڑے خواہ میلے ہوں خواہ اجلے ہوں ایسی جگہ رکھیں جہاں کیڑے کا چوہے کا اندیشہ نہ ہو۔ دھوبن کو خود گن کر دیں اور لکھ لیں اور گن کر پڑتال کر کے لیں۔

(۳۲) لڑکیوں کو تاکید کرو کہ جو زیور تمہارے بدن پر ہے رات کو سونے سے پہلے اور صبح کو جب اٹھو دیکھ بھال لیا کرو۔

(۳۳) لڑکیوں سے کہو کہ جو کام کھانے پکانے سینے پرونے کپڑے رنگنے چیز بننے کا گھر میں ہوا کرے اسمیں غور کر کے دیکھا کرو کہ کیونکر ہو رہا ہے۔

(۳۴) جب بچہ سے کوئی بات خوبی کی ظاہر ہو اس پر خوب شاباش دو پیار کرو بلکہ اس کو کچھ انعام دو تا کہ اس کا دل بڑھے اور جب اسکی کوئی بُری بات دیکھو اول تنہائی میں اس کو سمجھاؤ کہ دیکھو بُری بات ہے دیکھنے والے دل میں کیا کہتے ہوں گے اور جس جس کو خبر ہوگی وہ دل میں کیا کہے گا خبردار پھر ایسا مت کرنا نیک بخت لڑکے ایسا نہیں کیا کرتے۔ اور پھر وہی کام کرے تو مناسب سزا دو۔

(۳۵) ماں کو چاہئے کہ بچہ کو باپ سے ڈراتی رہے۔

(۳۶) بچہ کو کوئی کام چھپا کر مت کرنے دو۔ کھیل ہو یا کھانا ہو یا کوئی اور شغل ہو جو کام چھپا کر کرے گا سمجھ جاؤ کہ وہ اس کو بُرا سمجھتا ہے سو وہ اگر بُرا ہے تو اس سے چھڑاؤ اور اگر اچھا ہے جیسے کھانا پینا تو اس سے کہو کہ سب کے سامنے کھائے پیئے۔

(۳۷) کوئی کام محنت کا اس کے ذمہ مقرر کر دو جس سے صحت اور ہمت رہے۔ سُستی نہ آنے پاوے۔ مثلاً لڑکوں کے لئے ڈنڈ، مگدر کرنا، ایک آدھ میل چلنا۔ اور لڑکیوں کے لئے چکّی یا چرخہ چلانا ضرور ہے۔ اسمیں یہ بھی فائدہ ہے کہ ان کاموں کو عیب نہ سمجھیں گی۔

(۳۸) چلنے میں تاکید کرو کہ بہت جلدی نہ چلے نگاہ اوپر اُٹھا کر نہ چلے۔

(۳۹) اسکو عاجزی اختیار کرنے کی عادت ڈالو زبان سے چال سے برتاؤ سے شیخی نہ بگھارنے پاوے یہاں تک کہ اپنے ہم عمر بچوں میں بیٹھ کر اپنے کپڑے یا مکان یا خاندان یا کتاب و قلم و دوات تختی تک کی تعریف نہ کرنے پاوے۔

(۴۰) کبھی کبھی اسکو دو یا چار پیسے دے دیا کرو کہ اپنی مرضی کے موافق خرچ کیا کرے مگر اس کو یہ عادت ڈالو کہ کوئی چیز تم سے چھپا کر نہ خریدے۔

(۴۱) اسکو کھانے کا طریقہ اور محفل میں اٹھنے بیٹھنے کا طریقہ سکھلاؤ۔

باب ۷
تجوید

ایمان اور حقوق کے بعد ایک مسلمان کے لئے سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ تجوید سیکھے یعنی قرآن شریف کو صحیح طرح پڑھنا سیکھے تا کہ عبادات جو اللہ تعالیٰ کا حق ہے صحیح ادا ہوسکیں۔ بالخصوص نماز کا صحیح ہونا تجوید سیکھنے پر موقوف ہے۔ اس لئے تجوید کا سیکھنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔ علماء کرام بتاتے ہیں کہ بعض تجوید کی غلطیاں ایسی ہیں کہ ان سے نماز فاسد ہوجاتی ہے۔ لیکن اگر کوئی سیکھنے میں لگا ہوا ہے اور اپنی طرف سے احتیاط کرتا ہے کہ غلطی نہ ہو تو سیکھنے کے دوران تجوید کی غلطیوں سے نماز فاسد نہیں ہوتی، اداء شمار ہوجاتی ہے۔ بہشتی زیور میں تجوید کے ضروری اور اہم قاعدے بہت سلیس کر کے مختصراً بیان کر دئے گئے ہیں۔ ان کو سمجھ کر کسی استاذ سے مشق کروا لینے سے بہت جلد تجوید درست ہوجائے گی۔ ان شاء اللہ۔

قرآن شریف کو صحیح پڑھنے کا بیان

(بہشتی زیور سے ماخوذ)

قرآن شریف کو اچھی طرح سنوار کر صحیح پڑھنے کو تجوید کہتے ہیں۔ اس کو سیکھنے کی کوشش کرنا واجب ہے۔ اسمیں بے پروائی اور سستی کرنے میں گناہ ہوتا ہے۔ اس کے قاعدے بہت سے ہیں مگر تھوڑے سے قاعدے جو بہت ضروری اور آسان ہیں لکھے جاتے ہیں۔

تنبیہ۔ حسب ذیل حروف میں خوب اہتمام سے فرق کرنا چاہئے اور اچھی طرح ادا کرنا چاہئے:

۱۔ ا ، ع ، ء:

(ع) حلق کے درمیان سے نکلتا ہے اور (ء) حلق کے بالکل نیچے سے

۲۔ت ، ط :

(ت) پُر نہیں ہوتی اور (ط) پُر ہوتی ہے

۳۔ث ، س ، ص

(ث) نرم ہوتی ہے، (س) سخت ہوتا ہے اور (ص) پُر ہوتا ہے

۴۔ ح ، ہ

(ح) حلق کے درمیان سے نکلتا ہے اور (ہ) حلق کے بالکل نیچے سے۔

۵۔ د، ض

(د) زبان کی نوک اوپر کے اگلے دو دانتوں کی جڑ کی طرف والے آدھے حصہ سے لگتی ہے

(ض) کے نکالنے میں زبان کی کروٹ بائیں طرف کی ڈاڑھ سے لگتی ہے۔ سامنے کے دانتوں سے اسکا پڑھنا غلط ہے اور اسکی زیادہ مشق کرنا چاہئے۔

٦۔ ذ، ظ، ز

(ذ) نرم ہوتی ہے، (ظ) پُر ہوتی ہے اور (ز) سخت ہوتی ہے۔

قاعدہ(۱)۔ یہ حروف ہمیشہ پُر ہوتے ہیں (خ، ص، ض، ط، ظ، غ، ق)

قاعدہ(۲)۔ (ن، م) پر جب تشدید ہو غُنّہ سے پڑھو۔ یعنی اسی آواز کو ذرا دیر تک ناک میں نکالتی رہو۔

قاعدہ(۳)۔ جس حرف پر زبر یا زیر یا پیش ہو اور اس سے آگے (ا) یا (ی) یا (و) نہ ہو تو اسکو بڑھا کر مت پڑھو جیسے اکثر لڑکیوں کو عادت پڑ جاتی ہے اس طرح پڑھنا غلط ہے جیسے (اَلْحَمْدُ) کو اس طرح پڑھنا (اَلْحَمْدُو) یا (مٰلِکِ) کو اس طرح پڑھنا (مٰلِکِیْ) یا (اِیَّاکَ) کو اس طرح پڑھنا (اِیَّاکَا) اور جہاں (ا) یا (ی) یا (و) ہو اسکو گھٹاؤ مت۔ غرض کھڑے پڑے کا بہت خیال رکھو۔

قاعدہ(۴)۔ پیش کو (واؤ) کی بُو دے کر پڑھو اور زیر کو (ی) کی بُو دے کر۔

قاعدہ(۵)۔ جہاں نون پر جزم ہو اور اس نون کے بعد ان حرفوں میں سے کوئی حرف ہو اُس نون کو غُنّہ سے پڑھو وہ حروف یہ ہیں (ت ث ج د ذ ز س ش ص ض ط ظ ف ق ک) جیسے اَنْتُمْ، مِنْ ثَمَرَةٍ، فَاَنْجَیْنٰکُمْ، اَنْدَادًا، اَنْذَرْتَهُمْ، اَنْزَلَ، مِنْسَاَتَهٗ، یَنْشَه، لِمَنْ صَبَرَ، مَنْضُوْدٍ، فَاِنْ طِبْنَ، فَانْظُرْ، یُنْفِقُوْنَ، مِنْ قَبْلِکَ، اِنْ کُنْتُمْ۔

قاعدہ(۶)۔ اسی طرح اگر کسی حرف پر دو زبر یا دو زیر یا دو پیش ہوں جس سے نون کی آواز پیدا ہوتی ہے اور اس حرف کے بعد ان پندرہ حرفوں میں سے کوئی حرف آ جاوے تب بھی اس نون کی آواز پر غُنّہ کرو جیسے جَنّٰتٍ تَجْرِیْ، جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰی، مِنْ نَّفْسٍ شَیْئًا، رِزْقًا قَالُوْا، رَسُوْلٌ کَرِیْمٌ۔ اسی طرح اور مثالیں ڈھونڈ لو۔

قاعدہ(۷)۔ جہاں نون پر جزم ہو اور اس کے بعد حرف (ر) یا حرف (ل) آوے تو اس نون میں نون کی آواز بالکل نہیں رہتی بالکل (ر) یا (ل) میں مل جاتا ہے جیسے: مِنْ رَّبِّهِمْ وَلٰکِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ۔

قاعدہ(۸)۔ اسی طرح اگر کسی حرف پر دو زبر یا دو زیر یا دو پیش ہوں جس سے نون کی آواز پیدا ہوتی ہے اور اس حرف کے بعد (ر) یا (ل) ہو جب بھی اس نون کی آواز نہ رہے گی (ر) یا (ل) میں ملا دیگا جیسے غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ، هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ۔

قاعدہ(۹)۔ اگر نون پر جزم ہو اور اسکے بعد حرف (ب) ہو تو اس نون کو میم کی طرح پڑھیں گے اور اس پر غنہ بھی کریں گے جیسے اَنْبِئْهُمْ اس کو اس طرح پڑھیں گے اَمْبِئْهُمْ اسی طرح اگر کسی حرف پر دو زبر یا دو زیر یا دو پیش ہوں جس سے نون کی آواز پیدا ہوتی ہے اور اس کے بعد (ب) ہو وہاں بھی اس نون کی آواز کو میم کی طرح پڑھیں گے جیسے اَلِیْمٌ بِمَا اس کو اس طرح پڑھیں گے اَلِیْمُمْ بِمَا۔ بعضے قرآن میں ایسے موقع پر ننھی سی میم لکھ دیتے ہیں اور بعضوں میں نہیں لکھتے مگر پڑھنا سب جگہ چاہئے جہاں جہاں یہ قاعدہ پایا جاوے۔

قاعدہ(۱۰)۔ جہاں میم پر جزم ہو اور اس کے بعد حرف (ب) ہو تو اس کے میم پر غنہ کرو جیسے یَعْتَصِمْ بِاللّٰهِ۔

قاعدہ(۱۱)۔ جس حرف پر دو زبر یا دو زیر یا دو پیش ہوں اور اس کے بعد والے حرف پر جزم ہو تو ہاں دو زبر کی جگہ ایک زبر پڑھیں گے اور وہاں جو الف لکھا ہے اس کو نہیں پڑھیں گے اور ایک نون زیر والا اپنی طرف سے نکال کر اس جزم والے حرف سے ملا دیں گے جیسے خَیْرًا الْوَصِیَّةُ اس کو اس طرح پڑھیں گے خَیْرَنِ الْوَصِیَّةُ۔ اسی طرح دو زیر کی جگہ ایک زیر پڑھیں گے اور ویسا ہی نون پچھلے حرف سے ملا دیں گے

فَخُورٍ الَّذِیْنَ اس کو اس طرح پڑھیں گے فَخُوْرِ نِ الَّذِیْنَ اسی طرح دو پیش کی جگہ ایک پیش پڑھیں گے اور ویسا ہی نون پچھلے حرف سے ملا دیں گے جیسے نُوْحُ ابْنَهٗ اس کو اس طرح پڑھیں گے نُوْحُ نِ ابْنَهٗ۔ بعضے قرآنوں میں ننھا سا نون بیچ میں لکھ دیتے ہیں لیکن اگر کسی قرآن میں نہ لکھا ہو جب بھی پڑھنا چاہئے۔

قاعدہ(۱۲)۔ (ر) پر اگر زبر یا پیش ہو تو پُر پڑھنا چاہئے جیسے رَبُّ الْعَالَمِیْنَ۔ اَمْرُهُمْ۔ اور اگر (ر) کے نیچے زیر ہو تو باریک پڑھو جیسے غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ اور اگر (ر) پر جزم ہو تو اس سے پہلے والے حرف کو دیکھو اگر اُس پر زبر یا پیش ہے تو (ر) پُر پڑھو جیسے اَنْذَرْتَهُمْ مُرْسَلٌ اور اگر اس سے پہلے والے حرف پر زیر ہو تو اُس جزم والی (ر) کو باریک پڑھو جیسے لَمْ تُنْذِرْهُمْ اور کہیں کہیں یہ قاعدہ نہیں چلتا مگر وہ مواقع تمہاری سمجھ میں نہ آویں گے زیادہ جگہ یہی قاعدہ ہے تم یونہی پڑھا کرو۔

قاعدہ(۱۳)۔ اَللّٰهُ اور اَللّٰهُمَّ میں جو لام ہے اس لام سے پہلے والے حرف پر اگر زبر یا پیش ہو تو لام کو پُر پڑھو جیسے خَتَمَ اللّٰهُ، فَزَادَهُمُ اللّٰهُ، وَاِذْقَالُوا اللّٰهُم اور اگر پہلے والے حرف پر زیر ہو تو اُس لام کو باریک پڑھو جیسے اَلْحَمْدُلِلّٰهِ۔

قاعدہ(۱۴)۔ جہاں گول (ۃ) لکھی ہو چاہے الگ ہو اس طرح (ۃ) چاہے ملی ہوئی ہو اس طرح (ـة) اور اس پر ٹھیرنا ہو تو اس (ۃ) کو (ہ) کی طرح پڑھیں گے جیسے قَسْوَةٌ اس کو اس طرح پڑھیں گے قَسْوَہْ۔ اسی طرح اٰتُوا الزَّكٰوةَ اور طَیِّبَةٌ میں بھی (ہ) پڑھیں گے۔

قاعدہ(۱۵)۔ جس حرف پر دو زبر ہوں اور اس پر ٹھیرنا ہو تو اس حرف سے آگے الف پڑھیں گے جیسے نِدَاءً کو اس طرح پڑھیں گے نِدَاءَا۔

قاعدہ(۱۶)۔ جس جگہ قرآن میں مد کی نشانی لکھی ہوئی ہو (مٓداءٓا) وہاں ذرا بڑھا دو

جیسے وَلَا الضَّآلِّیْنَ یہاں الف کو اور الفوں سے بڑھا کر پڑھو جیسے قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ یہاں واؤ کو اور جگہوں کے واؤ سے بڑھا دیا۔ جیسے فِیْٓ اٰذَانِهِمْ اس (ی) کو دوسری جگہ کی (ی) سے بڑھا دو۔

قاعدہ(۱۷)۔ جہاں ایسی نشانیاں بنی ہوں وہاں ٹھیر جاؤ (م، ط، ہ، قف، ل)۔ جہاں (س) یا (سکتہ) یا (وقفہ) ہو وہاں سانس نہ توڑو مگر ذرا رُک کر آگے بڑھتی چلی جاؤ۔ جہاں ایک آیۃ میں دو جگہ تین نقطے بنے ہوں وہاں ایک جگہ ٹھیرو ایک جگہ نہ ٹھیرو چاہے پہلی جگہ ٹھیرو چاہے دوسری جگہ ٹھیرو۔ جہاں (لا) لکھا ہو وہاں مت ٹھیرو۔ جہاں اور نشانیاں بنی ہوں جی چاہے ٹھیرو جی چاہے نہ ٹھیرو اور جہاں اوپر نیچے دو نشانیاں بنی ہوں جو اوپر لکھی ہو اُس پر عمل کرو۔

قاعدہ(۱۸)۔ جس حرف پر جزم ہو اور اُسکے بعد والے حرف پر تشدید ہو تو اُس جگہ پہلا حرف نہ پڑھیں گے جیسے قَدْتَّبَیَّنَ میں دال نہ پڑھیں گے اور قَالَتْ طَّآئِفَةٌ میں (ت) نہ پڑھیں گے اور لَئِنْۢ بَسَطْتَّ میں (ط) نہ پڑھیں گے اور اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ میں (ت) نہ پڑھیں گے اور اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا میں (ت) نہ پڑھیں گے اور اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ میں (ق) نہ پڑھیں گے۔ البتہ اگر یہ جزم والا حرف (ن) ہو یا دو زبر یا دو زیر یا دو پیش سے نون پیدا ہو گیا ہو اور اس کے بعد تشدید والا حرف (ی) ہو یا واؤ ہو تو وہاں پڑھنے میں نون کی بُو رہے گی جیسے مَنْ یَّقُوْلُ، ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ میں نون کی آواز ناک میں پیدا ہوگی۔

قاعدہ(۱۹)۔ پارہ ۱۲ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ کے چوتھے رکوع کی چھٹی آیت (۱۱:۴۱ سورہ ہود) میں مَجْرٖىهَا کے (ر) کے زیر کو اور زیروں کی طرح نہ پڑھیں گے بلکہ جس طرح لفظ ستارے کی (ر) کا زیر پڑھا جاتا ہے اس طرح اس کو بھی پڑھیں گے۔

قاعدہ(۲۰)۔ پارہ حٰمٓ میں سورہ حجرات کے دوسرے رکوع کی پہلی آیۃ (۴۹:۱۱ سورہ

حجرات) میں جو یہ بول آیا ہے بِئْسَ الْاِسْمُ اُسمیں بِئْسَ کا سین کسی حرف سے نہیں ملتا اور اس کے بعد کا لام اگلے سین سے ملتا ہے اور اس طرح پڑھا جاتا ہے بِئْسَ لِسْمُ۔

قاعدہ(۲۱)۔ پارہ تِلْکَ الرُّسُلُ سورۂ آل عمران کے شروع میں جو الٓمّٓ آیا ہے اسکی میم کو اگلے لفظ اللہ کے لام سے اس طرح ملایا جاتا ہے جس کے ہجے یوں ہوتے ہیں م ی زیر مِی۔ م ل زبر مَلْ مِیْمَلْ اور بعض پڑھنے والی جو اس طرح پڑھتی ہے مِیْم ملْ یہ غلط ہے۔(۳:۱ سورہ آل عمران)

قاعدہ(۲۲)۔ یہ چند مقام ایسے ہیں کہ لکھا جاتا ہے اور طرح اور پڑھا جاتا ہے اور طرح۔ ان کا بہت خیال رکھو:

مقام (۱) قرآن مجید میں جہاں کہیں لفظ اَنَا آیا ہے اسمیں نون کے بعد کا الف نہیں پڑھا جاتا بلکہ فقط پہلا حرف الف اور نون زبر کے ساتھ پڑھتے ہیں اس کو بڑھاتے نہیں اس طرح اَنَ۔

مقام (۲) پارہ سَیَقُوْلُ کے سولہویں رکوع کی تیسری آیت (۲:۲۴۵ سورہ بقرہ) میں یَبْصُطُ (ص) سے لکھا جاتا ہے مگر (س) سے پڑھا جاتا ہے اس طرح یَبْسُطُ اکثر قرآنوں میں ایک ننھا سا سین بھی لکھ دیتے ہیں لیکن اگر نہ بھی لکھا ہو جب بھی سین پڑھے۔ اسی طرح پارہ وَلَوْ اَنَّنَا کے سولھویں رکوع کی پانچویں آیت (۷:۶۹ سورہ اعراف) میں جو بَصْطَۃً آیا ہے اسمیں بھی (ص) کی جگہ (س) پڑھتے ہیں۔

مقام (۳) پارہ لَنْ تَنَالُوْا کے چھٹے رکوع کی پہلی آیت (۳:۱۴۴ سورہ آل عمران) میں اَفَائِنْ میں (ف) کے بعد الف لکھا جاتا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا بلکہ اس طرح پڑھتے ہیں اَفَئِنْ۔

مقام (۴) پارہ لَنْ تَنَالُوْا کے آٹھویں رکوع کی تیسری آیت (۳:۱۵۸ سورہ آل

عمران) میں لَاَ اِلَی اللہِ میں پہلے لام کے بعد دو الف لکھے ہیں مگر ایک الف پڑھا جاتا ہے۔ اس طرح لَاِلَی اللہِ۔

مقام (۵) پارہ لَا یُحِبُّ اللہُ کے نویں رکوع کی تیسری آیۃ (۵:۲۹ سورہ مائدہ) میں تَبُوْءَا میں ہمزہ کے بعد الف لکھا جاتا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا بلکہ یوں پڑھتے ہیں تَبُوْءَ ۔

مقام (۶) پارہ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ کے تیسرے رکوع کی چوتھی آیۃ (۷:۱۰۳ سورہ اعراف) میں مَلَاۡئِہٖ میں لام کے بعد الف لکھا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا بلکہ یوں پڑھتے ہیں مَلَئِہٖ اسی طرح یہ لفظ قرآن میں جہاں آیا ہے اسی طرح پڑھا جاتا ہے۔

مقام (۷) پارہ وَاعْلَمُوْا کے تیرھوی رکوع کی پانچویں آیۃ (۹:۴۷ سورہ توبہ) میں لَاَاوْضَعُوْا میں لام کے بعد الف لکھا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا بلکہ یوں پڑھتے ہیں لَاَوْضَعُوْا۔

مقام (۸) پارہ وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ کے چھٹے رکوع کی آٹھویں آیۃ (۱۱:۶۸ سورہ ہود) میں ثَمُوْدَا میں دال کے بعد الف لکھا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا بلکہ یوں پڑھتے ہیں ثَمُوْدَ۔ اسی طرح پارہ قَالَ فَمَا خَطْبُکُمْ سورہ والنجم کے تیسرے رکوع کی اُنیسویں آیۃ میں جو ثَمُوْدَا آیا ہے اس میں بھی الف نہیں پڑھا جاتا۔

مقام (۹) پارہ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ کے دسویں رکوع کی چوتھی آیت (۱۳:۳۰ سورہ رعد) میں لِتَتْلُوَا میں واؤ کے بعد الف لکھا جاتا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا بلکہ یوں پڑھتے ہیں لِتَتْلُوَ۔

مقام (۱۰) پارہ سُبْحَانَ الَّذِیْ کے چودھویں رکوع کی دوسری آیۃ (۱۸:۱۴ سورہ کہف) میں لَنْ نَدْعُوَا میں واؤ کے بعد الف لکھا جاتا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا بلکہ یوں

پڑھتے ہیں لَنْ نَدْعُوَا اسی طرح پارہ سُبْحَانَ الَّذِیْ کے سولھویں رکوع کی پہلی آیۃ (۱۸:۲۳ سورہ الکہف) میں لِشَایْءٍ میں الف نہیں پڑھا جاتا بلکہ اس طرح پڑھتے ہیں لِشَیْءٍ۔

مقام (۱۱) پارہ سُبْحَانَ الَّذِی کے سترھویں رکوع کی ساتویں آیۃ (۱۸:۳۸ سورہ کہف) میں لٰکِنَّا میں نون کے بعد الف لکھا جاتا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا بلکہ یوں پڑھتے ہیں لٰکِنَّ ۔

مقام (۱۲) وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ کے سترھویں رکوع کی ساتویں (۲۷:۲۱ سورہ نمل) آیۃ میں لَا اَذْبَحَنَّهٗ میں لام کے بعد دو الف لکھے جاتے ہیں مگر ایک پڑھا جاتا ہے اس طرح لَاَذْبَحَنَّهٗ ۔

مقام (۱۳) پارہ وَمَالِیَ کے چھٹے رکوع کی سینتالیسویں آیۃ (۳۷:۶۸ سورہ صافات) میں لَااِلَی الْجَحِیْمِ میں پہلے لام کے بعد دو الف لکھے ہیں مگر ایک پڑھا جاتا ہے اس طرح لَاِلَی الْجَحِیْمِ ۔

مقام (۱۴) پارہ حٰمٓ سورۃ مُحَمَّد کے پہلے رکوع کی چوتھی آیۃ (۴۷:۴ سورہ محمد) میں لِیَبْلُوَا میں واو کے بعد الف لکھا جاتا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا بلکہ یوں پڑھتے ہیں لِیَبْلُوَ۔ اسی طرح اس سورۃ کے چوتھے رکوع کی تیسری آیۃ میں لِنَبْلُوَا ہے۔

مقام (۱۵) پارہ تَبَارَکَ الَّذِی سورۂ دہر کے پہلے رکوع کی چوتھی آیۃ (۷۶:۴ سورہ دہر) میں سَلَاسِلَا میں دوسرے لام کے بعد الف لکھا جاتا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا بلکہ یوں پڑھتے ہیں سَلَاسِلَ۔ اور اسی رکوع کی پندرھویں اور سولھویں آیۃ (۷۶: ۱۵،۱۶ سورہ دہر) میں دو جگہ قَوَارِیْرَا قَوَارِیْرَا آیا ہے اور دونوں جگہ دوسری (ر) کے بعد الف لکھا جاتا ہے۔ سو اکثر پڑھنے والے پہلے قَوَارِیْرَا پر ٹھہر جاتے ہیں اور

دوسرے قَوَارِیْرَا پر نہیں ٹھہرتے۔ اس طرح پڑھنے میں تو یہ حکم کہ پہلی جگہ الف پڑھیں دوسری جگہ الف نہ پڑھیں بلکہ اس طرح پڑھیں قَوَارِیْرَ۔ اور اگر کوئی پہلی جگہ نہ ٹھہرے اور دوسری جگہ ٹھہر جاوے تو جہاں ٹھہریں وہاں الف پڑھیں جہاں نہ ٹھہریں وہاں الف نہ پڑھیں اور دوسری جگہ کسی حال میں الف نہ پڑھا جائے گا خواہ وہاں وقف کرے یا نہ کرے۔ جہاں ٹھہریں وہاں الف پڑھیں جہاں نہ ٹھہریں وہاں الف نہ پڑھیں اور پہلی جگہ اگر وقف کرے تو الف پڑھے ورنہ نہیں، صحیح یہی ہے۔

باب ۸

کلمۂ حق

حقوق العباد کا جو بیان پچھلے باب میں ہوا اس کے بعد یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ہمارے رب کا ہم پر یہ حق ہے کہ ہم کلمۂ حق بلند کریں اور مصلحتوں کی پرواہ نہ کریں۔ اسلام میں مصلحت پرستی کی کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ کلمۂ حق کو بلند کرنے کا حکم ہے۔ آج کل متعدد بنیادی باتیں ایسی ہیں جن میں کلمۂ حق بلند کرنے سے مصلحتوں کی بناء پر دامن بچالیا جاتا ہے۔ حکیم الامتؒ نے مصلحتوں کی پرواہ کئے بغیر ہمیشہ حق بات کہی۔ حکیم الامتؒ فرماتے تھے کہ ہمارے ہاں مصالح (مصلحت کی جمع) پیسے جاتے ہیں اور حکیم الامتؒ نے اپنے ایک ملفوظ میں مجدد الف ثانیؒ کا قول نقل فرمایا ہے کہ دین کی باتوں مین مصلحت تلاش کرنا انکار نبوت ہے۔ اس لئے اس باب میں بعض ایسی بنیادی باتیں پیش کی جاتی ہیں جن میں کلمۂ حق بلند کرنے کی ضرورت ہے تاکہ دین کی حقیقت ہمارے ذہنوں میں محفوظ رہے

تدبر فی القرآن

ہمیں تدبر فی القرآن یعنی قرآن پاک میں غور وفکر کرنے کا حکم ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ

یعنی یہ کتاب بابرکت ہے جس کو ہم نے آپ پر اس واسطے نازل کیا ہے کہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور اہل فہم نصیحت حاصل کریں۔

تدبر کا مطلب اس آیت سے واضح ہے کہ ایسا غور وفکر کرنا جس سے نصیحت حاصل ہو۔ سوال یہ ہے کہ قرآن مجید میں تدبر کس طرح کیا جائے؟ اس کا طریقہ کیا ہے؟ کیا ترجمہ یا تفسیر از خود پڑھ لینا اس کے لئے مفید ہے؟ حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانویؒ وعظ (الامداد) میں اس سوال کا جواب دیتے ہیں:

"قرآن میں تدبر کرنے کے یہی معنی نہیں ہیں کہ قرآن سامنے رکھ کر ہی اس میں غور کیا جائے بلکہ یہ بھی تَدَبُّر فی القرآن میں داخل ہے کہ جن کتابوں میں قرآن کے مضامین مذکور ہیں ان میں غور و محنت سے کام لیا جائے۔"

"جو طریقہ ترجمہ دیکھنے کا مشہور ہے کہ قرآن مترجم لے کر دیکھ لیا اس کو میں خیر خواہی سے کہتا ہوں کہ یہ طریقہ نا کافی ہے اس کو چھوڑ دیا جائے۔"

حکیم الامتؒ کے خلیفہ خاص حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب قدس سرہ نے اس کی مزید وضاحت ان الفاظ میں فرمائی ہے:

"قرآن مجید کا ترجمہ بلا استاد عالم کے پڑھنا جائز نہیں اگر چہ ترجمہ اردو ہی میں ہو اور (پڑھنے والا) کیسا ہی اردو پڑھا ہوا ہو۔ اگر ایسا کریگا گمراہ ہو جائے گا۔"

یہی بات تفسیر کے از خود پڑھنے کے بارے میں بھی صحیح ہے۔ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی قدس سرہ تفسیر پڑھنے کا شوق ظاہر کرنے والوں کو فرماتے تھے کہ تفسیر کی

بجائے حکیم الامتؒ کی وہ عام فہم کتابیں پڑھو جو عوام کے لئے لکھی گئی ہیں۔ حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب قدس سرہ تفسیر پڑھنے سے منع فرماتے تھے۔ تفسیر علماء کے لئے ہے اور اگر کسی کو شوق ہو تو کسی متقی اور محقق عالم سے سبقاً سبقاً پڑھ لے بشرطیکہ اس تجویز میں خود رائی کو دخل نہ ہو، نیت عمل کی ہو اور تقویٰ قلب میں ہو کیونکہ اور تمام کتابوں سے مختلف قرآن مجید کی شان ھُدًی لِّلْمُتَّقِین کی ہے۔ یعنی یہ متقیوں کے لئے ہدایت ہے۔ جس کو خوف خدا نہ ہو وہ قرآن مجید کا بتلایا ہوا راستہ نہیں دیکھتا۔

اور یہ بات بالکل مشاہدہ کے مطابق ہے۔ تفسیر کا درس سن کر مرد اور عورتیں اگر گھر جا کر ٹیلیویژن دیکھیں، موسیقی سنیں، غیبت کریں، اپنے گھروں میں شرعی پردہ کا اہتمام نہ کریں، حقوق کا خیال نہ کریں، ظلم سے باز نہ آئیں، غصہ نہ چھوڑیں، دل میں کینہ رکھیں، اپنے کو اچھا دوسروں کو جاہل اور حقیر سمجھیں، اسراف کریں، شادیاں سنت کے مطابق کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھیں، کوئی تغیر اپنے اندر پیدا ہی نہ کریں، اپنے بڑوں کا ادب نہ کریں، بلکہ صحابہؓ، اکابر علماء حق اور بزرگوں پر اعتراض اور ان کی شان میں گستاخی سیکھ جائیں تو ایسے درس تفسیر سے کیا فائدہ ہوا؟

اس لئے صحیح طریقہ یہ ہے کہ تجوید سیکھیں تا کہ نماز صحیح ہو اور اسکے ساتھ کلام پاک کی تلاوت پابندی سے روز بلا ناغہ کی جائے چاہے سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ اس سے دل کا زنگ دور ہوتا رہے گا۔ اور کسی اللہ والے سے اصلاحی تعلق رکھ کر اپنے ان امراض نفس کا علاج کرایا جائے جن کی وجہ سے دین پر عمل مشکل معلوم ہوتا ہے اور حکیم الامتؒ کے مواعظ اور کتاب حیات المسلمین اور بہشتی زیور کا مطالعہ روزانہ صفحہ دو صفحہ کر لیا جائے اور اپنی حالت کو اس کے مطابق بنانے کی کوشش کی جائے اور متقی اہل حق علماء اور صلحاء کی صحبت کو لازم پکڑ لیا جائے۔ ہر کام میں ان سے شریعت کا حکم معلوم کر کے عمل کیا جائے۔ اس تدبیر سے تقویٰ اور تدبر سب انشاء اللہ حاصل ہو جائے گا۔

عالیشان مساجد

آجکل مساجد کو شاندار بنانے کا رواج ہو رہا ہے اور اس میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ لوگوں کا چندہ اور صدقات اسراف میں صرف کر ڈالتے ہیں اور یہ بھی احساس نہیں کہ اسراف بڑا گناہ ہے۔ حدیث شریف کا مضمون ہے کہ اگر کوئی نہر کے پانی سے وضوء کر رہا ہو تو بھی ضرورت سے زیادہ پانی بہانا اسراف ہے۔ اس سے اندازہ لگائیں! نہر میں وضوء سے بھلا کونسا پانی کم ہو جاتا ہے اور پھر وضوء جیسی ضروری عبادت! بات یہ ہے کہ اسراف سے دل تاریک ہو جاتا ہے۔ ظلمت چھا جاتی ہے اور پھر حق و باطل کی تمیز مٹ جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہیں دیا گیا ہے مسجدوں کو بلند اور شاندار بنانے کا۔ یہ حدیث بیان فرمانے کے بعد حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے بطور پیشگوئی فرمایا "یقیناً تم لوگ اپنی مسجدوں کی آرائش و زیبائش اسی طرح کرنے لگو گے جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنی عبادت گاہوں میں کی ہے" (سنن ابی داوود)

سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ ہی کی ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے: "میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ بھی ایک وقت جب میں تم میں نہ ہونگا اپنی مسجدوں کو اسی طرح شاندار بناؤ گے جس طرح یہود نے اپنے کنیسے بنائے ہیں اور نصاریٰ نے اپنے گرجے۔" (کنز الاعمال بحوالہ ابن ماجہ معارف الحدیث)۔

حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ کسی قوم کا کام بگڑتا ہے تو وہ اپنی مسجدوں کو آراستہ کرنے لگتے ہیں۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم اپنی مساجد کو مزین کرنے لگو اور اپنے قرآنوں

کو آراستہ کرنے لگو تو سمجھ لو کہ تمہاری ہلاکت کا وقت ہے۔

حکیم الامتؒ کے خلفاء میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ ونور اللہ مرقدہ کی شخصیت بہت ممتاز تھی۔ وہ دارالعلوم کورنگی کراچی کے بانی اور مفتی اعظم پاکستان تھے۔ تقویٰ اور پرہیز گاری میں بہت اعلیٰ مقام تھا۔ اپنے شیخ حکیم الامتؒ کے مسلک و طریق پر مضبوطی سے قائم تھے۔ وہ اپنی کتاب آداب المساجد میں اوپر دی ہوئی احادیث شریفہ نقل کر کے تحریر فرماتے ہیں کہ:

''البتہ اگر لکڑی یا گچھ اور چونے وغیرہ کے نقش بنالئے جائیں تو مضائقہ نہیں لیکن اسکا ترک بھی اولیٰ ہے۔ اور خلاصہ الفتاویٰ میں ہے کہ جائز بیل بوٹوں میں بھی روپیہ صرف کرنے سے اولیٰ یہ ہے کہ اس کو فقراء و مساکین پر صرف کیا جائے۔''

حکیم الامتؒ کو ایک شخص نے تھانہ بھون کی مسجد کے لئے دریاں بھیج دیں۔ حکیم الامتؒ نے واپس کر دیں اور فرمایا کہ چٹائیاں جو بچھی ہوئی ہیں وہ کافی ہیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ مسجد کے لئے اس طرح کے اسراف کے لئے جو چندہ دے ضروری نہیں کہ اس کا ثواب ملے۔

اس موءلف ناکارہ نے اپنے گھر کے سامنے کی چھوٹی سی مسجد کے لئے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ سے دریافت کیا کہ حضرت اس کے لئے مینارے کیسے بنواؤں؟ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ بس چھوٹے سے دو مینارے سامنے کے دونوں کونوں پر بنادو۔ بندہ نے عرض کیا حضرت کتنے اونچے بنواؤں؟ فرمایا دو تین ہاتھ۔ بندہ نے عرض کیا کہ حضرت اتنے چھوٹے مینارے تو دور سے نظر نہیں آئینگے۔ فرمایا کہ ''کتنی دور سے!''۔ حضرت کا مطلب یہ تھا کہ مینارہ جتنا بھی اونچا بنالو ایک حد کے بعد نظر نہیں آئیگا۔ چنانچہ حضرتؒ نے اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ مینارہ کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ مسجد پہچانی جائے اور قریب پہنچنے والا شخص سمجھ لے کہ یہ مسجد ہے کسی کا گھر یا کوئی عام عمارت نہیں ہے۔

انبیاء کے وارث علماء حق کے فضائل

علماء حق کو ورثۃ الانبیاء کہا گیا ہے یعنی وہ انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ جو علوم وحی سے انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوئے وہ ان علماء کو منتقل ہوئے۔ حکیم الامتؒ کتاب نشر الطیب میں لکھتے ہیں کہ ''علماء ورثۃ الانبیاء وہ ہیں جو علماء باعمل ہیں اور دین کی اشاعت وخدمت اور اہل دین کی روحانی تربیت کرتے ہیں کہ یہی کام تھا حضرات انبیاء علیہم السلام کا ورنہ علماء بے عمل کی سخت مذمت بھی آئی ہے۔'' علماء باعمل کے فضائل بہت ہیں۔ اگر ایسے علماء مل جائیں ان کا بہت احترام کرنا چاہیے اور ان سے علم حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ ان کی فضیلت کی روایات حکیم الامتؒ کی کتاب نشر الطیب سے نقل کی جاتی ہیں۔ ان احادیث سے علماء کا جانشین پیغمبر ہونا ظاہر ہے:

پہلی روایت: کثیر بن قیس نے حضرت ابولدرداءؓ سے ایک بڑی حدیث میں روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ عالم کے لئے تمام مخلوق آسمان اور زمین کی اور پانی میں مچھلیاں استغفار کرتی ہیں اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی فضیلت دوسرے کواکب پر اور علماء وارث ہیں انبیاء کے اور انبیاء نے دینار اور درہم میراث میں نہیں چھوڑا صرف علم کو میراث میں چھوڑا ہے۔ سو جس نے اس کو حاصل کیا اس نے پورا حصہ حاصل کیا۔ روایت کیا اسکو احمد اور ترمذی اور ابو داود اور ابن ماجہ اور دارمی نے۔

دوسری روایت: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گذر دو مجلسوں پر ہوا جو آپ کی مسجد میں بیٹھے تھے۔ (ان میں ایک عابدوں کی مجلس تھی اور دوسری عالموں کی) آپ نے فرمایا یہ دونوں اچھے ہیں اور ان میں ایک بہ نسبت دوسرے کے افضل ہے سو یہ لوگ (یعنی عابد) تو اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتے ہیں اور اس کی طرف التجاء کرتے ہیں سو اگر چاہے انکو دے اور اگر چاہے نہ دے اور یہ دوسرے

لوگ (یعنی عالم) دین کے احکام یا فرمایا علم کی باتیں سیکھ رہے ہیں اور جاہل کو سکھلاتے ہیں سو یہ زیادہ افضل ہیں اور میں بھی تعلیم کنندہ ہی ہو کر مبعوث ہوا ہوں پھر آپ ان لوگوں میں بیٹھ گئے (تا کہ معلوم ہو جاوے کہ یہ جماعت خاص آپ کی ہے) روایت کیا اس کو دارمی نے۔

تیسری روایت: حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دو شخصوں کی نسبت پوچھا گیا جو بنی اسرائیل میں تھے ایک تو عالم تھا کہ فرض (مع اس کے ضروری متعلقات کے) پڑھ لیتا تھا اور پھر لوگوں کو دین کی تعلیم دینے بیٹھ جاتا اور دوسرا دن بھر روزہ رکھتا اور رات بھر عبادت کرتا سو ان میں کون افضل ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ جو عالم تھا جو فرض (مع اس کے ضروری متعلقات کے) پڑھ لیتا تھا اور پھر لوگوں کو دین کی تعلیم دینے بیٹھ جاتا تھا اس کی فضیلت اس عابد پر جو دن بھر روزہ رکھتا اور رات بھر عبادت کرتا ایسی ہے جیسی میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ شخص پر۔
روایت کیا اسکو دارمی نے۔

حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ ”میں علماء کی منصبی خدمات کو بہ نسبت صوفیہ کی خدمت کے زیادہ اہم سمجھتا ہوں۔ علماء شعائر کے خادم ہیں اس لئے میں ہمیشہ صوفیہ سے علماء ہی کو افضل سمجھتا ہوں۔ صوفیہ اعمال کی تکمیل کرتے ہیں باقی اصل خدمت علماء ہی کی ہے“۔

ایک اور جگہ فرمایا کہ ”میں سچ عرض کرتا ہوں کہ میں اہل علم سے بہت شرماتا ہوں اور ان کے مقابلہ میں جی چاہتا ہے اپنا ہی نقص پیش نظر رہے۔ میں چھوٹے سے چھوٹے طالب علم کی اپنے قلب میں عظمت و احترام پاتا ہوں میں کبھی اہل علم کو ایسا خطاب کرنا پسند نہیں کرتا جس میں ان کی اہانت کا شبہ ہو۔“

علم نافع

آج کل مدارس تو ماشاء اللہ بہت ہیں مگر اساتذہ اور طلباء کو اہل اللہ کی صحبت حاصل نہیں۔ اس وجہ سے علم نافع حاصل نہیں ہوتا۔ ایسا علم جو بغیر اہل اللہ کی صحبت و تربیت کے حاصل ہوتا ہے اس کے بارے میں حکیم الامتؒ کا موقف ملاحظہ ہو۔

”نرے پڑھنے پڑھانے سے کیا ہوتا ہے کچھ نہیں ہوتا جب تک اہل اللہ اور خاصان حق کی صحبت میں نہ رہے۔“ (افاضات ص ۵۱۵ ج ۴)

”ہم نے ایک آدمی بھی ایسا نہیں دیکھا کہ (درسی اور کتابی اعتبار سے) پورا عالم ہو اور صحبت یافتہ نہ ہو اور پھر اس سے ہدایت ہوئی ہو اور ایسے بہت سے دیکھے ہیں کہ شین اور قاف بھی ان کا درست نہیں (یعنی کتابی اور درسی علم حاصل نہیں) لیکن (صحبت حاصل ہو جانے کی برکت اور فیض سے) دین کی خدمت کرتے ہیں پس نرا علم شیطان اور بلعم باعور کا سا علم ہے۔“ (طریق النجاۃ ص ۹۶، ۹۷)

ایک وعظ ”تعظیم العلم“ میں حکیم الامتؒ فرماتے ہیں:

صاحبو! میں اس علم نافع کی ضرورت آپ کو بتلا رہا ہوں۔ یہ وہ علم ہے جو خلوص سے حاصل ہوتا ہے۔ اسکی کوشش کیجئے اور یاد رکھئے کہ احادیث و قرآن میں جہاں علم کی فضیلتیں مذکور ہیں وہاں یہی علم مراد ہے جو خلوص کے ساتھ حاصل ہوا اور جو علم طلب جاہ وغیرہ کے لئے ہو یا جو اغراض و مصالح کا تابع ہو وہ علم مراد نہیں چنانچہ اس حدیث نے اس کا فیصلہ کر دیا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت میں سب سے پہلے تین شخصوں کو بلایا جائے گا اول شہید پھر عالم پھر سخی۔ شہید سے سوال ہو گا کہ تو نے ہمارے واسطے کیا کیا وہ کہے گا میں نے اپنی جان آپ کے واسطے فدا کر دی تھی۔ ارشاد ہو گا جھوٹ کہتے ہو تم نے جان اس واسطے دی تھی تا کہ لوگ یہ کہیں کہ بڑا بہادر ہے تو بہادر کہا گیا۔ پھر حکم ہو گا کہ اس کو جہنم میں گھسیٹ کر ڈال دو۔ پھر عالم صاحب

اطلاع کردو اگر پھر بھی حسب مرضی انتظام نہ ہو تو صبر کرو اور عمل سے یا زبان سے یا قلم سے مقابلہ مت کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ تمہاری مصیبت دور ہو۔"

حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اور مضمون اس سلسلہ میں بے حد مفید ہے جو ایک وعظ سے نقل کیا جاتا ہے:

ابن ابی الدنیا نے روایت کی ہے کہ بادشاہوں کو بُرا مت کہو! **اَنَا مَلِکُ الْمُلُوْکِ وبِیَدِی قُلُوْبُھُم** او کما قال۔ بادشاہوں کے دل خدا کے ہاتھ میں ہیں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے راضی کرو! میں سب کو ٹھیک کردوں گا۔ سب سے بڑے بادشاہ وہ ہیں ان چھوٹے بادشاہوں کے پیچھے کیوں پڑتے ہو یہ سب اس کے مقرر کئے ہوئے ہیں ہم نے خدا کو ناراض کر رکھا ہے تو اس نے بادشاہوں کے دل بدل دیئے اس کو راضی کرلو! وہ ان کے دلوں کو درست کردے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کارخانہ ظاہری کو ایک باطنی کارخانہ کے ساتھ وابستہ کر رکھا ہے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے زمانہ میں ایک مرتبہ انتظام خراب ہوگیا تھا لوگوں نے حضرت سے اس کی وجہ دریافت کی آپ نے فرمایا کہ آج کل صاحب خدمت ایسے ہی ایک حضرت ہیں جو بالکل ڈھیلے ہیں اور جن کے یہاں کچھ ڈھنگ نہیں۔ لوگوں نے پوچھا وہ کون ہیں فرمایا کہ ایک کنجڑا ہے جو جامع مسجد کے نیچے بیٹھتا ہے۔ ایک شخص ان کا امتحان کرنے گئے وہ خربوزے بیچ رہے تھے، انہوں نے بھاؤ کیا اور کہا کہ کاٹ کر چکھ کرلیں گے بولے بہت اچھا۔ انہوں نے قصداً سب خربوزے کاٹ ڈالے اور چکھ چکھ کر کہہ دیا سب خراب ہیں ہم نہیں لیتے، کہنے لگے بہت اچھا۔ یہ منظر دیکھ کر چلے آئے پھر کچھ عرصہ بعد انتظام بہت عمدہ ہوگیا تمام عملہ ٹھیک چل رہا تھا ہر شخص ڈرتا تھا کہ کام میں خرابی نہ آنے پائے سب لوگ ٹھیک ٹھیک خدمتیں انجام دیتے تھے پھر اس شخص نے حضرت شاہ صاحب سے دریافت کیا کہ آج کل تو انتظام بہت عمدہ ہے آپ نے فرمایا کہ جی ہاں آج کل صاحب خدمت دوسرے مقرر ہوئے ہیں وہ بڑے

تیز اور منتظم ہیں دریافت کرنے پر فرمایا کہ ایک سقہ ہے چاندنی چوک میں پانی پلاتا پھرتا ہے۔ وہ صاحب ان کا بھی امتحان کرنے چلے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ ایک دمڑی ساتھ لیجانا ایک دمڑی کا پیالہ دیتے ہیں، یہ دمڑی لے کر گئے دیکھا کہ کٹورا بجاتے ہوئے سبیل سبیل پکار رہے ہیں یہ بھی پہنچے اور ایک پیالہ پانی کا مانگا انہوں نے پوچھا کہ دمڑی بھی ساتھ لایا ہے؟ انہوں نے دمڑی پیش کردی۔ انہوں نے ایک پیالہ دے دیا اس نے پانی پھینک دیا کہ یہ تو خراب تھا ایک پیالہ اور دو! انہوں نے کہا کہ دمڑی اور ہے؟ کہا نہیں۔ انہوں نے ایک طمانچہ رسید کیا کہ کنجڑا سمجھا ہوگا! جا ایک دمڑی اور لا تب پیالہ ملے گا۔ یہ بڑے گھبرائے کہ واقعی انہی حضرت نے سارے عملہ کو نچا رکھا ہے۔ تو صاحبو! حکام کے دل اہل خدمت کے تابع ہوتے ہیں۔ یہ ظاہری حکام بھی درست ہوسکتے ہیں جب وہ انکی درستی کی طرف متوجہ ہوں اور وہ بالکل مثل سقہ کے مشیت الٰہی کے تابع ہیں بس خدا کو خوش کرلو وہ اصحاب خدمت کو متوجہ فرمادے گا پھر یہ سارا ظاہری عملہ درست ہوجائے گا۔

ظالمانہ حکم کو بدلوانے کا طریقہ:

ہندوستان میں ایک بار ایک حکم ایسا نافذ کیا گیا کہ مسلمانوں کو پریشانی لاحق ہوگئی۔ لوگ حکیم الامتؒ کے پاس پہنچے۔ خود حکیم الامتؒ بیان فرماتے ہیں کہ:

"تو میں نے ان لوگوں سے کہا کہ توبہ واستغفار کرو! اور ہر روز کم از کم پانچ سو مرتبہ **لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ** کا وظیفہ مقرر کرلو! انشاءاللہ ایک ہفتہ میں سب مصیبت دور ہوجائے گی۔ یہ میں نے کوئی کشف سے نہیں کہا تھا بلکہ حدیث میں آیا ہے **لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ كَنْزٌ مِّنْ كُنُوْزِ الْجَنَّةِ وَهُوَ دَوَاءٌ لِسَبْعِيْنَ دَاءٍ اَيْسَرُهَا الْهَمُّ** کہ یہ جنت کا ایک خزانہ ہے اور ستر بلاؤں کی دوا ہے جس میں سے ادنیٰ فکر وغم ہے۔ (رواہ فی الحصن جامع ۱۲) اس بھروسہ پر میں نے کہہ دیا تھا اور عدد کی تعیین اتفاق سے میرے منہ سے نکل گئی ان لوگوں نے اس رائے کو پسند کیا اور عمل شروع کیا۔ واقعی ایک ہفتہ گذرنے نہ پایا تھا کہ وہ حکم منسوخ ہوگیا۔

بلائے جائیں گے ان سے بھی یہی سوال ہوگا کہ تم نے ہمارے واسطے کیا کیا وہ کہے گا کہ میں نے علم حاصل کیا اور دوسروں کو پڑھایا فتوے دیئے مسئلے بتلائے ارشاد ہوگا جھوٹ بولتے ہو بلکہ تم نے سب کچھ اس لئے کیا تھا کہ تا کہ تم کو عالم کہا جائے سو تم کو عالم کہا گیا۔ بہت لوگ آپ کو مولوی و مولانا کہہ چکے خوب تعریفیں ہو چکیں اور تمہارا مدعا حاصل ہو چکا پھر حکم ہوگا کہ اس کو بھی گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دو۔ اسی طرح سختی کے بارے میں وارد ہے۔

اسی وعظ میں حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ حدیث شریف کا مضمون ہے کہ جو شخص علم اس لئے حاصل کرے کہ اس کے ذریعہ سے علماء کا مقابلہ کرے اور جاہلوں سے جھگڑا کرے اور لوگوں کا رخ اپنی طرف پھیرے خدا تعالیٰ اس کو جہنم میں داخل کریں گے تو دیکھئے کس قدر شدید وعید ہے مگر افسوس کہ آج کل تحصیل علم سے زیادہ غرض وہی ہوتی ہے جس سے حدیث میں ممانعت وارد ہو رہی ہے۔ ایسے لوگ بہت کم ہیں جن کی غرض محض رضا الٰہی ہو بلکہ اکثر کو تو جاہ مطلوب ہوتی ہے کیونکہ بہت لوگ علم دین پڑھتے ہیں مگر اپنی اصلاح نہیں کرتے اگر رضاء الٰہی ان کو مطلوب ہوتی تو عمل کا اہتمام ضرور ہوتا۔

علم حقیقی جو اخلاص اور خشیت کا نتیجہ ہوتا ہے اسکی شان ہی الگ ہے۔ اسکا حال اور اسکے حصول کا طریقہ حکیم الامتؒ بیان فرماتے ہیں: واللہ علم وہ جوہر ہے کہ اس میں خود ایسی لذت ہے جس کے سامنے سلطنت اور مال و دولت اور جاہ و عزت سب ہیچ ہے مگر ایسا علم محض کتاب خوانی سے میسر نہیں۔ محض کنز و ہدایہ پڑھ کے خدا تعالیٰ کو نہیں پا سکتے، یہ علم تو اس طرح حاصل ہوگا:

قال را بگذار مرد حال شو
پیش مرد کاملے پامال شو

(باتوں کو چھوڑو اہل محبت کا حال پیدا کرو اس حال کو پیدا کرنے کے لئے کسی شیخ کامل کے سامنے پامال ہو یعنی اس کو اپنا سب کچا چٹھا بتاؤ اور جو وہ کہے ویسا ہی کرو)۔

طلباء اور مدارس

حکیم الامتؒ کا موقف مدارس کے بارے میں یہ تھا کہ نااہل طلبہ کو علم دین پڑھا کر مسلمانوں کا مقتدا نہ بنا دیا جائے۔ فرماتے ہیں کہ:

میں تمام مدرسین اور مدارس کے مہتمم حضرات سے بالتجا عرض کرتا ہوں کہ للہ اس بات کا کچھ انتظام کیجئے کہ سب طلبہ کو ایک لاٹھی سے نہ ہانکا جائے اور سب کی تعلیم کو ضروری نہ سمجھا جائے بلکہ جس شخص کے اخلاق خراب ہوں اس کے اخلاق کی اصلاح کا اہتمام کیا جائے بات بات پر اس کو ٹوکا جائے اگر اصلاح کی امید نہ ہو تو مدرسہ سے علیحدہ کیا جائے۔ اسی طرح جس طالب علم کی طبیعت میں کجی معلوم ہو سلامتی سے محروم ہو اس کو بھی ہرگز پورا نصاب نہ پڑھایا جائے کیونکہ تکمیل نصاب کے بعد وہ خود بھی اور دوسرے لوگ بھی اس کو عالم و مقتدا سمجھیں گے اور ایسا شخص مقتدا ہو کر جو کچھ ستم ڈھائے گا ظاہر ہے پھر ان سب کا وبال ان مدرسین و مہتممین کے اوپر ہوگا کہ انہوں نے ایسے نااہلوں کو کیوں علم پڑھایا۔ میری رائے میں ایسے لوگوں کے لئے ایک مختصر نصاب اردو میں یا فارسی میں یا کسی قدر عربی میں مقرر کر لیا جائے جو ضروری مسائل و احکام کے جاننے کے لئے کافی ہو وہ نصاب پڑھا کر ان سے کہہ دیا جائے کہ جاؤ دنیا کا کوئی کام سیکھو اور کماؤ کھاؤ۔ مجھے حیرت ہے کہ بعض مدارس میں ایک ہزار بعض میں پانچ سو بعض میں سو دو سو طلبہ تعلیم پاتے ہیں کیا یہ لوگ سب کے سب مقتدا بننے کے اہل ہیں؟ یقیناً نہیں اور ہرگز نہیں پھر اہل مدارس سب کو مقتدا کیوں بنانا چاہتے ہیں؟

بخدا مسلمانوں پر زیادہ تباہی ان نااہل مولویوں کی وجہ سے بھی آئی ہے کہ ان لوگوں نے دین کو کھیل بنا لیا ہے جیسا موقع دیکھا ویسا فتویٰ دے دیتے ہیں حتیٰ کہ عوام کہنے لگے کہ بس جی دین تو مولویوں کے ہاتھ میں ہے جس چیز کو چاہیں حلال کر دیں اور جس کو چاہیں حرام۔ اس بدگمانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب انہوں نے علماء سے دریافت

کرنا ہی چھوڑ دیا جس کے جو جی میں آیا کرلیا خواہ حلال ہو یا حرام پھر اس صورت میں قہر خداوندی نازل ہونا ہی تھا۔اس لئے میں مکرر کہتا ہوں کہ اہل مدارس کو طلبہ کا انتخاب کرنا چاہئے اور ان میں جو اہل نظر آئیں انہی کو پوری تعلیم اور انہی کو سند فراغ دینی چاہیے مگر اب تو بلا یہ ہے کہ لوگوں کو انتساب کا شوق ہے کہ ہمارے یہاں سے اس سال اتنے آدمی فارغ ہوئے۔

حکیم الامتؒ منتخب طلباء کو علم دین پڑھانے اور غیر اہل کو مدارس سے نکال دیئے جانے کے بارے میں بہت مضبوط موقف رکھتے تھے۔ایک جگہ فرماتے ہیں:

جس شخص کو اپنی بات کی پچ کرنے (یعنی اپنی بات پر اڑنے) کا مرض ہو وہ ہرگز پڑھانے کے قابل نہیں اگر اس کے اس مرض کا علاج نہ کیا گیا اور اسی طرح سر آنکھوں پر بٹھالیا گیا تو اس میں ہمیشہ کے لئے یہ عادت پختہ ہو جائے گی کہ جو بات اس کے منہ سے نکلے گی اس کی پچ کیا کرے گا حق و ناحق کی ذرا پرواہ نہ کرے گا۔اور اس کا دین پر جو برا اثر پڑے گا وہ ظاہر ہے۔حکیم الامتؒ عالم کے لئے بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ اپنے اخلاق ٹھیک کرانے کے لئے کسی شیخ سے تزکیہ نفس کرائیں۔ایک وعظ میں فرماتے ہیں:

''مولوی اول تو اہل اللہ کے سامنے جاتے نہیں۔وہ سمجھتے ہیں کہ بس ہم عالم ہوگئے اب ہم کو کسی کی کیا ضرورت ہے اور اگر کبھی پیر کی تلاش کا خیال ہوگا اور کسی کے یہاں جاویں گے تو ایسی جگہ تلاش کریں گے جہاں ان کی قدر ہو اور مشائخ بھی علم کا ادب کر کے علماء کی قدر زیادہ کرتے ہیں۔اب یہ حضرت اس کے منتظر ہوتے ہیں کہ پیر صاحب مجھے خلافت عطا فرمادیں۔پھر غضب یہ ہے کہ بعضے پیر بھی آج کل ایسے ہیں جو یہ سمجھ کر کہ یہ عالم ہم سے وابستہ رہیں گے تو ان کی وجہ سے ہمارا سلسلہ بڑھے گا، ایسوں کو خلافت بھی دے دیتے ہیں۔خوب یاد رکھو کہ ایسے طالب بھی خائن ہیں اور ایسے پیر بھی خائن ہیں۔''

کیا فضیلت علم ہر شخص حاصل کرسکتا ہے؟

یہ بات ہر مسلمان کو علم دین کی رغبت دلانے والی ہے کہ علم دین کی جو فضیلت ہے وہ اس پر منحصر نہیں کہ کسی مدرسہ میں داخل ہو کر ہی علم دین حاصل کرے بلکہ ہر شخص یہ فضیلت حاصل کرسکتا ہے۔حکیم الامتؒ ہر مسلمان کو طلب علم کی رغبت حسب ذیل الفاظ میں دلاتے ہیں:

''تو طالب علم کے یہ معنی نہیں کہ وہ عربی پڑھیں۔یہ تو ان کے لئے ہے جو فارغ ہوں ورنہ یہی معمول رہا ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی اور تابعین کا بھی کہ ضرورت کے موافق پوچھتے اور اس پر عمل کرتے تھے تو عربی نہ پڑھنے والے یہ نہ سمجھیں کہ ہم کو طلب دین کی فضیلت نہیں ہوتی۔

حدیث میں ہے **ان الملئکۃ لتضع اجنحتھا رضا لطالب العلم** (بیشک فرشتے طالب علم کے مقصد سے خوش ہو کر اس کے لئے جھک جاتے ہیں) یعنی ان کے لئے جھک جاتے ہیں یہ معنی ہیں ضع کے اور یہ کہیں نظر سے نہیں گزرا کہ طالب علم کے پیر کے نیچے پر بچھا دیتے ہیں اگر انہی لفظوں سے یہ سمجھا ہے تو محل کلام اور اگر کوئی اور روایت ہے جو ہم تک نہیں پہنچی تو بسر و چشم۔

ان روایتوں کو سن کر اکثر لوگ دل شکستہ ہوتے ہیں کہ ہم کو یہ فضیلت حاصل نہیں مگر میں مطلع کرتا ہوں کہ کوئی دل شکستہ نہ ہو ہر شخص یہ فضیلت حاصل کرسکتا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ معاملات عقائد وغیرہ کا اہتمام کرے اور غور کرتا رہے اور جو نہ معلوم ہو پوچھتا رہے۔بس یہ طالب علم ہوگیا اور اسکے لئے وہی تعظیم ہوگئی۔ہاں جو مقتدا بن جائے وہ اس فضیلت کے ساتھ نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہوگا ورنہ فضیلت طلب ہر شخص کو حاصل ہوسکتی ہے تو یہ کیا کچھ کم دولت ہے پس میں عورتوں اور مردوں دونوں سے کہتا ہوں کہ طلب علم میں جو بے فکری ہے اس کو چھوڑ دو۔

مسلمان پر مصیبت کیوں آتی ہے؟

یہ عقیدہ مسلمانوں کو مضبوط کرنا چاہئے کہ ایسی تمام مصیبتیں جن سے ہمارے دل پریشان ہو جائیں وہ سب ہمارے اپنے اعمال کا وبال ہوتی ہیں ۔کلام پاک میں واضح اور صریح الفاظ میں حق تعالیٰ کا فرمان ہے ۔

وَمَا اَصَابَكُم مِنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُم وَيَعْفُو عَنْ كَثِير ۔

ترجمہ: اورتم پر جو بھی مصیبت آتی ہے وہ تمہارے اپنے ہی اعمال کی وجہ سے آتی ہے اور اکثر کوتو اللہ تعالیٰ خود ہی معاف فرما دیتے ہیں ۔

حق تعالیٰ کا یہ فرمان قیامت تک نافذ رہے گا ۔دنیا کی کوئی طاقت اس کو بدل نہیں سکتی ۔ ہمارے اپنے گناہ ہماری مصیبتوں کا سبب ہیں اور کوئی سبب نہیں ہوسکتا ۔ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں کہ:

”حق تعالیٰ ہماری ہر خطا پر مواخذہ نہیں فرماتے مگر جب ہم بہت ہی زیادہ گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں اس وقت مصائب کا نزول ہوتا ہے ۔تا کہ ہم کچھ اپنی حالت پر توجہ کریں ۔مگر ہم اتنے غافل ہیں کہ تنبیہ سے بھی متنبہ نہیں ہوتے اور جب مصیبت آتی ہے تو سوچتے ہیں کہ ہم سے ایسا کیا قصور ہو گیا ۔مگر حق تعالیٰ کے ارشاد سے صاف ظاہر ہے کہ یہ سب بلائیں ہمارے گناہوں کی ہی بدولت ہیں ۔

حتیٰ کہ خاص صحابہؓ کو بھی ارشاد ہے اَوَلَمَّا اَصَابَتْكُم مُّصِيبَةٌ قَدْ اَصَبْتُم مِّثْلَيْهَا قُلْتُم اَنّٰى هٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُم ۔

کیا جس وقت تم کو ایسی ایک مصیبت پہنچی کہ جس سے دو چند تم کفار کو پہنچا چکے ہو تو تم یوں کہنے لگے کہ یہ مصیبت کہاں سے آ گئی آپ ان سے کہہ دیجئے کہ یہ تمہارے ہی پاس سے آئی ہے ۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ مسلمان کی ایسی مثال ہے جیسے گیہوں وغیرہ کا درخت کہ اول اول کمزور ہوتا ہے پھر بڑھتا ہے تو باریک تنے پر کھڑا ہو جاتا ہے

ہواؤں کے جھونکوں سے کبھی گر بھی جاتا ہے پھر سیدھا ہو جاتا ہے اسی طرح مسلمان پر طرح طرح کے مصائب آتے رہتے ہیں جن سے ان کو تنبیہ ہوتی رہتی ہے تا کہ وہ توبہ استغفار کر کے سیدھا ہو جائے اور کافر کی مثال صنوبر جیسی ہے کہ وہ جب سے پیدا ہوتا ہے مضبوطی کے ساتھ سیدھا رہتا ہے یہاں تک کہ لمبا ہو جاتا ہے مگر جب کبھی گرتا ہے جو جڑ تک اکھڑ جاتی ہے پھر نہیں اٹھ سکتا اس طرح کافر کو دنیا میں مصائب کم پیش آتے ہیں پھر جب آتی ہے تو اوندھے منہ جہنم میں پہنچتا ہے ۔فرعون کو چار سو برس کی عمر میں ایک دن بھی درد سر نہیں ہوا مگر جب پکڑ آئی تو ایک دم سے شدید آئی ۔

اس سے ظاہر ہے کہ مسلمان پر مصیبت گر چہ کہ اس کے گناہوں کی وجہ سے آتی ہے مگر اسکا مقصد مسلمان کو اپنی اصلاح کی طرف توجہ دلانا ہوتا ہے ۔پس مصیبت کا علاج توبہ واستغفار اور ترک گناہ ہوا نہ کہ مصیبت میں پریشان ہو کر غیر شرعی تدبیریں اختیار کر کے اور اپنے گناہوں کو بڑھا لینا ۔اگر مصیبت پر مسلمان ذرا صبر سے کام لے اور حق تعالیٰ کو راضی کرنے کی تدبیر شروع کر دے تو بہت جلد مصیبت دور ہو جائیگی کیونکہ کلام پاک میں وعدہ ہے کہ ہم تمہیں آزمائینگے مگر تھوڑا سا ۔

غرض مصائب سے نجات چاہتے ہو تو ایک ذات سے تعلق پیدا کرو! یعنی حق تعالیٰ شانہ سے تعلق پیدا کرو! اس کے سوا سب سے نظر قطع کرو! کیونکہ راحت وکلفت سب اسی کے ہاتھ میں ہے اس کو راضی کرو! انشاءاللہ وہ تمام مصائب کا انتظام فرما دیں گے ۔کلام پاک میں یہ مضمون بہت صاف ہے کہ مصیبت کو وہی دور کرنے والا ہے:

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ (الآية)

ہاں! وہ کون ہے؟ جو کہ مضطر (پریشان حال) کی دعا قبول کرتا ہے اور مصیبت کو دور کرتا ہے؟

اسلام اور سلطنت

سلطنت کا حاصل کرنا یا اسلامی حکومت قائم کرنا یہ ایک دینی ضرورت ہے جسکی تحریک کی متعدد شرطیں ہیں ۔اور اسکے حصول کے لئے پہلا قدم خود اپنی اصلاح ہے۔ لیکن اسلامی حکومت یا سلطنت خود مقصود نہیں بلکہ شریعت پر عمل کرنا مقصود ہے حکیم الامتؒ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں کہ:

"جنکے دل میں اسلام اور احکام اسلام کی عظمت اور احترام تھا انہوں نے شریعت مقدسہ کے خلاف کرنا گوارا نہیں کیا اور اسکی بھی پرواہ نہیں کی کہ سلطنت جائے گی یا رہے گی ۔سلطان صلاح الدین نے جس وقت ملک شام کو فتح کیا ہے تو وزراء نے عرض کیا کہ یہ نصرانیوں کا ملک ہے نیا مفتوحہ ہے اس ملک کے لوگ نہایت سرکش اور سخت ہیں ۔اسلامی سیاسیات نرم ہیں اس لئے ضرورت ہے کہ علاوہ احکام اسلام کے اگر اور بھی کچھ قوانین اور قواعد نافذ کر دیے جائیں اُن پر قابو رکھنے کے لئے تو زیادہ مناسب ہے۔اس پر سلطان صلاح الدین نے جو جواب دیا ہے وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے ۔ کہتے ہیں کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ میں نے جو ملک فتح کیا ہے وہ حکومت اور سلطنت کرنے کے لئے کیا ہے؟ میں نے محض اللہ کو خوش کرنے کے لئے یہ سب سعی اور کوشش کی ہے احکام اسلام ہی کو نافذ کروں گا اس پر چاہے ملک رہے یا جائے میں ایک حکم کا بھی احکام اسلام کے خلاف نفاذ نہ کروں گا ۔اس واقعہ سے علماء اور لیڈر سبق حاصل کریں اور اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھیں ۔اُن حضرات کی کامیابی کے یہ راز تھے اور یہاں یہ حالت ہے کہ نہ ابھی کوئی ملک قبضہ میں ہے نہ آئندہ ملنے کے بظاہر کوئی اسباب نظر آتے ہیں مگر شریعت مقدسہ کی قطع و برید پہلے ہی سے شروع کر دی۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔"

ایک اور جگہ حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ اس ظاہری سلطنت کی شریعت کے احکام

کے سامنے کوئی حقیقت نہیں:

"خدا کی قسم جو شخص شریعت کے موافق چل رہا ہو وہ بادشاہ ہے گو ظاہر میں سلطنت نہ ہو۔اور جو شخص شریعت سے ہٹا ہوا ہو وہ پنجرہ میں مقید ہے گو ظاہر میں بادشاہ ہو مسلمان متبع شریعت کو چونکہ یقین ہے کہ میں سیدھے راستہ پر ہوں اسلئے اس کو ساری مصیبتیں سہل معلوم ہوتی ہیں کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ چند دن کی مصیبتیں ہیں پھر ختم ہو جائیں گی کفار کو یہ دولت نصیب نہیں کیونکہ ان کو اپنی نجات کا کسی صحیح دلیل سے یقین ہی نہیں اور باطل کا خاصہ یہی ہے کہ اسے اطمینان وسکون کبھی حاصل ہوتا ہی نہیں ہاں کوئی جہل مرکب میں مبتلا ہو تو اور بات ہے مگر اس کو بھی اہل حق کے برابر ہرگز اطمینان نصیب نہیں ہو سکتا چنانچہ مصائب کے وقت جس قدر استقلال اہل حق میں ہوتا ہے کسی جماعت میں نہیں ہوتا۔

صاحبو! راستہ تو یہ ہے کہ خدا کو راضی کرو احکام کا اتباع کرو شریعت میں گڑبڑ نہ کرو ان شاء اللہ تعالیٰ پھر کسی کی مجال نہیں کہ مسلمانوں کو نگاہ بھر کر بھی دیکھ سکے۔خدا کی قسم اگر ہم کو پاخانہ اٹھانا پڑے اور خدا ہم سے راضی ہو تو وہی ہمارے لئے سلطنت ہے اور اگر خدا راضی نہ ہو تو لعنت ہے ایسی سلطنت پر جو خدا کو ناراض کر کے حاصل کی جاوے یاد رکھو سلطنت کوئی تقرب الی اللہ کا سبب نہیں۔

بعض انبیاء علیہم السلام ایسے بھی ہوئے ہیں جن کو ساری عمر سلطنت نصیب نہیں ہوئی حدیث میں آیا ہے کہ ایک نبی کے ساتھ صرف ایک ہی آدمی ہوگا اور بعض کے ساتھ ایک بھی نہ ہوگا تو کیا سلطنت نہ ہونے سے ان انبیاء کے درجہ میں کوئی کمی آ گئی اگر محض سلطنت کوئی قرب کی چیز ہوتی تو فرعون بڑا مقرب ہونا چاہیے جس نے چار سو برس تک نہایت شان وشوکت کے ساتھ سلطنت کی تھی۔لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔واللہ! اس نبی کے مرتبہ کے سامنے جن کے ساتھ صرف ایک آدمی ہوگا یا ایک بھی نہ ہوگا سلطنت فرعون کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔"

عوام پر حکمرانوں کے حقوق

عہد حاضر میں مسلمان ملکوں میں حکمرانوں کی اصلاح کی فکر عوام الناس، سیاسی لیڈروں، علما اور مذہبی رہنماؤں سب ہی کو بہت بڑھ گئی ہے اور اکثر یہ بات موضوع گفتگو رہتی ہے اور اخبارات کا بڑا حصہ اس کی نذر رہتا ہے۔ حکمرانوں کی خامیاں اور عیب نکالے جاتے ہیں اور ہر خرابی کا ذمہ دار حکمرانوں کو ٹھیرایا جاتا ہے اور یہ کوئی نہیں سوچتا کہ کیا اسلام میں حکمرانوں کے بھی کچھ حقوق ہیں۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانو اپنے حکمرانوں کو بُرا نہ کہو اور خدا سے اُن کی بھلائی کی دعا مانگا کرو کیونکہ اُن کی بھلائی میں تمہاری بھلائی ہے۔ (طبرانی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بادشاہ روئے زمین پر خدا کا سایہ ہوتا ہے۔ خدا کے بندے جو مظلوم ہوں اس سایہ میں پناہ لیتے ہیں اگر وہ انصاف کرے اُس کو ثواب دیا جاتا ہے اور رعیت پر اُس کا شکر ادا کرنا واجب ہوتا ہے اور اگر وہ ظلم کرے یا خدا کی امانت میں خیانت کرے تو بار گناہ اُس پر ہے، رعیت کو صبر لازم ہے۔ (بیہقی۔ مشکوٰۃ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حاکم کے حکم کو سننا اور اطاعت کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے خواہ حکم پسند نہ آئے، جب تک حاکم کسی گناہ کا حکم نہ دے اور جب کسی گناہ کا حکم دے تو مسلمان پر اس کی اطاعت واجب نہیں۔ (بخاری ومسلم ومشکوٰۃ)

حضرت وائل بن حجر سلمہ بن یزیدؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اے خدا کے نبی آپ اس معاملہ میں کیا فرماتے ہیں کہ اگر ہم پر ایسے حاکم مسلط ہوں جو ہم سے اپنا حق مانگیں اور ہمارے حقوق سے انکار کردیں۔ آپ نے فرمایا کہ اُن کے احکام کو سنو اور ان کی اطاعت کرو اس لئے کہ اُن پر وہ بات فرض ہے جو انہوں نے

اپنے ذمہ لی ہے اور تم پر وہ چیز فرض ہے جو تم اٹھائی ہے۔

عیدین اور جمعہ کے خطبہ میں یہ حدیث شریف پڑھی جاتی ہے کہ سلطان کی اہانت نہ کرو۔ جس نے سلطان کی اہانت کی اس نے اللہ کی اہانت کی۔ مگر آج حکمرانوں اور حکومت کے افسروں وغیرہ کی غیبت اور اہانت کثرت سے کی جاتی ہے۔ منع کیا جائے تو جواب ملتا ہے کہ ہم ظالم کی غیبت کرتے ہیں۔ اول تو مستند ثبوت اور شرعی شہادت کے بغیر کسی کو ظالم کہنا صریح بہتان ہے جو غیبت سے کہیں زیادہ برا ہے اور بالفرض کسی کے ظلم کا شرعی ثبوت بھی غیبت کرنے والے کے پاس ہو تو بھی ملاحظہ فرمایئے کہ شریعت کا حکم اس بارے میں کیا ہے۔ حسب ذیل عبارت امام غزالیؒ کی ہے:

"مظلوم شخص ظالم کی شکایت اگر افسر اعلیٰ تک پہنچادے اور اپنے اوپر سے ظلم رفع کرنے کی نیت سے اس کے مظالم بیان کرے تو گناہ نہیں ہے۔ البتہ ظالم کے عیوب کا ایسے لوگوں سے بیان کرنا جنہیں اس کو سزا دینے یا مظلوم کے اوپر سے ظلم رفع کرنے کی طاقت نہ ہو بدستور غیبت میں داخل اور حرام ہے۔ ایک بزرگ کی مجلس میں حجاج بن یوسف کا ذکر آگیا تھا تو انہوں نے یوں فرمایا کہ حق تعالیٰ انصاف کے دن مظلوموں کا بدلہ حجاج سے لے گا اور حجاج کا بدلہ اس کی غیبت کرنے والوں سے لے گا۔ اس لئے بہتیرے آدمی حجاج کے مظالم ایسے آدمیوں کے سامنے بیان کرتے ہیں جن کو حجاج کے کئے ہوئے ظلم رفع کرنے کی طاقت نہیں ہے تو ایسے لوگوں کے سامنے حجاج کی غیبت کس طرح جائز ہوسکتی ہے۔"

حکمراں سے مقابلہ نہ کرو:

حکیم الامتؒ کی کتاب حیوٰۃ المسلمین میں صرف ایک مضمون ہی ایسا ہے جو دو جگہ بیان کیا گیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ حکام سے مقابلہ نہ کرو۔ وہ حسب ذیل ہے:

"اگر کسی مخالف کی طرف سے بھی کوئی شورش ظاہر ہے تو حکام کے ذریعے سے اس کی مدافعت کرو خواہ وہ خود انتظام کردیں خواہ تم کو انتقام کی اجازت دے دیں۔ اور اگر خود حکام ہی کی طرف سے کوئی ناگوار واقعہ پیش آئے تو تہذیب سے اپنی تکالیف کی

عورتوں کا گھر سے باہر نکلنا

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ. (الآیۃ) (اے نبی ﷺ کی بیبیو) اور تم اپنے گھروں میں قرار پکڑے رہو۔ تمام صحابہ کرامؓ، تمام ائمہؒ اور تمام سلف صالحین کا متفقہ فیصلہ ۱۴۰۰ سال سے ہے کہ اس آیت میں خطاب گو ازواج مطہراتؓ کو خاص ہے مگر یہ حکم تمام عورتوں کے لئے عام ہے۔ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمہ اللہ نے کتاب اسوۂ رسول اکرم ﷺ میں حسب ذیل حدیث شریف نقل کی ہے: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ عورتوں کے لئے (گھر سے) باہر نکلنے میں کوئی حصہ نہیں مگر بحالت اضطراری و مجبوری۔ اور حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بہشتی زیور میں لکھتے ہیں: عورتوں کو اپنے گھر سے نکلنا اور کہیں آنا جانا بوجہ بہت سی خرابیوں کے، کسی طرح درست نہیں۔

اب اس فتنے کے وقت میں جب ہر طرف سے ایمان کی آزمائش ہے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ گناہ کو حلال سمجھنے سے ایمان جاتا رہتا ہے۔ عافیت اور ایمان کی حفاظت اسی میں ہے کہ عورتوں کے گھر سے بلا ضرورت شرعی نکلنے کو گناہ ہی سمجھا جائے۔

حکیم الامتؒ نے شادی وغیرہ کی تقاریب میں عورتوں کے جمع ہوجانے کو ناجائز قرار دیا ہے۔ بہشتی زیور سے تقریبوں میں عورتوں کے جانے اور جمع ہونے کا بیان نقل کیا جاتا ہے۔

"برادری کی عورتیں کئی تقریبوں میں جمع ہوتی ہیں یہ سب ناجائز ہیں۔ تقریبوں کے علاوہ یوں بھی جب کبھی جی چاہا کہ فلانی کو بہت دن ہوئے نہیں دیکھا بس جھٹ ڈولی منگائی اور روانہ ہوگئیں یا کوئی بیمار ہوا اُسکو دیکھنے گئیں۔ کہیں کوئی خوشی ہوئی وہاں مبارکباد دینے جا پہنچیں۔ بعض ایسی آزاد ہوتی ہیں کہ بے ڈولی منگائے بھی رات کو چل دیتی ہیں بس رات ہوئی اور سیر کی سوجھی۔ یہ تو اور بھی بُرا ہے۔ اور اگر چاندنی

رات ہوئی تو اور بھی بے حیائی ہے غرضیکہ عورتوں کو اپنے گھر سے نکلنا اور کہیں جانا آنا بوجہ بہت سی خرابیوں کے کسی طرح درست نہیں۔ بس اتنی اجازت ہے کہ کبھی کبھی اپنے ماں باپ کو دیکھنے چلی جایا کریں اسی طرح ماں باپ کے سوا اور اپنے محرم رشتہ داروں کو دیکھنے جانا بھی درست ہے مگر سال بھر میں فقط ایک آدھ دفعہ۔ بس اس کے سوا اور کہیں بے احتیاطی سے جانا جس طرح دستور ہے، جائز نہیں، نہ رشتہ دار کے یہاں نہ کسی اور کے یہاں، نہ بیاہ شادی میں نہ غمی میں نہ بیمار پرسی میں نہ مبارکباد دینے کو نہ بری برات کے موقع پر بلکہ بیاہ برات وغیرہ میں جب کسی تقریب کی وجہ سے محفل اور مجمع ہو تو اپنے محرم رشتہ دار کے گھر جانا بھی درست نہیں اگر شوہر کی اجازت سے گئی تو وہ بھی گنہگار ہوا اور یہ بھی گنہگار ہوئی۔ افسوس کہ اس حکم پر ہندوستان بھر میں کہیں عمل نہیں بلکہ اس کو تو ناجائز ہی نہیں سمجھتے بلکہ جائز خیال کر رکھا ہے حالانکہ اسی کی بدولت یہ ساری خرابیاں ہیں۔ غرضیکہ اب معلوم ہوجانے کے بعد بالکل چھوڑ دینا چاہئے اور توبہ کرنا چاہئے۔"

حکیم الامتؒ نے لڑکیوں کے گھر سے نکل کر دینی تعلیم کے لئے کہیں جمع ہونے کو بھی منع فرمایا ہے۔ تعلیم البنات کے مروجہ طریقہ میں جس میں طالبات کو مدارس البنات میں دینی تعلیم دے کر عالمہ کی ڈگری دی جاتی ہے اسقدر مفاسد ہیں کہ اس کو ترک کرنا ضروری ہے۔ عورتوں کو غیر واجب دینی تعلیم کے لئے بھی گھروں سے نکلنا اور ایک جگہ جمع ہونا جائز نہیں۔ اور اس مقصد کے لئے ہوسٹلوں میں رہنا تو اور بھی بُرا ہے۔ بھلا ڈگری حاصل کرنا کون سا شرعی واجب ہے؟

عورت کے چہرہ کا پردہ

عورت کا چہرہ نامحرم کے سامنے کھلنے میں جو فتنہ ہے اس سے کون واقف نہیں۔ اس لئے حق تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کو نامحرم سے چہرہ چھپانے کا حکم فرمایا ہے۔ <u>یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ</u> (الآیۃ) یعنی چہروں کے اوپر (عورتیں) اپنی چادروں کو لٹکا لیا کریں۔ اس آیت کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ کا یہ ارشاد تفسیر ابن کثیر میں نقل کیا گیا ہے: 'اللہ تعالیٰ نے مومنین کی عورتوں کو حکم دیا ہے کہ جب کسی مجبوری سے اپنے گھروں سے نکلیں تو سروں کے اوپر جو چادریں اوڑھ رکھی ہیں ان سے چہرہ کو ڈھانک لیں بصرف ایک آنکھ ظاہر ہو۔'

اس کے علاوہ کلام پاک میں اور متعدد احادیث شریفہ میں مردوں اور عورتوں دونوں کو واضح اور صریح حکم ہے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں۔ نامحرم کا چہرہ دیکھنا حرام ہے۔ حضور ﷺ نے نابینا صحابیؓ سے بھی ازواج مطہراتؓ کو پردہ کرایا اور عورت کے لئے شوہر کے بھائی کو موت قرار دیا ہے۔ خالہ زاد چچا زاد وغیرہ سے پردہ فرض ہے اور اس کو معیوب سمجھنا کفر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ عورت چھپا کر رکھنے کی چیز ہے۔

حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ کوئی غیور آدمی گوارا نہیں کرسکتا کہ اس کی بیوی کو تمام مخلوق کھلے منہ دیکھے۔ عارف باللہ حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحبؒ کو ایک لڑکی نے اپنی اصلاح کے لئے خط میں لکھا کہ: ہوائی جہاز کے سفر میں آنکھ کھول لیا کروں تا کہ صاف نظر آئے؟ حضرتؒ نے جواب تحریر فرمایا کہ: 'نامحرم کے سامنے آنکھ کھولنے سے آنکھ کی حیاء جاتی رہتی ہے۔' عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ بے پردگی اور بے حیائی کے بارے میں فرماتے ہیں: 'اس کا وبال بھی گھر گھر دیکھ رہے ہو، نہ چین ہے نہ سکون ہے، نہ امن ہے نہ عافیت، طرح طرح کے مصائب، نئی نئی مشکلات پریشانیاں،

بیماریاں، الامان الحفیظ۔'

لیکن افسوس اب دیندار طبقہ بھی بے پردگی میں مبتلاء ہے اور بے پردگی کے فروغ پر ان کی طرف سے آنکھیں بند کی جارہی ہیں۔ دیندار حضرات سمجھ لیں کہ ان کی ڈھیل سے بے پردگی کے گناہ کو لوگ ہلکا سمجھنے لگتے ہیں، پھر اس گناہ کی نفرت دل سے نکل جاتی ہے اور بالآخر لوگ گناہ کو حلال سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ گناہ کو حلال سمجھنے سے ایمان جاتا رہتا ہے، تمام اعمال حبط ہوجاتے ہیں اور شادی شدہ حضرات کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔

صاحبو! ہمت کر کے اس گناہ کو چھوڑو تا کہ اس کے وبال سے بچ جاؤ۔ یا کم سے کم اتنا تو کرو کہ اسے گناہ ہی سمجھو اور استغفار کرو تا کہ ایمان بچ جائے۔ اور اے میرے وہ دوستو! جو اللہ کی محبت کو دل میں بسانا چاہتے ہو اور وہ تعلق مع اللہ چاہتے ہو جو اسلام کا نچوڑ ہے اور زندگی کی مٹھاس ہے، تو منجملہ دوسرے احکام شرعیہ کے شرعی پردہ کا بھی اہتمام کرو۔ اور نامحرم پر نظر سے سخت احتیاط کرو۔

عورتوں پر ظلم

شریف دیندار لڑکیاں اکثر شادی کے بعد شوہر اور سسرال والوں کے ظلم کا شکار رہتی ہیں اور بیچاری اتنی مجبور ہوتی ہیں کہ ان کے پاس اس ظلم سے نجات پانے کا کوئی طریقہ نہیں ہوتا۔ کسی سے شکایت بھی نہیں کرسکتیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ بظاہر مہذب اور دیندار شوہر بھی کثرت سے اس میں مبتلاء ہیں۔ اس لئے چند بنیادی باتیں عرض کردی جاتی ہیں تاکہ بیوی پر ظلم کے گناہ اور اس کے وبال سے بچ سکیں۔

کلام پاک میں بیوی کو لباس کہا گیا ہے یعنی بیوی راحت کا ذریعہ ہے اور ایسی قریب ہے جیسے لباس۔ چونکہ جو جتنا قریب ہوا تنا ہی اس کا حق بھی زیادہ ہوتا ہے اس لئے بیوی کا شوہر پر بڑا حق ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم میں بہتر وہ ہے جو اپنی عورتوں کے لئے بہتر ہو اور میں تم سب سے زیادہ اس معاملہ میں بہتر ہوں۔ سمجھ لیں کہ قرآن اور حدیث کی رو سے شوہر کے لئے بیوی کا شرعی مقام "بہترین دوست" کا ہے۔ اس لئے شوہر کو اپنی بیوی سے ایسے سلوک کا حکم ہے جو ساتھ رہنے والے ایک بہترین دوست سے کیا جاتا ہے۔ اسکی دلجوئی اور اس کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آنا اسکا حق ہے۔ حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ "بیوی کا صرف یہی حق نہیں کہ اس کو صرف کھانا کپڑا دے دیا بلکہ اس کی دلجوئی بھی ضروری ہے۔ دیکھیے فقہاء نے بیوی کی دلجوئی کو یہاں تک ضروری سمجھا کہ اس کی دلجوئی کے لئے جھوٹ بولنا بھی جائز فرمادیا۔ اس سے کتنی بڑی تاکید اس امر کی ثابت ہوتی ہے۔ یہاں سے بیوی کے حق کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس کی دلجوئی کے لئے خدا نے بھی اپنا ایک حق معاف کردیا ہے۔"

حکیم الامتؒ اپنے ایک وعظ الظلم میں فرماتے ہیں کہ: "اپنے اہل کے ساتھ بہت دلجوئی اور اچھے برتاؤ سے رہیں۔ اس سے ہنستا بولتا رہے اور کسی طرح کا اس پر ظلم نہ کرے اور خدا سے ڈرتا رہے۔ خدا تعالیٰ کو اس پر قدرت ہے کہ کسی وبال میں مبتلاء

فرمادیں۔" حکیم الامتؒ نے ایک جگہ فرمایا ہے کہ "لوگ اہل وعیال کے حقوق کی بالکل پرواہ نہیں کرتے۔ حکومت کرنا جانتے ہیں یہ خیال نہیں کرتے کہ جن پر حکومت کرتے ہیں ان محکوموں کا بھی کوئی حق ہمارے ذمہ ہے یا نہیں ہے۔"

اچھے سلوک کے علاوہ بیوی کے مادی اور مالی حقوق بھی شوہر پر واجب ہیں۔ ان میں ایک بہت بنیادی حق بیوی کا یہ ہے کہ شوہر اسکو رہنے کو ایسا گھر دے جس میں میاں، بیوی بالکل بے تکلفی سے رہ سکیں اور اس میں شوہر کے کسی رشتہ دار کا کوئی دخل نہ ہو۔ آجکل اس حق کو ادا کرنے کی طرف شوہر توجہ نہیں دیتے جس کی وجہ سے زندگی بے لطف ہو جاتی ہے۔ بلکہ شادی کے پہلے ہی دن سے بیوی کا یہ حق پامال کرکے اس کی جائز آزادی سلب کرکے ایک ظلم کا آغاز کیا جاتا ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ جب تک بیوی از خود دل کی خوشی کے ساتھ شوہر کے ماں باپ یا کسی اور رشتہ دار کے ساتھ مشترکہ طور سے رہنے کو تیار نہ ہو، اس کو اس پر مجبور کرنا ظلم ہے۔

حکیم الامتؒ بیوی کے اس حق کی تاکید کرکے فرماتے ہیں کہ: "اگر بیوی الگ رہنا چاہے تو الگ رہنا اس کا حق ضروری ہے بلکہ اس زمانے میں تو اس میں مصلحت ہے کہ الگ رہیں۔ شامل رہنے میں بہت فساد ہیں۔"

بیوی کے حقوق کے سلسلہ میں حکیم الامتؒ کا یہ ملفوظ یاد رکھنے کے قابل ہے: "میں فتویٰ تو نہیں دیتا لیکن مشورہ ضرور دونگا کہ گھر کا انتظام بیوی کے ہاتھ میں رکھنا چاہیے یا خود اپنے ہاتھ میں۔ اوروں کے ہاتھ میں نہیں ہونا چاہیے۔ چاہے وہ بھائی ہو یا بہن ہو یا ماں باپ ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے بیوی کی بڑی دل شکنی ہوتی ہے۔ یا تو خاوند خود اپنے ہاتھ میں خرچ رکھے ورنہ اور رشتہ داروں میں سب سے زیادہ مستحق وہی ہے۔"

کسبِ معاش

دینداری کا شوق رکھنے والوں کی ایک بڑی غلطی اکثر یہ دیکھنے میں آتی ہے کہ کسبِ معاش کی اہمیت دل سے ان کے نکل جاتی ہے بلکہ بعض تو اسے گویا گناہ ہی سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ جاننا چاہئے کہ اپنے لئے اور اپنے اہل وعیال کے لئے رزق حلال کی کوشش فرض عبادت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرض قرار دیا ہے تو یہ قیامت تک کے لئے فرض عبادت میں شمار ہوگا اور اس سے تساہل کرنے والا گناہگار ہوگا۔

حکیم الامتؒ جنہوں نے دین اسلام کی حقیقت کو قرآن وسنت کے عین مطابق لوگوں تک پہنچایا، اپنی کتاب حیات المسلمین میں ''آمدنی اور خرچ کا انتظام کرنا'' کے عنوان کے تحت کسبِ معاش کے فضائل کی احادیث جمع کی ہیں۔ ان میں سے بعض احادیث یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

☆ حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال کمائی کی تلاش کرنا فرض ہے بعد فرض (عبادت) کے۔ (بیہقی)

☆ حضرت عمروؓ بن العاص سے (ایک لمبی حدیث) میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا مال اچھے آدمی کے لئے اچھی چیز ہے۔ (احمد)

☆ حضرت مقدامؓ بن معد یکرب سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اس میں صرف اشرفی اور روپیہ ہی کام دے گا۔

☆ حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچ بولنے والا، امانت والا تاجر (قیامت میں) پیغمبروں اور ولیوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔

ان احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ کسبِ معاش کو کسی طرح دین کے خلاف سمجھنا غلط ہے۔

ایک طالب حق نے اپنی حالت دین کو ازحد خراب اس بناء پر سمجھ لیا تھا کہ ان کو ہر وقت اٹھتے بیٹھتے اولاد کی معاش کی فکر تھی انہوں نے حکیم الامتؒ کو خط میں اپنی حالت لکھی اور یہ لکھا کہ میرا قلب تاریک ہوگیا ہے، حالت میری بد سے بدتر ہوگئی، سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے تو حکیم الامتؒ نے ان کی تسلی اور اشکالات کے حل کے لئے متعدد باتیں تحریر فرمائیں اور یہ بھی لکھا کہ ''اولاد کے مصالح وفلاح کا اہتمام طاعت اور اُن کا حق مامور بہ ہے تو مامور بہ کا استحضار سوء خاتمہ کا سبب کیسے ہوسکتا ہے۔ البتہ ان کی ایسی محبت کہ اس میں دین کی بھی پرواہ نہ رہے اور اس محبت میں معصیت کا بھی بے تکلف ارتکاب کرلیا جائے یا احکام ضروریہ میں خلل ہونے لگے یہ ہے غیر اللہ کی محبت مذمومہ''۔

حکیم الامتؒ کے ایک مرید نے جن کو اپنے نفس کی اصلاح کی فکر تھی اور اس غرض سے اپنے شیخ کی خدمت میں کچھ وقت گزارنا چاہتے تھے، حسب ذیل مضمون لکھ کر حکیم الامت کو بھیجا:

''ادھر تو تھانہ بھون کی حاضری کو بے حد دل چاہتا رہتا ہے دوسری طرف اپنی تن پروری، نفس پرستی، فکر معاش نے بھی گل کھلانے میں کچھ کمی نہیں کررکھی''۔

حکیم الامتؒ نے جواب تحریر فرمایا:

''اور ثواب میں بھی کچھ کمی نہیں کیونکہ عیال کے لئے کسب معاش طاعت ہے''۔

اسی طرح حسب ذیل سوال اور حکیم الامت کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

''والدہ صاحبہ نے بوقت انتقال وصیت فرمائی کہ دنیوی کاروبار چھوڑ کر فقیری اختیار کرلینا۔ آخرت جو مقصود ہے اسی کو کوشش سے حاصل کرو دنیا کو چھوڑو۔ اب میں حیرانی میں ہوں کہ کیا کاروبار مطب کا چھوڑ دوں؟''

حکیم الامتؒ نے جواب تحریر فرمایا جو آنکھیں کھول دینے والا ہے:

''کسب حلال کو حدیث میں فرض فرمایا ہے جو احکام دین میں سب سے اہم واعظم قسم ہے ورنہ کیا اکل وشرب (کھانے پینے) کو بھی دنیا سمجھ کر ترک کیا جاوے گا اور کیا یہ ترک معصیت نہ ہوگا''۔

خودپسندی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِذۡ اَعۡجَبَتۡکُمۡ کَثۡرَتُکُمۡ فَلَمۡ تُغۡنِ عَنۡکُمۡ شَیۡئًا ۔ (الآیۃ) (جبکہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت پسند آئی پھر وہ کثرت تمہارے لئے کچھ کارآمد نہ ہوئی)۔

آیت بالا میں غزوۂ حنین کے موقع پر بعض صحابہؓ کے کثرت تعداد کے عُجب آمیز قول پر تنبیہ ہے۔ حق تعالیٰ نے عُجب کو حرام قرار دیا ہے۔ اسی کو اترانا یا خودپسندی کہتے ہیں۔ سردار دوعالم رسول اکرم ﷺ نے ہلاک کرنے والی چیزوں میں عجب کو سب سے زیادہ مہلک فرمایا ہے۔ سردار دوعالم رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”رہے مہلکات سو وہ خواہش ہے جس کی پیروی کی جائے اور بخل ہے جس کے موافق عمل کیا جائے اور آدمی کا اپنے آپ کو اچھا سمجھنا سب سے بڑھ کر ہے۔“

تمام صحابہؓ نے اور تمام اولیاءؒ نے عُجب سے اپنے کو کوسوں دور رکھا ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک نیا کپڑا پہنا۔ وہ اچھا لگا تو بدل کر دوسرا پہن لیا اور اس کو خیرات کردیا۔ حضرت علیؓ نے نیا کرتہ پہنا۔ وہ اچھا لگا تو ایک آستین کاٹ کر خراب کردی۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ تباہی دو چیزوں میں ہے خودپسندی میں اور ناامیدی میں۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ خودپسندی سے بہت آفتیں پیدا ہوتی ہیں۔

حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بہشتی زیور میں تحریر فرماتے ہیں کہ ”حدیث میں آیا ہے کہ یہ خصلت دین کو برباد کردیتی ہے اور یہ بھی بات ہے کہ ایسا آدمی اپنے سنوارنے (یعنی اپنی اصلاح) کی فکر نہیں کرتا کیونکہ جب وہ اپنے آپ کو اچھا سمجھتا ہے تو اس کو اپنی برائیاں کبھی نظر نہ آئیں گی۔ علاج اس کا یہ ہے کہ اپنے عیبوں کو سوچا اور دیکھا کرے اور یہ سمجھے کہ جو باتیں میرے اندر اچھی ہیں یہ

خدا تعالیٰ کی نعمت ہے میرا کوئی کمال نہیں۔ اور یہ سوچ کر اللہ تعالیٰ کا شکر کیا کرے اور دعاء کیا کرے کہ اے اللہ اس نعمت کا زوال نہ ہو۔“ حکیم الامتؒ کے خلیفہ خاص مفتی محمد حسن صاحبؒ سے پوچھا گیا کہ عُجب سے دور رہنے کے لئے کوئی گُر ارشاد فرمادیں۔

ارشاد فرمایا کہ عُجب کے وبال کو ”کہ یہ عذاب الٰہی کا ذریعہ ہے“ یاد رکھو۔

حب جاہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمِ. (الآية)

(اور خاص اللہ تعالیٰ ہی کے لئے بزرگی ہے تمام آسمانوں اور زمین میں اور وہ غالب ہیں حکمت والے ہیں۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا.

(سعادت آخرت ان کے واسطے ہم نے مقرر کی ہے جو دنیا میں بزرگی کا ارادہ نہ کرے اور نہ فساد کا)

آیات بالا سے واضح ہے کہ بزرگی اور عظمت تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم حق تعالیٰ کا نام بلند کریں نہ کہ اپنا۔ اپنا نام بلند کروانا اور لوگوں کے دلوں میں اپنی بڑائی جمانے کی کوشش کرنا نفس کی ایک شدید بیماری ہے۔ اس بیماری کا نام حب جاہ ہے۔ حب جاہ کے تقاضے پر عمل کرنا صریح گناہ کبیرہ ہے مگر بہت لوگ اس بات کو نہیں جانتے بلکہ الٹا اس کو ایک اچھی صفت شمار کرتے ہیں۔ اس مرض میں دنیا دار اور ظاہری دیندار صوفیاء وعلماء سب ہی مبتلا ہیں۔ دنیا دار اپنے لباس، وضع قطع، رہن سہن، ساز وسامان اور تقاریب میں اسراف کر کے یا گفتگو سے اپنی معلومات، دولت، نسب پیشہ اور تعلقات وغیرہ ظاہر کر کے اپنی شان بڑھاتے ہیں اور دیندار اپنی پارسائی اور خدمت دینی کو مشہور کر کے یا اپنے معتقدین پر اپنے علم، کتب بینی، عبادت تقویٰ وکشف والہام اور اپنے دعویٰ محبت اور مقامات سلوک کی طرف توجہ دلا کر کے اپنے بزرگی کا سکہ بٹھاتے ہیں۔

اتنی نہ بڑھا پاکی داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

حدیث قدسی میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عظمت میری تہد ہے اور بزرگی میری چادر ہے جوان دونوں میں سے مجھ سے چھینے گا میں اس کی گردن توڑ دوں گا۔ (اوکما قال ﷺ)۔ اس حدیث شریف سے ظاہر ہے کہ حب جاہ کتنی خطرناک چیز ہے۔ سردار دو عالم رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جاہ ومال کی محبت دل میں نفاق کو اس طرح اگاتی ہے جس طرح پانی سبزے کو اگاتا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ دو بھوکے بھیڑیے بکریوں کے ریوڑ میں ایسے تباہی نہیں ڈالتے جیسی جاہ ومال کی محبت مرد مومن کے دل میں تباہی ڈالتی ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ بہت لوگ جاہ وحشمت اور نیک نامی کی طلب میں ہلاک ہوئے ہیں۔ اسی سبب بہت سے جھگڑوں عداوتوں اور گناہوں میں پڑے ہیں جہاں حب جاہ غالب ہوئی بس راہ دین منقطع ہوگئی اور نفاق اور برے اخلاق سے دل بھر گیا۔ اور اللہ کی محبت دل سے تشریف لے گئی۔

حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس ننگ وناموس کے پیچھے بہت سوں کا بیڑا ہی غرق ہوگیا۔ دین اور ایمان تک سے محرومی ہوگئی۔ یہ (حب جاہ) کمبخت ایسے ہی خسران اور ٹوٹے کی چیز ہے۔ اس کی بدولت دین اور دنیا دونوں خراب ہوجاتے ہیں۔ ہاں عشق اور محبت بے شک ایسی چیز ہے کہ ننگ وناموس کو فنا کردیتی ہے۔ اگر حق تعالیٰ کی محبت پیدا ہوجائے تو سب بالائے طاق رکھا رہتا ہے اور اس محبت کے پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اہل محبت کی صحبت اختیار کرے انکی تعلیم پر عمل کرے۔

حقوق اللہ کی بنیاد: شکر

حقوق اللہ میں ایک بنیادی حق شکر ہے۔شکر ایک باطنی عمل ہے اور فرض ہے۔

حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نعمت پر فخر کرنا کبر ہے اور اس کو عطائے حق سمجھنا اور نا اہلی کو مستحضر رکھنا شکر ہے۔یعنی نعمت کا خیال آنے پر اپنے قصد و اختیار سے حسب ذیل دو باتیں سوچی جائیں:

۱۔ نعمت دینے والا اللہ ہے۔اس میں کوئی شریک نہیں ہے۔جس قدر اسباب اور واسطے اس نعمت کے ہم تک پہنچنے میں پیش آئے ہیں وہ سب اللہ پاک ہی کے قبضہ میں ہیں۔

۲۔ یہ نعمت بلا استحقاق ہے یعنی میں نا اہل ہوں پھر بھی حق تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ یہ نعمت مجھ کو دی گئی ہے۔

شکر کے باطنی عمل کو اگر واقعی اس طرح کی بالقصد سوچ سے کیا جائے تو اس سے بقول امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ دو باتیں پیدا ہوں گی، ایک منعم (یعنی نعمت دینے والے) سے خوش ہونا اور دوسرے اس کی خدمت گزاری اور امتثال امر میں سرگرمی کرنا۔یعنی بندہ اپنے رب سے خوش ہو جائے گا اور حق تعالیٰ کی اطاعت کی فکر میں لگ جائے گا۔ یہ حال از خود اوپر دی ہوئی دو باتیں بار بار سوچنے سے پیدا ہو جائے گا۔اور سوچنا بالکل آسان ہے۔اور سوچنے میں بندہ کا ذرا سا بھی کوئی ضرر نہیں ہے۔کیا ایسا سوچنے سے پیٹ میں درد اٹھ جائے گا؟ یا تنخواہ کم ہو جائے گی؟ کچھ بھی تو نہیں ہوگا۔پس شکر بالکل آسان ہے۔یہی وہ شکر ہے جس پر حق تعالیٰ کا وعدہ ہے:

لَئِنْ شَکَرْتُم لَاَزِیْدَنَّکُم

(اگر تم شکر کرو گے تو ہم اور زیادہ دیں گے)

شکر اگر اپنی حقیقت کے لحاظ سے کسی کو نصیب ہو یعنی قصداً اپنے نا اہل و غیر مستحق

ہونے کو سوچنا نصیب ہو تو یہ ایک عظیم الشان عبادت باطنی ہے۔حضرت عارف باللہ جناب ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمۃ اللہ علیہ شکر کے بارے میں کتاب ''معمولات یومیہ مختصر نصاب اصلاح نفس'' میں فرماتے ہیں کہ ''اس سے درجات میں جو ترقی ہوتی ہے اسکا آپ اندازہ بھی نہیں کر سکتے''۔اور اس کے حسب ذیل فوائد تحریر فرماتے ہیں:

''یہ وہ عمل ہے کہ دین کے ہر شعبہ میں منجانب اللہ اس کا مطالبہ ہے اور ازدیاد برکات کا وعدہ ہے جسکی کوئی انتہا نہیں۔اس عمل سے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے اور تعلق مع اللہ قوی ہوتا ہے۔اپنی حالت میں قناعت کی لذت محسوس ہوتی ہے اور زندگی پر عافیت ہو جاتی ہے۔یہ بھی اس عمل کی برکت ہے کہ شکر گزار آدمی سے گناہ بہت کم صادر ہوتے ہیں اور تکبر و حسد، حرص و ہوس اور اسراف و بخل وغیرہ کے مہلک امراض سے نجات رہتی ہے۔'' گویا بندہ جب شکر کر کے حق تعالیٰ کا حق ادا کرتا ہے تو اس پر نعمتوں کی بارش منجانب اللہ ہونے لگتی ہے۔

باب ۹

مجالس احباب

(حصہ اوّل)

یہ بزم مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
اٹھالے خود جو بڑھ کر ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

اپنے احباب کے ساتھ ہفتہ وار مجلس میں یہ ناکارہ کسی بھی ایسے موضوع پر جو اپنے رذائل کی اصلاح کے لئے مفید ہو مختلف کتابوں سے منتخب شدہ مضامین پڑھ کر سناتا ہے۔ ساتھ ہی بزرگوں سے سنی ہوئی باتیں اور اپنے تجربات بھی عرض کرتا ہے۔ اکثر و بیشتر ملفوظات و مواعظ حکیم الامتؒ، کتاب کیمیائے سعادت اور کتاب تبلیغ دین کے مضامین پڑھ کر سنانے کی توفیق ہوتی ہے۔ ان مجالس میں جو عرض کیا گیا ان میں سے بعض کو محفوظ کر کے تحریری شکل میں لے آیا گیا۔ پھر اضافے اور تبدیلیاں اور تصحیح کر کے یہاں اس باب میں پیش خدمت ہے۔ حق تعالیٰ اس سعی کو ہم سب کے لئے نافع بنائے۔

۱۔ نفس کیا ہے اور اس پر قابو کیسے ہو؟

خطبۂ ماثورہ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ﴿۷﴾ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ﴿۸﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ﴿۹﴾ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ﴿۱۰﴾ . (سورۃ الشمس آیت ۷-۱۰)

اور قسم ہے نفس کی اور اس (ذات) کی جس نے اس کو درست فرمایا ہے پھر اس کی بدکرداری اور پرہیز گاری (دونوں باتوں) کا القاء کیا۔ یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے اس (نفس) کو پاک کرلیا اور نامراد ہوا جس نے اس کو فجور میں دبا دیا۔

انسان دو چیزوں سے بنا ہے ایک تو ظاہری جسم ہے سماعت ہے بصارت ہے گویائی ہے اور یہ ساری چیزیں ظاہری ہیں اور ایک اس کا نفس ہے، باطن ہے۔ اسی کو دل کہتے ہیں کبھی کوئی عنوان ہے اور کبھی کوئی۔ بات ایک ہی ہے۔ اس نفس کو جو پہچان لے گا وہی حق تعالیٰ کو پہچان سکتا ہے۔ جو نفس کو ہی نہیں جانتا تو حق تعالیٰ کو کیا پہچانے گا۔ **مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ**۔ جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔ اب جس کو حق تعالیٰ سے محبت ہوگی یا حق تعالیٰ کی محبت کا شوق ہوگا وہ چاہے گا کہ حق تعالیٰ کو میں جان لوں جس کی محبت ہوگی آپ اس کو غور سے دیکھنا چاہیں گے جاننا چاہیں گے قریب اس کے ہونا چاہیں گے اور قرب ہوتا ہے معرفت سے اور معرفت اللہ کی اس وقت نصیب ہوسکتی ہے جب اپنے نفس کی معرفت حاصل ہو اور نفس کا پتہ ہو کہ یہ ہے کیا اور اسکی کیا خصوصیات ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا ہم اپنے نفس کو پہچانتے ہیں؟ کلام پاک میں ہے: ﴿**سَنُرِيْهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ**﴾ یعنی ہم دنیا میں

اوران کی ذاتوں میں یعنی نفوس میں اپنی نشانیاں ان کو دکھا دیں گے، یہاں تک کہ حقیقت حق ان پر ظاہر ہو جائے۔ یہ جونشانیاں ہیں خود ہمارے نفس کے اندر ہیں ان کو پہچاننے سے حقیقت ظاہر ہو جائے گی حق ظاہر ہو جائے گا بیّن ہو جائے گا۔ حق بین ہونے کی علامت یہی ہے کہ اپنا نفس کھل کر سامنے آ جائے گا۔ ہم تو اپنے نفس کو بڑا ہی پاک سمجھے ہوئے ہیں۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے عزیز کل کائنات میں کوئی چیز تجھ سے زیادہ تیرے قریب نہیں، جو تو اپنے نفس کو نہیں پہچانے گا تو اور کس چیز کو پہچانے گا۔ تو جتنا علم آپ کو اپنے بارے میں ہے اتنا کسی اور کے بارے میں ہوسکتا ہے؟ ریا کرتے ہیں، اپنی ریا کا علم تو آپ کو ہی ہے۔ حق تعالیٰ کو ہے یا آپ کو ہے۔ آپ جو اس وقت سوچ رہے ہیں اسکا سوائے حق تعالیٰ کے اور آپ کے کسی کو کیا پتہ۔ کس چیز کی خواہش اٹھ رہی ہے دل میں کیا کیا خواہشات کیا کیا امنگیں اٹھ رہی ہیں یہ آپ ہی جانتے ہیں۔ آپ کا قلب جوش مارتا ہے آپ غصہ کرتے ہیں تو قلب کے جوش مارنے کو انسان خود ہی تو جانتا ہے یا پھر حق تعالیٰ جانتے ہیں۔ کوئی اور تو نہیں جانتا۔ تو ہم لوگوں کو اپنی حقیقت پر غور کرنا چاہئے۔ کہ ہم ہیں کیا؟ ہمارا نفس کیا ہے؟ کہاں سے ہم آئے ہیں؟ کیا ہماری حقیقت تھی؟ اب کیا ہیں؟ کدھر ہمیں جانا ہے؟ کیا ہمارا انجام ہوگا؟ کس بات سے ہم کو نیک بختی حاصل ہوگی؟ کس بات سے ہماری بدبختی ہوگی؟ اور جو صفتیں ہمارے نفس کے اندر ہیں وہ کیا ہیں؟ جب تک تم اپنے نفس کو جانو گے نہیں تو کنٹرول کیا کرو گے؟ قابو کیسے پاؤ گے؟ سب کچھ سوچتے ہیں یہ نہیں سوچتے کہ ہمارا نفس ہے کیا چیز؟

نہیں جاتی کہاں تک فکر انسانی نہیں جاتی
مگر اپنی حقیقت آپ پہچانی نہیں جاتی

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تک کوئی شخص اپنے نفس کو نہیں جانے گا

تو سعادت اور نیک بختی حاصل نہیں ہوسکتی۔ کلام پاک میں ہے ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا﴾ ''مراد کو پہنچا جس نے نفس کو پاک کیا'' دنیا میں فلاح درکار ہو یا آخرت میں، فلاح تو بس اسی کو حاصل ہوگی جس نے تزکیہ اپنے نفس کا کرالیا۔ جب یہ پتہ ہوگا کہ کس چیز کا تزکیہ کرانا ہے تب ہی تو تزکیہ کراؤ گے۔ وہ رذائل نفس جو تمہارے نفس کے اندر ہیں جب ان کو جانو گے تب ہی تو اُن کا علاج کراؤ گے۔ اگر کسی کو پتہ نہ ہو کہ حسد کیا چیز ہے کینہ کیا ہے، ریا کیا ہے، کبر کیا ہے، عُجب کیا ہے، حب جاہ کیا ہے تو وہ ان میں مبتلا رہے گا۔ وہ اپنے نفس کو جانتا ہی نہیں کہ میرا نفس حسد بھی کرسکتا ہے کینہ بھی کرسکتا ہے ریا کاری بھی کرسکتا ہے مکر وفریب بھی کرسکتا ہے تو وہ کیسے علاج کرائے گا؟ دیکھئے یہ بات تو سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ کلام پاک کی آیت ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا﴾ کا حاصل یہ ہے کہ اصلاح نفس ضروری ہے۔ اب اس میں تو کوئی شک وشبہ ہی نہیں کہ اصلاح نفس فرض ہے۔ اصلاح نفس کے لئے کسی بزرگ سے تعلق کرلیں اور اس سے کہیں کہ ہمارے اندر حسد ہے، کینہ ہے، کبر ہے، حب جاہ ہے، حب مال ہے، عُجب ہے غرض جو بُرائی بھی نفس کی نظر آئے وہ بتائیں تب ہی علاج ہوسکتا ہے۔ اگر آپ چپ چاپ بیٹھے رہیں گے تو کہاں سے علاج ہوگا؟ علاج ہوسکتا ہے؟ کبھی بھی نہیں ہوسکتا۔ کوئی بھی شیخ جو اس علاج کے فن سے واقف ہے بلا طلب علاج نہیں کریگا۔ اصول کے خلاف ہے۔ شیخ کو بس اتنی اجازت ہوتی کہ کوئی طلب کرے تو اسے راستہ بتادو۔ بلا طلب ہدایت کو سر پر چپکایا نہیں جاسکتا۔

اب نفس کو سمجھ لیں، نفس کے اندر چار خصوصیات اللہ تعالیٰ نے رکھی ہیں جو بنیادی خصوصیات ہیں اور باقی ساری چیزیں اسی سے نکلتی ہیں ان کو سمجھنے سے بہت آسانی ہوگی نفس پر قابو پانے میں۔

ایک تو نفس کی خواہش ہوتی ہے کھائے پیئے سوئے موٹا ہو قوی ہو۔ یہ جو خاصیت ہے یہ چوپایوں کی ہے، جانوروں کی ہے۔

اور ایک دوسری صفت ہے مارنا، مارڈالنا، غصہ کرنا، چڑچڑانا، یہ درندوں کی خاصیت ہے۔

اور تیسری صفت ہے نفس کی شرنکالنا۔ جتنے شرنکلتے ہیں انسان نکالتا ہے حیلہ اور مکر کرتا ہے یہ شیطان کی خاصیت ہے۔

اور ایک یہ ہے کہ خدا کا جمال دیکھنا، اللہ تعالیٰ کی صفات میں غور کرنا، یہ فرشتوں کی غذا ہے اور فرشتوں کی صفت ہے اس میں درندوں کی، چوپایوں کی اور شیطان کی صفت کا کوئی دخل ہی نہیں ہے۔

آپ غور کریں گے تو یہ چاروں چیزیں اپنے نفس کے اندر نظر آئیں گی۔ آپ خود دیکھیں گے کہ کتنی خواہشیں اٹھتی ہیں کہ میں فلاں چیز حاصل کرلوں فلاں چیز کھالوں فلاں چیز پی لوں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر تو فرشتوں کی عقل رکھتا ہے تو اپنی عقل میں کوشش کر کہ تو اللہ تعالیٰ کو پہچانے اور اللہ تعالیٰ کے جمال کے مشاہدے میں راہ پائے اور اپنے کو شہوت اور غصے سے چھڑائے۔ جب تک شہوت اور غصے سے نہیں چھڑائے گا حق تعالیٰ کے جمال کی ہوا ہی نہ لگے گی۔ ہمارے اندر تو درندوں کی صفت بھری ہوئی ہے۔ شہوت ہے، غصہ ہے۔ غصہ درندوں کی صفت ہے۔ شہوت چوپایوں کی صفت ہے۔ اب یہ جو صفات ہیں ہمارے نفس کے اندر یہ تو حق تعالیٰ نے پیدا کی ہیں ہم اس کے پیدا کرنے والے نہیں ہیں۔ یہ فطری ہیں انکا انکار کرنے سے کام نہیں بنے گا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ نفس کی چار خصوصیات کی بناء پر اخلاق بھی چار قسم کے ہیں، اخلاق تو بہت سے ہیں اخلاق کی قسم تو بہت ہے مثلاً رذائل یعنی بُرے اخلاق میں حسد بھی ہے، کینہ بھی ہے، کبر بھی ہے اور دوسرے رذائل ہیں اسی طرح سے اچھے اخلاق جو ہیں یہ بھی بہت سے ہیں شکر ہے، صبر ہے، توکل ہے، تفویض ہے،

زہد ہے، رضاء ہے، حق تعالیٰ کی محبت ہے یہ سب اچھے اخلاق ہیں اچھی صفتیں ہیں لیکن امام غزالیؒ نے ان کی چار قسمیں بیان کی ہیں جو نفس کی چار خصوصیات پر مبنی ہیں۔ ایک شہوت ہے کہ آدمی میں لالچ اور خواہش ہوتی ہے جس سے وہ چوپایوں جیسے کام کرتا ہے، کھانے کے پیچھے ادھر ادھر بھاگتا ہے، لذات کے پیچھے بھاگتا ہے، طرح طرح کے کھانے، طرح طرح کے کپڑے، مردوں کی عورتوں کی طرف خواہش، عورتوں کی مردوں کی طرف خواہش۔ یہ شہوت انسانی ہے یہ سور کی صفت ہے، اس کو کچھ پرواہ نہیں پاخانہ بھی وہ کھالے گا، سور کو شہوت کا نمونہ اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے چنانچہ ہمارے بزرگوں کو بعض اوقات کشف ہوا ہے اور کشف میں لوگوں کی شکلیں نظر آئی ہیں کوئی سور نظر آرہا ہے کوئی کتا نظر آرہا ہے کوئی بندر نظر آرہا ہے۔ سور کی صفات میں ہے کہ حلال حرام کی تمیز کے بغیر ٹوٹ پڑتا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان کے اندر ایک چیز تو یہ سورپن ہے اور دوسری چیز وہ ہے جس سے انسان کتے، شیر، بھیڑیے جیسے کام کرتا ہے۔ کیوں جی نفس کا پتا چل رہا ہے؟ کیا لے کے بیٹھے ہوئے ہیں؟ اگر پتا چل گیا ہے تو پھر ہوشیار رہو کہ بھئی یہاں سورپن ہورہا ہے، یہاں کتاپن ہورہا ہے، نہ کرو۔ چاہے مرد ہوں یا عورتیں دونوں میں برابر یکساں یہ صفات ہیں۔ نفس ہے ہی ایسا۔ عورتیں اپنے آپ کو پاک نہ سمجھ لیں۔ یہ نہ سمجھ لیں کہ اصلاح وصلاح تو صرف مردوں کا کام ہے ایسے ہی ہمیں دینی مجلس میں لے کے آجاتے ہیں ہمارا کام تو ملنا جلنا ہے۔ ایسی بات نہیں ہے۔ قبریں سب کی الگ الگ ہوں گی۔ سب میں ویسے ہی حساب کتاب ہوگا۔ مجھے یاد آیا کہ جب حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب قدس سرہٗ سے ہمارا شروع کا تعلق تھا، محبت ایسی ہوگئی تھی کہ مت پوچھئے۔ اور حضرت سے خط وکتابت بہت تھی یہ من جانب اللہ تھا کہ حضرت کی توجہ اس ناکارہ پر تھی۔ تو میں نے حضرت کو لکھا کہ حضرت مجھے اپنے اندر ایسا لگتا ہے کہ ایک چکنی کھال والا سور ہے اس کو میں پکڑتا ہوں وہ پھسل کر نکل جاتا

ہے۔ یہ حضرت کو لکھ کر بھیجا کہ حضرت میں تو اپنے اندر یہ خباثت دیکھ رہا ہوں۔ حضرت نے لکھا کہ یہ من جانب اللہ آپ کے اوپر عنایت ہے یعنی اللہ کا فضل ہو گیا کہ ایسا نظر آ رہا ہے کیونکہ نفس کی پہچان نفس کی کچھ معرفت ہو گئی۔ تو جناب ایک طرف یہ ہے ایک نا اہل پر اللہ کا فضل بلا استحقاق یعنی اپنی خباثت نفس کا کشف۔ اور ایک طرف یہ ہے کہ اپنے کو آپ بڑا سمجھ رہے ہیں کہ ہم تو بڑے پاک صاف ہیں، یہ اللہ کا قہر ہے۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا ﴿وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي﴾ یوسف علیہ السلام پیغمبر اور فرما رہے ہیں ﴿وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي﴾ میں تو اپنے نفس کو بری نہیں کرتا، میں اپنے نفس کو پاک نہیں بتاتا۔ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ. کہ نفس تو بہت ہی زیادہ برائی کا حکم کرنے والا ہے۔ اس میں سور پن ہے کتا پن ہے۔ وہ جانتے تھے۔ ہم اپنے نفس کو نہ سمجھیں بلکہ اس دھوکہ میں پڑے رہیں کہ ہم بڑے پاک ہیں، مگر وہ اپنے نفس کو خوب پہچانتے تھے۔

اور تیسری چیز انسان کی صفات میں، نفس کی صفات میں مکر ہے جسے شیطان پن کہتے ہیں۔ سور پن، کتا پن، شیطان پن۔ یہ نفس انسانی تین خباثتوں کا مرکب ہے۔ مکر سے انسان شیطانی قسم کے کام کرتا ہے۔ جھگڑا ڈال دے گا، دو آدمیوں کو لڑوا دے گا، مکر و فریب کرے گا، ریا کرے گا، دھوکہ کرے گا۔ حق تعالیٰ نے نفس میں صفت رکھی ہی ایسی ہے۔ اب اس سے صحیح کام لو اس کے غلط تقاضوں کو، سور پن کو، کتا پن کو اور شیطان پن کو دباؤ، یہ حکم ہے۔ اگر تم اس کو دباؤ گے نہیں تو قیامت کے دن حساب ہو گا قبر میں حساب ہو گا مرنے پر حساب ہو گا۔

اور ایک چوتھی صفت حق تعالیٰ نے اور رکھ دی ہے یہ سردار ہے یہ عقل ہے۔ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل دی ہے، عقل سے جو کام ہوتا ہے وہ فرشتوں جیسا ہوتا ہے اب یہ سمجھ لیجئے کہ جو فرشتہ صفت کام آپ کے ہیں وہی عقل کے کام سمجھے جائیں گے باقی کام عقل کے نہیں سمجھے جائیں گے۔ یہ چوتھی صفت انسان کی ہے یہ سردار ہے تمام

صفتوں کی یعنی اصولاً تو یہ ہونا چاہئے کہ عقل کو ہم سردار بنائیں کیونکہ عقل محض فرشتوں والے کاموں پر حکم کرتی ہے۔ فرشتوں کے کام کیا کیا ہیں؟ فرشتوں کے کام یہ ہیں کہ علم کو دوست رکھتا ہے، برے کاموں سے پرہیز کرتا ہے، اللہ کے حکم کو فوراً مان لیتا ہے۔ فرشتے کی صفت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو فوراً مان لیتا ہے ہنسی خوشی مان لیتا ہے اور لوگوں کی اچھائی چاہتا ہے۔ یہ یاد رکھئے کہ فرشتے کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کی اچھائی چاہتا ہے۔ یہی عقل کا کام ہے، عقل یہ بتاتی ہے کہ لوگوں کی اچھائی چاہو اور یہ جو کتا پن شیطان پن اور سور پن ہے یہ کہتا ہے کہ برائی کر۔ عقل کا نور فرشتوں کے انوار اور آثار سے ہے۔ اسکی بدولت شیطان کے مکر اور حیلے معلوم کرو تا کہ رسوا نہ ہو اور شیطان مکر نہ کر سکے یہ مقصد ہے۔ اسکا چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر آدمی کے واسطے ایک شیطان ہے اور میرے واسطے بھی ہے لیکن خدا نے مجھ کو اس پر فتح دی اور وہ مغلوب ہو گیا اور اب وہ مجھکو برائی کا حکم نہیں دے سکتا۔ یہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے خاص ہے۔ ہم آپ کے لئے تو وہی ہے۔ انسان کو چاہئے کہ لالچ اور خواہش کے سور کو جو انسان کے اندر ہے اور غصے کے کتے کو حد ادب میں رکھے اور عقل کو زبردست کرے کہ اس کے حکم سے یہ اٹھے بیٹھے۔ یہ جو صفتیں انسان کے اندر ہیں یہ جو کتا بیٹھا ہوا ہے یہ جو سور بیٹھا ہوا ہے اور ایک جو شیطان ہے اسکو عقل سے قابو میں رکھے۔ یہ نفس کی صفتوں میں سے ہے۔ تم ان سے چھٹکارا مرتے دم تک نہیں پاؤ گے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ہمارے حضرت عارفیؒ کو اس ناکارہ نے لکھا کہ حضرت جب رنگ برنگے کپڑوں میں نامحرم عورتیں گزرتی ہیں تو دل میں تقاضا ان کو دیکھنے کا ہوتا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ تقاضے کا احساس ہے لیکن بزرگوں کی برکت سے نگاہ نیچی کرنے کی توفیق بھی کچھ ہوتی ہے۔ تو حضرت نے لکھا کہ عمر بھر یہی کرنا ہے کہ نفس کی خواہش کے خلاف نظر نیچی کرنا ہے۔ یہ تقاضے عمر بھر ختم نہیں ہوں گے۔ ان کا عمر بھر کا ساتھ ہے۔ آپ کا یہ کتا اور یہ سور اور یہ شیطان یہ آپ کے ساتھ

ہیں۔ مرنے کے وقت ہی چھٹکارا ہوگا ان سے۔ مرنے سے پہلے نہیں ہوگا۔

تو ہمیں اپنے نفس کو پہچاننا ہے اسکی تدبیر یہ ہے کہ اپنی حرکات اور سکنات کو دیکھو اپنے خیالات کو دیکھو اور اپنی تمناؤں کو دیکھو اپنے سوچنے کو دیکھو۔ غور کرو۔ ایک وقت نکالو اور بیٹھو اور بیٹھ کے سوچو کہ صبح سے شام تک ہم نے کیا کیا حرکتیں کیں؟ غصہ کیا ہے؟ یعنی غصہ کے تقاضے پر عمل کیا ہے؟ ایسا غصہ کرنا پیشاب پینے کے برابر ہے۔ غور سے دیکھو تو تم کو اپنے دن بھر کے اعمال اور خیالات میں صاف نظر آئے گا کہ اچھا یہاں سور پن اُبھر کے آیا ہے اور یہاں کتا پن ہو گیا اور یہاں مکر اور فریب کیا۔ یہ سب صبح سے شام تک ہوتا رہا لیکن آپ جائزہ نہیں لیں گے تو آپ سمجھیں گے کہ ہم تو بڑے اچھے ہیں بڑے پاک صاف ہیں۔ سوچو کہ اگر کسی کے عیب نظر آ رہے ہیں تو یہی غلطی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اپنے عیبوں کے بارے میں اتنا سوچو کہ دوسروں کے عیب نظر ہی نہ آئیں آپ صبح سے شام تک دوسروں کے عیب دیکھتے رہتے ہیں یہی تو سور پن ہے۔

اگر ہم نے خواہش کے سور کی فرمانبرداری کی اور اس کے تقاضوں کو پورا کر لیا تو پلیدی، بے حیائی، لالچ، خوشامد، کمینگی، دوسروں کی برائی پر خوش ہونا، یہ صفتیں پیدا ہوں گی اور اگر اس کو ہم نے دبایا اور اس سور کو ابھرنے نہیں دیا جو ہمارے نفس میں بیٹھا ہوا ہے تو اس سے قناعت، حیا، شرم، دانائی، پارسائی پیدا ہوگی۔ اب آپ خود سوچئے کہ کیا کیا صفات ہمارے نفس میں ظاہر ہوتی رہتی ہیں تو جتنا ہم سور کے تقاضوں کو پورا کریں گے اتنا یہ صفات خراب والی پیدا ہوں گی کہتے ہیں کہ ہمارا ٹیلی ویژن دیکھنے کا دل چاہتا ہے ہمارا بے حیائی کی ننگی تصویریں دیکھنے کا دل چاہتا ہے اور ہمارا بے حیاء عورتوں کو دیکھنے کا دل چاہتا ہے اور گندے پروگرام دیکھنے کا دل چاہتا ہے تو یہ سور پن ہے اور آپ نے انہی چیزوں پر عمل کر کر کے یہ صفت اور بھی بڑھا دی ہے جب رکو گے تب جا کے حیاء پیدا ہوگی شرم پیدا ہوگی پھر پتہ چلے گا کہ یہ بے حیائی کے

پروگرام ٹیلی ویژن پر انٹرنیٹ پر بے حیا مردوں اور بے حیا عورتوں کی چیزیں ہیں ان کو دیکھنا ایسا ہے جیسے پاخانہ کھانا۔ کوئی فرق نہیں ہے۔ سور کی غذا کیا ہے؟ سور کی غذا پاخانہ ہے جو چیز سور کے تقاضوں جیسی ہوگی اس کا تو وہی مطلب ہوگا۔ تو ہمیں آج تقاضا ہو رہا ہے یہ سور کے تقاضے جیسا ہے۔ آج تقاضا اٹھ رہا ہے، بھئی لاحول ولاقوۃ۔ سور پن کے تقاضے کو کہتے ہو کہ ہمیں اٹھ رہا ہے، ارے چپ رہو دبا جاؤ۔

اور دوسری طرف غضب کا کتا ہے۔ یہ نفس اس کی اطاعت کرے گا تو نڈر ہو جائے گا۔ نہ اللہ میاں سے ڈرے گا، نہ مرنے سے ڈرے گا نہ کسی اور چیز سے۔ آج کل عام طور سے ہم میں سے اکثر کی عادت ہے کہ بڑی سے بڑی چیز کو، بڑی سے بڑی حکومت کو، بڑے سے بڑے قانون کو، بڑے سے بڑے گورنر کو، سمجھتے ہیں کہ ارے یہ تو کچھ بھی نہیں، ایسے ہی ہیں یہ کسی گنتی میں ہی نہیں۔ کبر کا اتنا اثر بڑھ گیا ہے یہ غضب کے کتے کی اطاعت کی وجہ سے کہ کسی کو سمجھتے ہی نہیں ہیں کچھ۔ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ سب ایسے ہی ہیں، نہ پولیس کا قانون کوئی چیز ہے نہ حکومت کا قانون ہم جو چاہیں کر لیں۔ جو لوگ قانون کو عظمت نہیں دیتے ان میں تو کتا پن ہے۔ نڈر ہو گئے ہیں قانون کے خلاف کرتے ہیں۔ ایک صاحب آئے تھے اس ناکارہ کے پاس۔ کسی نے بھیج دیا اصلاح کرانے کے لئے۔ اقامہ ویزا وغیرہ کچھ نہیں ایسے ہی عمرہ پر آ کر ٹھہر گئے ہیں اور غیر قانونی طور سے ہی رہتے ہیں۔ میں نے کہا سب سے پہلے تو آپ کی یہی اصلاح ہے کہ آپ خلاف قانون رہتے ہیں، قانون کی خلاف ورزی کرتے ہیں یہ کس نے اجازت دے دی؟ اتنے نڈر کیسے ہو گئے آپ؟ اگر کوئی قانون سے نڈر ہو جائے تو وہ سمجھ جائے کہ اس نے کتے پن کے بہت سے کام کئے ہیں جس کی وجہ سے وہی کتے کی صفات پیدا ہو گئیں۔ بڑا بول بولنا، غرور کرنا، دوسروں کو حقیر سمجھنا، تکبر کرنا، اپنی بڑائی جتلانا، اپنے آپ کو پسند کرنا، دوسروں کا تمسخر کرنا ظلم کرنا، لوگوں سے بھڑ جانا یہ سب کتے پن کی صفات ہیں اپنے نفس کے کتے کو آزاد چھوڑیں گے تو یہی صفات پیدا

ہوں گی۔اور اگر اس کتے کو ابھرنے نہیں دیا، دبا کے رکھا تو پھر صبر پیدا ہوگا، بردباری پیدا ہوگی، درگزر کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگی، استقلال پیدا ہوگا، بہادری پیدا ہوگی، بزرگی پیدا ہوگی۔یہ اوصاف نفس کے کتے کو دبانے سے، قابو میں رکھنے سے پیدا ہوں گے۔

اسی طرح سے نفس اگر شیطان کا مطیع بن گیا تو شیطان کا کام ہی یہی ہے کہ یہ جو دو چیزیں نفس کو ملی ہوئی ہیں سور پن اور کتا پن ان کو ورغلاؤ۔شیطانی صفت اس لئے ہے نفس کی کہ ان دونوں کو ورغلا ورغلا کے گناہ کرائے تو اگر اس کو موقع دیا تو شیطانی صفات ابھریں گی، مکاری کرے گا، دھوکہ دے گا، خیانت کرے گا، جعلسازی کرے گا۔اور اگر اس کے خلاف کیا تو دانائی اور معرفت اور صلاحیت اور حسن خلق وغیرہ پیدا ہوں گی۔

جن کاموں سے بھی بُرے اخلاق پیدا ہوتے ہیں انہی کو گناہ کہتے ہیں۔وہ کام جن سے یہ بُرے اخلاق پیدا ہوتے ہیں یہی گناہ ہیں۔حق تعالیٰ نے ہماری آسانی کے لئے بتادیا کہ یہ گناہ ہیں اگر تم نے ان کے اوپر عمل کیا تو تمہارے اندر صفات پیدا ہوجائیں گی کتوں کی اور سوروں کی اور شیطانوں کی تو گناہ کا اتنا بڑا نقصان ہے۔گناہ کی اگر آپ تحقیق کریں جیسا کہ بعض علماء نے کی ہے تو پتہ چل جائے گا کہ کس گناہ سے کیا اثر پیدا ہوتا ہے۔یعنی حق تعالیٰ نے ہمارے لئے قانون بنادیا ہے کہ دیکھو گناہ مت کرو گناہ جب تم کرو گے تو یہی خصوصیات تمہارے اندر شیطان کی اور کتوں کی اور سوروں کی پیدا ہوں گی۔تم دوسروں کو سور کہتے ہو دوسروں کو کتا سمجھتے ہو اور خود اپنے اندر کو بھول جاتے ہو کہ تمہارے اندر یہ صفات پیدا ہی کیوں ہوئیں؟ گناہ کی وجہ سے ہی تو ہوئیں۔اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میرے اندر یہ سور پن نہیں کتا پن نہیں تو پھر گناہ کیوں کرتے ہو؟ تم گناہ کررہے ہو تو یقیناً کتا پن اور شیطان پن اور سور پن تمہارے اندر ہے اور یہی خصوصیات نفس کی تمہارے اندر غالب ہیں۔

جن کاموں سے انسان کے اندر اچھے اخلاق پیدا ہوجائیں انہی کاموں کو عبادت

کہتے ہیں۔عبادت نام ہی اسی کا ہے۔عبادت کہتے ہی اس کو ہیں جس سے اچھے اخلاق پیدا ہوں۔ہم بڑی عبادت کرتے ہیں، ارے صاحب ہم تو تہجد میں اٹھتے ہیں صلاۃ التسبیح بھی پڑھتے ہیں اور اس کے بعد ایسی حرکتیں ہیں۔تم کسی اور غرض سے عبادت کرتے ہو یا نیت فاسدہ کی آمیزش کرتے ہو یا خودرائی میں مبتلاء ہو ورنہ عبادت کی خاصیت تو یہ ہے کہ اچھے اخلاق پیدا ہوں گے۔یہ کیسی عبادت ہے کہ تمہارے اندر کینہ اور حسد اور غصہ اور شہوت اس طرح کی گندی باتیں پیدا ہوں؟ یہ کیسی عبادت ہے؟ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بُرے اخلاق میں ظلمت ہے جب یہ دل تک پہنچتے ہیں اندھا کردیتے ہیں اسے نظر نہیں آتا اور اچھے اخلاق نور ہیں دل میں پہنچ کر اسے صاف کردیتے ہیں، منور کردیتے ہیں۔چنانچہ علاج یہی ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر بُرائی کے بعد بھلائی کر، بھلائی بُرائی کو مٹادیتی ہے۔قرآن میں بھی یہ ہے ﴿اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ﴾۔

نفس کے علاج کا طریقہ یہی ہے۔اب تک جو ہوا اس کو دھونے کا طریقہ یہی ہے۔غصہ کرلیا ہے؟ یعنی انسان نے کتا پن کرلیا ہے اب یہ کرو کہ غصے کی بجائے حلم پیدا کرو یعنی ضبط کرو ناگواری کا اظہار نہ ہونے دو۔یوں الٹا کرو گے تو تھوڑے دنوں کے اندر خوش خلقی پیدا ہوگی تمہارے اندر۔اس کتے پن کی وجہ سے تمہارے اندر جو کتے والی صفات پیدا ہوگئی ہیں یہ ختم ہوجائیں گی، اس کے بغیر ختم نہیں ہوں گی۔

اب نفس کو سمجھ لیا آپ نے؟ کہ نفس کے اندر دونوں طرح کی خواہشات ہیں اور جو بُری خواہشات ہیں وہ تین طرح کی ہیں کتوں والی ہیں سور والی ہیں شیطان والی ہیں، اور ایک عقل ہے جس سے انسان اچھے کام فرشتوں والے کرسکتا ہے اس سے کام لے کر کنٹرول کرنے کی ضرورت ہے ان تینوں صفات کو۔شہوت سے کام لینا پڑتا ہے ورنہ آپ اپنی بھوک کیسے ختم کریں گے آپ کو بھوک لگی ہے اب شہوت کھانا حاصل کرنے پر اُکسائے گی تو اس کو اتنی حد تک آپ کریں کہ حلال طریقے سے کھانا آپ

کھانے لگیں شہوت نہ ہو تو آپ بھوکے مر جائیں۔ بھوک ختم کرنے کی کوشش ہی نہیں کریں گے۔ اس لئے شہوت سے کام لے کر خوراک حاصل کرو اور کھاؤ لیکن حلال طریقے سے کھاؤ۔ جب رفتہ رفتہ نفس کی مخالفت بُرے کاموں میں کی جاتی ہے اور صرف ضرورت کی حد تک شہوت کے تقاضے جو شرعاً جائز ہیں، پورے کئے جاتے ہیں تو اسکی اصلاح ہونے لگتی ہے اور اصلاح کے لحاظ سے نفس کی تین مختلف حالتیں ہوتی ہیں یعنی نفس کی جو ان چار چیزوں سے مُرکب ہے، اس کی تین قسمیں ہیں ایک ہے نفس امارہ۔

نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا
بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا

نفس امارہ وہ ہے جو اکثر برائیوں کا حکم کرتا ہے۔ حکیم الامتؒ نے وضاحت فرمائی ہے مگر کمال ہے صاحب حکیم الامتؒ کی وضاحت ایسی ہے کہ بہت سے شکوک و شبہات دور ہو جاتے ہیں فرمایا کہ اگر نفس اکثر شر کی خواہش کرے، اکثر کا لفظ فرمایا ہمیشہ کا نہیں، یعنی انتہائی فاسق فاجر بعض ہوتے ہیں اور کبھی کبھی کوئی نیکی بھی کر بیٹھتے ہیں کبھی کوئی صدقہ خیرات بھی کر دیتے ہیں کبھی عید کی نماز کو بھی چلے جاتے ہیں تو اس سے وہ نفس امارہ نہیں ختم ہوا، دو چار نیکیوں سے نفس امارہ مرا نہیں۔ نفس پھر بھی نفس امارہ ہی ہے۔ سمجھ لیں کہ اگر نفس اکثر شر کی خواہش کرے اور نادم بھی نہ ہو، ایک اور شرط ہے، نادم بھی نہ ہو۔ ایک تو یہ کہ صاحب گناہ ہوا نادم ہو گئے۔ یہ نہیں، نادم ہی نہیں ہوتا، گناہ کرتا چلا جاتا ہے۔ ندامت تو ہے ہی نہیں بلکہ سمجھتا ہے کہ ہم تو بڑا اچھا کرتے ہیں۔ ایسا شخص فاسق کہلاتا ہے۔ فاسق ہونا ایسی بری بات ہے کہ اگر کوئی فاسق کی تعریف کر دے تو عرش کانپ اٹھتا ہے، حدیث شریف کا مضمون ہے۔ فاسق کہتے ہی ہیں اس کو جو گناہ پہ اصرار کرے، گناہ پہ اصرار کرنے والوں کو کبھی اچھا نہ کہو۔ ارے حق تعالیٰ کے دشمن کو اچھا کہتے ہو؟ ڈرو۔ حق تعالیٰ کے دشمن کو اچھا کہو گے تو تم بھی انہی میں شمار

ہو گے۔ دشمن کا دوست تو دشمن ہوتا ہے۔

اگر نفس اکثر شر کی خواہش کرے اور نادم بھی نہ ہو ایسے نفس کو نفس امارہ کہتے ہیں۔ کبھی کبھی خیر کی خواہش ہونا اس امر کے منافی نہیں ہے کثیر الامر پر انحصار ہے کہ زیادہ کیا ہے؟ اور اگر نفس شر کی خواہش کرے مگر نادم بھی ہونے لگے، خواہش تو کرتا ہے مگر نادم بھی ہونے لگ جاتا ہے تو ایسے نفس کو نفس لوامہ کہتے ہیں۔

اور اگر اکثر خواہش خیر کی کرے، اکثر خواہش خیر کی کرنے کے باوجود کبھی کبھی گناہ کی خواہش بھی ہو سکتی ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ گناہ کی خواہش کچھ نہ کچھ بہر حال پیدا ہو گی۔ چنانچہ فرماتے ہیں، حکیم الامتؒ کا یہ کمال ہے کہ جو بات کہی ہے بالکل افراط و تفریط سے بچا کر کہی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر اکثر خواہش خیر کی کرے اسوقت نفس کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔ یہی وہ نفس ہے جو اولیاء کا نفس ہے۔ گو کبھی کبھی شر کی خواہش بھی بلا عمل، بلا عمل کی شرط لگا دی۔ یعنی کبھی کبھی شر کی خواہش تو ہو گی کیونکہ فطرت میں کتا پن سور پن شیطان پن ہے لیکن اس پہ عمل نہیں ہو گا یاد رکھیں کہ نفس مطمئنہ کبھی گناہ نہیں کرے گا۔ یہ مت سمجھنا کہ ہم گناہ بھی کرتے ہیں پھر بھی ہمارا نفس، نفس مطمئنہ ہے۔ نفس مطمئنہ تو اولیاء کا نفس ہے۔ اکثر خواہش خیر کی کرے اس وقت نفس مطمئنہ کہلاتا ہے گو شر کی خواہش بھی کبھی کبھی بلا عمل پیدا ہو جائے۔ البتہ اگر خواہش شر پر عمل ہو تو اس صورت میں یہ نفس مطمئنہ نہیں رہے گا۔ ہاں! توبہ کرنے سے پھر نفس مطمئنہ ہو جائے گا اور ضرور جلد توبہ کی توفیق نفس مطمئنہ کو ہو گی۔

اپنے نفس کو نفس مطمئنہ بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ نفس کی مخالفت کرو اور مخالفت نفس کا طریقہ از خود تجویز نہ کرو بلکہ جو اس کا ایسا ماہر ہے جو نفس کو پہچانتا ہے نفس کے علاج سے واقف ہے اس سے پوچھ پوچھ کر نفس کی مخالفت کرو۔ ہم آپ خود کیا کریں گے؟ ہم آپ تو سمجھتے ہیں کہ غصہ جب کرتے ہیں تو بالکل جائز کرتے ہیں کہ صاحب یہ تو ذرا سا غصہ کیا۔ ایک بالٹی پانی صاف ستھرا، ایک قطرہ پیشاب کا ڈال دیجئے۔ پی

سکتے ہیں اس کو آپ؟ پھر کیوں نفس کے تقاضے کے تحت غصہ کرتے ہو ذرا سا؟ کہ بھئی ہم تو ذرا سا غصہ کرتے ہیں۔ غصے کے تقاضے تو اٹھیں گے مگر دبا جاؤ۔ اور غلطی ہو جائے توبہ کرو استغفار کرو اس کو جائز نہ سمجھو، گناہ کو حلال سمجھنے سے ایمان جاتا رہتا ہے، ڈرنے کی بات ہے۔

نفس مطمئنہ کسی شیخ کامل کی صحبت میں بنتا ہے کتابوں سے نہیں بنتا۔ اس کے بارے میں قرآن میں ہے ﴿یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ﴾۔ اب اس کا ترجمہ سمجھ لیجئے کہ اے نفسِ مطمئنہ تو اپنے رب کی طرف راضی راضی لوٹ جا، خوش خوش لوٹ جا، ﴿فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ﴾۔ اب اس کا طریقہ بتایا ہے، نفسِ مطمئنہ کا طریقہ بھی اسی آیت میں بتادیا، ﴿فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ﴾ میرے ان بندوں میں شامل ہو جاؤ جو میری بندگی اور میری اطاعت مجھ سے محبت کے ساتھ کرتے ہیں، اُن کی صحبت اختیار کرو۔ ﴿وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ﴾، اور جنت میں داخل ہو جاؤ۔ حکیم الامتؒ فرماتے ہیں یہاں پر کہ اِرْجِعِیْ فرمایا، ﴿اِرْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ﴾ اپنے رب کی طرف لوٹ جا، اذھبی الٰی ربک نہیں فرمایا کہ اپنے رب کی طرف چلا جا۔ پتہ چلا ہم تو وہیں سے آئے ہیں اللہ میاں کے ہاں سے اس لئے کہا کہ تو وہیں لوٹ جا۔ یہ نہیں فرمایا کہ چلا جا۔ ہمارا تو وطن ہی وہی ہے، وہیں سے تو ہم آئے ہیں۔ اس لئے فرمایا اِرْجِعِیْ اور اِذْهَبِیْ نہیں فرمایا۔ اور خاص بندوں میں شامل ہونے کو جنت میں داخل ہونے سے مقدم فرمایا۔ فرمایا کہ پہلے خاص بندوں میں ہمارے داخل ہو جا پھر جنت میں داخلہ ہوگا۔ حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اشارتاً اللہ تعالیٰ نے یہ بات ظاہر فرمادی کہ اگر ہمارے خاص بندوں کے ساتھ لگے لپٹے رہو گے تو جنت میں داخل ہونا نصیب ہو جائے گا۔ بہت لوگ اس دھوکے میں مبتلا ہیں کہ کتابیں دیکھ کر ہم اپنے نفس کی اصلاح کر سکتے ہیں کیونکہ کتابوں میں تو سب طریقے موجود ہیں۔ یہ

بالکل غلط خیال ہے۔ یہ حکیم الامتؒ کے وعظ سے نقل کر کے پڑھ رہا ہوں "یہ بالکل غلط خیال ہے، واقفان فن اور تجربہ سب اس پر متفق ہیں۔ عادتاً ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بدون ماہر فن شیخ کے آدمی اپنی اصلاح نہیں کر سکتا۔ طبیب سے جس طرح رتی رتی اپنا حال ظاہر کر دیتے ہو اور اپنے روگ کو چھپاتے نہیں اسی طرح ایک شیخ کو اپنا معالج بناؤ اور اس سے اپنا کچا چٹھہ ظاہر کرو"

بعض لوگ بزرگوں کو حال لکھتے تو ہیں مگر آدھی بات بتاتے ہیں آدھی بات نہیں بتاتے اور پھر ایک عام مرض یہ ہے کہ بجائے اپنا حال بتانے کے خط میں کسی اور کا بتا دیتے ہیں مثلاً اپنی بیوی کا بتا دیتے ہیں کہ اس نے ایسے کیا۔ بھئی تو اس نے اگر ایسا کیا اور اس کو ایسا مرض بھی ہے باطنی روحانی، تو بتائیے کہ آپ کے بتانے سے اس کا علاج کیسے ہو جائے گا؟ اس کا علاج تو اس وقت ہوگا جب وہ خود لکھے گی۔ تمہارے کہنے سے کیسے ہوگا۔ اصول بھی ابھی تک سمجھ میں نہیں آیا۔ اپنا حال بتاؤ کہ میرا یہ مرض ہے پھر علاج ہوگا۔ غرض ﴿فادخلی فی عبادی﴾ میں خاص بندوں کے ساتھ شامل ہونے کا جو ذکر ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ خود اپنا مرض بیان کر دو پھر وہ جو بتائے اس پر عمل کر کے اطلاع دو کہ یہ علاج تشخیص کیا گیا تھا اس پر اتنے دن عمل کیا اب یہ حال ہے۔ یہ طریقہ ہے اسکا۔ اب خبر بھی نہیں دیتے، غصے کا علاج بتا دیا اور غائب۔ بھئی غصے کا علاج آپ نے پوچھا تو کیا وہ غصہ ناپید ہو گیا اس کے بعد سے؟ ہفتوں گزر گئے۔ وہ غصہ تو ابھرا ہوگا تو پھر لکھتے کیوں نہیں کہ وہ غصہ ابھرا تو دبا دیا یا نہیں؟ کیا ہوا؟ کیا کیا؟ بک بک کی بیوی کو؟ کیا کیا الٹی سیدھی سنا دی؟ کیوں نہیں لکھتے شیخ کو؟ لکھو، دیکھو کیسی اصلاح ہوتی ہے۔ لکھتے تو ہو نہیں۔ صاف صاف لکھو یہ کیا لکھتے ہو گول مول بات کہ غصہ آ گیا میں نے بیوی کو کچھ سنا دیا، کیا سنایا، لکھو وہ الفاظ ذرا۔ جب لکھو گے تو شرم آئے گی، شرم آئے گی تو اصلاح ہوگی۔ کیوں نہیں صاف صاف لکھتے؟ جب شیخ سے چھپاؤ گے تو کیا مرض چلا جائے گا؟ مرض بڑھتا چلا جائے گا۔

شیخ کامل سے فائدہ اٹھانے کے چار گر ہیں: اطلاع واتباع واعتقاد وانقیاد۔ اعتقاد ضروری ہے۔ضرور اعتقاد ہونا چاہئے،جس شیخ پہ اعتقاد نہیں اس سے فائدہ نہیں ہوگا چاہے کچھ بھی ہو جاہے اپنی ناک گھس دو۔ارے جب اعتقاد ہی نہیں اور تم سمجھتے ہو وہ باتیں غلط بتاتا ہے۔تم یہ سمجھتے ہو ان کو پوری بات نہیں معلوم،تم یہ سمجھتے ہو ان کا اتنا تجربہ نہیں،تم یہ سمجھتے ہو یہ تو بھولے میاں ہیں ان کو کیا پتہ،انہیں کیا پتہ کہ دنیا کے کیا چکر چل رہے ہیں۔تم کو اعتقاد ہی نہیں تو تم کو ان سے کیا فائدہ ہوگا؟ اعتقاد ہونا چاہئے کہ شیخ میرے لئے جو علاج لکھے گا اس سے مجھے ضرور فائدہ پہنچے گا۔

اور انقیاد یہ ہے کہ ایک کے سوا دو شیخ نہ ہوں۔شیخ اگر تمہیں اجازت دے تو بے شک کسی اور بزرگ کی مجلس میں چلے جاؤ لیکن دوا کسی ایک کی کھانی چاہئے دو ڈاکٹر کی دوا نہ کھانا کہ اس سے بھی لے لیا اُس سے بھی لے لیا۔پتہ نہیں کیا ہو جائے گا۔آپ کا حشر نشر ہو جائے گا دو ڈاکٹروں کی دوا بیک وقت کھانے سے۔

فرمایا حکیم الامتؒ نے کہ تم دنیا کا بھی کوئی کام کرو تو شیخ سے پوچھ لو کہ یہ باطن میں تو مضر نہیں ہوگا،پوچھ لو پہلے۔کتنی چیزیں ہم خریدتے ہیں شان اور نمود کے لئے۔ اور انسان اپنی نیت خوب جانتا ہے شیطان پن کتا پن سور پن تو موجود ہے،وہ تو جانتا ہے کس لئے کر رہے ہیں۔للّٰہیت کہاں ہے؟ ہم یہ تجارت کرنا چاہتے ہیں ہمارے دین کے لئے مناسب ہے یا نہیں اس غرض سے پوچھو۔اس غرض سے نہ پوچھو کہ اس تجارت میں نفع ہوگا یا نہیں۔آپ پوچھتے تو یہ ہیں کہ حضرت تجارت کرلوں،سمجھتے ہیں کہ بڑے ولی اللہ ہیں منہ سے کہہ دیں گے تو کام بن جائے گا،یہ کیا خرافات ہیں۔ انہیں کیا پتہ؟ اگر بزرگ ایسے ہوتے تو خود ہی یہ بزرگ لاکھوں کروڑوں بنا کر بیٹھے نہ ہوتے اور پتہ نہیں کتنے کروڑ پتی بنا چکے ہوتے۔خود فاقہ زدہ سے کیا توقع رکھتے ہو کہ وہ تمہیں یہ بتائے کہ تم کونسی تجارت کرو؟ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔کیسی بے وقوفی کی بات کرتے ہو،بزرگوں کا مصرف ہے یہ؟ گویا پیر صاحب اللہ میاں سے پوچھ کر بتادیں

گے،لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ایسا پیر بھی بے وقوف اور ایسا مرید بھی بے وقوف۔ہماری گندی غرض ہے۔بلکہ یہ پوچھو کہ ہم فلاں تجارت کرنا چاہتے ہیں ہمارے باطن کو تو مضر نہیں ہوگا؟ دل میں بھی یہی نیت رکھو،دل کا حال تو اللہ میاں جانتے ہیں،اصلاح نفس تو دل کے اوپر ہے۔اس طرح سے اطلاع واتباع کا سلسلہ اعتقاد وانقیاد کے ساتھ کسی شیخ کامل سے ایک عرصہ رکھو گے تو ضرور اپنے نفس کی معرفت اور اس پر قابو حاصل ہو جائے گا اور یہ نفس ان شاء اللہ نفس مطمئنہ بن جائے گا۔

دعا کر لیجئے حق تعالیٰ ہمیں اپنے نفس کی معرفت عطاء فرمائے اور رذائل نفس پر قابو عطا فرمائے۔آمین

۲۔خوش خُلقی کیا ہے؟

خطبہ ماثورہ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.
وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ۚ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴿۳۴﴾ وَمَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۳۵﴾ . (سورۂ حٰمٓ السجدہ آیت ۳۴-۳۵)

اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، بلکہ ہر ایک کا اثر جدا ہے تو آپ اپنے نیک برتاؤ سے بدی کو ٹال دیا کیجئے پھر آپ سے جس شخص نے عداوت کی یکا یک وہ ایسا ہو جائے گا جیسا کہ آپ کا کوئی دلی دوست ہوتا ہے اور یہ بات انہی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے مستقل مزاج صبر کرنے والے ہیں۔ اور یہ بات اسی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحب نصیب ہے۔

کلام پاک نے مختلف عنوان سے خوش خلقی کی ترغیب دی ہے۔ خوش خلقی کا حاصل قرآن پاک کی اس آیت ﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ﴾ سے بہت کچھ واضح ہو جائے گا۔ اگر کوئی تمہارے ساتھ برائی سے پیش آئے، اچھے طریقے سے نہیں پیش آئے زیادتی کرے تم اس کو خوش خلقی کے ساتھ دفع کرو۔ قرآن میں صاف تعلیم ہے کہ دیکھو خوش خلقی سے پیش آیا کرو چاہے وہ آدمی تم سے دشمنی ہی کیوں نہ کرتا ہو۔ اور اس کا انعام کتنا بڑا ہے کہ وہی شخص جس کو تم سے دشمنی تھی وہی تمہارا دلی دوست، جگری دوست بن جائے گا۔

آجکل ہم آپس میں ہی عداوت اور دشمنی میں مبتلا ہیں۔ رشتے داروں میں تعلقات کی خرابی کا بڑا مسئلہ ہے۔ صوفی صاحب ہیں؟ مرید ہیں؟ شیخ ہیں، خلیفہ ہیں؟ سب کا ہی حال عجیب ہے جہاں دیکھئے وہاں جھگڑے ہی جھگڑے۔ کہتے ہیں کہ بھئی

کیا کریں وہ تو برائی کرتا ہے یوں کرتا ہے، یوں کرتا ہے۔ ہم جو چاہیں کہیں اور جس پر چاہیں الزام ڈال دیں مگر حقیقت یہ ہے کہ قصور ہمارا ہے، قرآن پاک کی تعلیم تو یہ ہے کہ اگر تم اچھی طرح سے پیش آؤ اور برائی کو اچھی طرح سے دفع کرو یعنی برے سلوک کا جواب برے سلوک سے نہ دو بلکہ خوش خلقی اور محبت سے پیش آؤ تو وہ تمہارا جگری دوست بن جائے گا۔ جب حق تعالیٰ نے یہ فرما دیا ہے تو ہمیشہ ایسا ہی ہوگا۔ قیامت تک کے لئے یہ قانون بن گیا۔ جو چاہے آزما کر دیکھ لے۔ اس کے خلاف ہو کیسے سکتا ہے؟ کیا حق تعالیٰ کا کلام غلط ہو جائے گا؟ کبھی نہیں۔ مسلمان ایسا وسوسہ بھی نہیں لا سکتا۔ اور دیکھئے اس پر عمل کرنے کے لئے جس چیز کی ضرورت ہوگی وہ بھی حق تعالیٰ نے قرآن میں نے بتا دیا کہ یہ جو نعمت ہے خوش خلقی کی یہ ان کو ملتی ہے جو صبر کرنے والے ہیں، مستقل مزاج ہیں۔ مستقل مزاج سے مراد یہ ہے کہ جب ناگوار امور پیش آتے ہیں تو وہ دل کو جماتے ہیں اور کرتے وہی ہیں جو اللہ کا حکم ہے۔ اور یہ خوش نصیبی کی بات ہے۔ یہ بڑے نصیب کی بات ہے۔

اب دیکھئے خوش خلقی ہے کیا؟ اب یہ کیسے بیان کریں، خوش خلقی کی تعریف کیسے کریں۔ لیکن ایک بات سمجھ لینے کی ہے کہ جیسے تمام امور ہیں دین میں، اسی طرح سے خوش خلقی کے بھی دو پہلو ہیں ایک ظاہری اور ایک باطنی۔ ایک تو ظاہری خوش خلقی ہے۔ کفار کو دیکھیں بڑے خوش خلق ہوتے ہیں۔ لیکن یہ محض ظاہری خوش خلقی ہے جیسے ایک پودا بغیر جڑ کا ہو۔ جڑ تو باطنی خوش خلقی ہے کہ قلب میں بھی اس شخص کے لئے محبت ہو۔ یہ ناپید ہے۔ محض ظاہری خوش خلقی رنگ نہیں لائے گی۔ قرآن میں بھی جب کہا گیا کہ ﴿ادفع بالتی ھی احسن﴾ کہ برائی کو اچھی طریقے سے دفع کرو تو اس کا مقصود یہ ہے کہ دل میں بھی اس کے لئے شفقت اور محبت رکھے۔ یہ چیز ہمیں اپنے اندر پیدا کرنی ہے، یہی چیز ہمارے اندر نہیں ہے۔ خوش خلقی یہ ہے کہ دوسروں کی ایذاء کے جواب میں دعاء اور حُسن سلوک سے پیش آؤ۔

یوں تو خوش خلقی بہت آسان ہے اگر کوئی آپ کو لڈو پیڑے دے تو آپ تو خوش خلق ہوں گے ہی۔آپ کو کھانے کی دعوت دے تو بڑی خوش خلقی سے پیش آئیں گے۔ سوال یہ ہے کہ جب کوئی ایذاء پہنچائے تو اس وقت آپ کیا کرتے ہیں،اس وقت خوش خلقی کی جانچ ہے۔دوسرے کی بدخلقی پر نظر نہ کرے اور خودغرضی نہ کرے اور کبروغضب سے اپنے آپ کو بچائے۔غضب جو ہے یعنی غصہ اس سے بہت دور رہے۔لیکن صحیح طریقے سے اگر خوش خلقی کو سمجھنا ہے تو سب سے پہلے حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات کچھ عرض کردیتا ہوں پھر اس کے بعد حدیث شریف میں خوش خلقی ہونے پر فضیلت جو آئی ہے اور خوش خلقی نہ ہونے پر جو وعید آئی ہے وہ عرض کردیتا ہوں۔اتنا ہی کافی ہوگا۔انشاءاللہ تعالیٰ جو کرنے والے ہیں اتنی ترغیب بہت کافی ہوگی۔

کلام پاک میں ہے حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ﴿وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ ۔حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خُلق کی تعریف کی گئی ہے،''اور بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ پیمانے پر ہیں''حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُسوہ ہیں،نمونہ ہیں ہمارے لئے۔جب حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق بہترین تھے تو امتی کو اُن کے اخلاق کی نقل کرنی ضروری ہے۔نمونہ اس لئے دیا جاتا ہے کہ اس کی نقل ہو بہو ویسی ہی بنادی جائے۔جب حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نمونہ بنایا گیا تو یہ محض ظاہر کا نمونہ نہیں ہے بلکہ اصل اور بڑا حصہ تو اس نمونہ کا اخلاق ہیں۔اب ملاحظہ فرمایئے اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ کسی سے جھگڑے اور نہ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اپنے سے جھگڑنے کا موقعہ دیا۔اس کی وجہ یہی لکھی ہوئی ہے کہ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ کی بہت ہی اعلیٰ درجے کی معرفت نصیب تھی۔جو شخص راہ پہ ہوتا ہے وہ دوسروں کے بُرے سلوک پر توجہ دے کر وقت ضائع نہیں کرتا۔دیکھئے حکیم الامتؒ نے مثال دی ہے کہ ایک شخص چلا جارہا تھا اپنے محبوب سے ملنے یا کوئی ایسے

ہی ضروری کام سے جو اس کو بہت محبوب ہو اور راستے میں کتے بھونکنے لگ جائیں تو عقلمند آدمی کتوں کے بھونکنے کی پرواہ نہیں کرے گا وہ اپنی راہ چلتا رہے گا یہ ہے خوش خلقی۔خوش خلقی کے لئے ضروری ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف نظر رہے،اپنا مقصود پیش نظر رہے یہ کیسی بے وقوفی کی بات ہے کہ ہم اپنے مقصود کو چھوڑ دیں ذرا سی بات کے لئے؟ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ مشرکین پر بددعا کیجئے تو فرمایا کہ میں رحمت بن کر آیا ہوں عذاب بن کر نہیں آیا۔حدیث شریف میں ہے کہ مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جارہا تھا اور حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک میں سخت حاشیہ دار چادر تھی،ایک اعرابی نے قریب جاکر چادر کو پکڑ کر کھینچا۔حضرت انسؓ نے فرمایا کہ میں نے حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک کی طرف دیکھا تو سخت حاشیہ دار چادر نے آپ کی گردن مبارک کو لپیٹ کے چھیل دیا تھا۔اس کے بعد کہنے لگا کہ اے محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے اس مال میں سے جو آپ کے پاس ہے مجھے دینے کا حکم فرمادیجئے۔حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھ کر تبسم فرمایا اور مجھے اس کو دینے کا حکم فرمایا۔اب آپ کو سمجھ میں آیا کہ خوش خلقی کسے کہتے ہیں؟ اس لئے عرض کررہا ہوں کہ خوش خلقی کا معیار سامنے آجائے اور پھر اپنا طرزِ عمل۔

ایک بات خوش خلقی کے بارے میں اور سمجھ لیجئے کہ لوگوں کے حقوق ہیں ہم پر، بیوی بچوں کے حقوق ہیں ماں باپ کے حقوق ہیں بھائی بہنوں کے حقوق ہیں دوستوں کے حقوق ہیں ملازمت میں ساتھ کام کرنے والوں کے حقوق ہیں پڑوسیوں کے حقوق ہیں حق تعالیٰ نے حقوق بنائے ہیں۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اے عزیز ہر ایک کا حق اس کی قرابت سے ادا ہوتا ہے،جو جتنا قریب ہے اتنا اس کا حق ہے۔سمجھ لو اچھی طرح سے۔اسی طرح خوش خلقی حق ہے مسلمانوں کا۔اب مسلمانوں میں جو جتنا

زیادہ قریب ہوگا اتنا ہی زیادہ اس کا حق ہوگا کہ ہم اس سے خوش خلقی سے پیش آئیں۔ یہ ہم نے کیا وطیرہ بنالیا ہے کہ باہر کے لئے تو بہت ہی خوش خلق ہیں۔ ماشاءاللہ لوگوں میں مقبول ہیں اور گھر آ کر اپنی بیوی کے لئے ایسے بدخلق۔ ہمارے حضرت نواب صاحب دامت برکاتہم نے ایک بار فرمایا کہ ایک شخص ان کی مجلس میں آتے تھے ان صاحب کی بیوی نے حضرت کو فون کیا اور کہا کہ حضرت میرے شوہر آپ کی مجلس میں آتے ہیں اور ایسا ان کا حلیہ ہے، پاجامہ بھی شریعت کے مطابق رکھا ہوا ہے اور داڑھی بھی۔ حلیہ اسلامی بنایا ہوا ہے لیکن ان کا جو انداز ہے گھر میں، میرے ساتھ ان کا جو معاملہ ہے وہ ایسا خشونت اور درشتگی کا ہے کہ جب وہ آتے ہیں تو مجھے ایسا لگتا ہے کہ جیسے بھیڑیا گھر میں آ گیا۔ ظاہر ہے وہ شخص باہر بڑے اچھے ہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق جتنا زیادہ جو قریب ہو اس سے اتنا ہی زیادہ خوش خلق ہونا چاہئے۔ اس لئے سب سے زیادہ خوش خلق بیوی سے ہونا چاہئے۔ کاش ہماری خرابی ہماری سمجھ میں آ جائے۔

ایک دفعہ مکہ مکرمہ میں قحط پڑا لوگوں نے ہڈیاں اور مردار بھی کھانے شروع کر دئے۔ ابو سفیان جو ان دنوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن تھے آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم لوگوں کو صلہ رحمی کی تعلیم دیتے ہو اور ہماری قوم ہلاک ہو رہی ہے تم اپنے خدا سے دعا کیوں نہیں کرتے؟ یہ وہ کفار تھے جنھوں نے جینا دوبھر کر دیا تھا اور مسلسل مسلمانوں کی حکومت کو ختم کرنے اور مسلمانوں کی دشمنی میں مصروف رہتے تھے۔ قریش کی شرارتیں اور ایذاء رسانیاں انسانیت کی حدود کو بھی پھاند چکی تھیں لیکن ابوسفیان کی بات سن کر آپ کے دست مبارک فوراً دعا کے لئے اٹھ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قدر مینہ برسایا کہ جل تھل ہو گیا اور قحط دور ہو گیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی ایذاء دینے پر سب سے زیادہ صابر تھے اور

سب سے بڑھ کر حلیم تھے۔ حلم کہتے ہیں کہ ناگواری کو ظاہر نہ ہونے دیا جائے۔ اور حلم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ دیکھئے ہم کتنے گناہ کرتے ہیں کیسی ہماری حالت ہے، سچ کہتا ہوں کہ اگر ہمارے حکموں کو کوئی اس قدر توڑے تو کتنے جوتے ہم اس کو لگائیں۔ اللہ تعالیٰ کے کتنے احکام کی ہم نافرمانی کرتے ہیں لیکن حق تعالیٰ اپنا غضب نازل نہیں ہونے دیتے، ہمیں کھانا بھی دے رہے ہیں پینا بھی دے رہے ہیں ساری نعماء دنیا کی بارش ہو رہی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم برائی کرنے والے سے درگزر فرماتے تھے اور جو شخص آپ سے بدسلوکی کرتا تھا آپ اس سے نیک سلوک کرتے تھے اور جو شخص آپ کو نہ دیتا آپ اس کو دیتے تھے اور جو شخص آپ پر ظلم کرتا آپ اس سے درگزر فرماتے اور کسی کام کے دو پہلوؤں میں جو آسان ہوتا آپ اس کو اختیار فرماتے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لئے کسی سے انتقام نہیں لیا آپ نے کبھی کسی چیز کو یعنی آدمی یا جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو جہاد کیا وہ اور بات ہے۔ اب دیکھئے یہ قصہ ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم غزوہ حنین سے واپس آ رہے تھے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا کہ عرب کے بدو آپ سے چمٹ گئے اور مانگنے لگے حتیٰ کہ آپ کی اونٹنی راستہ بدک گئی اور آپ کی چادر ببول کی جھاڑیوں میں پھنس گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے آپ نے فرمایا کہ میری چادر مجھے دے دو، اگر میرے پاس ان جھاڑیوں کے برابر مویشی ہوتے تو میں وہ سب مویشی تم میں تقسیم کر دیتا تم مجھے نہ بخیل پاؤ گے نہ جھوٹا نہ بزدل۔ یہ کیسے عجیب، کیسے پیارے اخلاق ہیں۔ کیوں نہ مسلمان ان کی نقل کرے؟

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مریضوں کی عیادت فرماتے تھے، جنازے میں شرکت فرماتے تھے اور دراز گوش پر سوار ہو جاتے

تھے۔غلاموں کی بھی دعوت کو قبول کرتے تھے اپنی بکری کا دودھ خود دوھ لیتے تھے اور اپنے کپڑے میں خود پیوند لگاتے تھے اور اپنی پاپوش کو بوقت ضرورت سی لیا کرتے تھے۔اور اپنا اور اپنے گھر والوں کا کام کرلیا کرتے تھے۔ ہیں ایسے اخلاق ہمارے؟ ہم! ہم تو حاکم بنے بیٹھے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خدمتگار کے ساتھ کھانا کھالیتے تھے اور اس کے ساتھ آٹا گوندھ لیتے تھے اپنا سودا بازار سے خود لے آتے تھے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت حلیم تھے کسی کو دشنام نہ دیتے تھے نہ سخت بات فرماتے نہ لعنت کرتے نہ بددعا دیتے۔آپ کافر اور دشمن سے بھی اس کی تالیف قلب کی توقع پر کشادہ روئی سے پیش آتے اور ظاہر کی بے تمیزی کی بات پر صبر فرماتے اور اپنے گھر میں آکر گھر والوں کے کام کا انتظام فرماتے۔آپ کی کشادہ روئی اور انصاف سب کے لئے عام تھا اور غصہ آپ کو بیتاب نہیں کرتا تھا۔حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آپ سب سے بڑھ کر دل کے کشادہ، طبیعت کے نرم تھے معاشرت میں بہت سلیم تھے اور جو شخص آپ کی دعوت کرتا اس کی دعوت منظور فرماتے اور ہدیے کو قبول فرماتے اگرچہ وہ ہدیہ بکری کا پایہ ہی ہوتا اور ہدیے کا بدل بھی دیتے تھے اور دعوت آزاد کی غلام کی لونڈی کی سب کی قبول فرماتے اور مدینہ کی انتہائے آبادی پر بھی کوئی مریض ہوتا تو اس کی عیادت فرماتے اور معذرت کرنے والوں کا عذر قبول فرمالیتے اور اپنے اصحاب سے مصافحہ میں ابتداء خود فرماتے اور کبھی اپنے اصحاب میں پاؤں پھیلائے ہوئے نہیں دیکھے گئے جس سے اوروں کے لئے جگہ تنگ ہوجائے۔اور جو آپ کے پاس آتا اس کی خاطر کرتے اور بعض اوقات اپنا کپڑا اس کے بیٹھنے کے لئے بچھادیتے اور گدا تکیہ خود چھوڑ کر اس کو دے دیتے اور کسی شخص کی بات بیچ میں نہ کاٹتے اور تبسم فرمانے میں اور خوش مزاجی میں سب سے بڑھ کر تھے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آٹھ برس کی

عمر سے تھے دس سال یا نو سال کے لئے اور فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بات پر بھی مجھے ملامت نہیں کی۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی اپنے ذاتی معاملے اور مال و دولت کے سلسلے میں کسی سے انتقام نہیں لیا۔حدیث شریف میں ہے کہ ایک سفر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک بکری ذبح کرنے کا ارادہ فرمایا اور اس کا کام تقسیم فرمایا ایک نے اپنے لئے ذبح کرنا لیا ایک نے کھال اتارنا کسی نے پکانا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پکانے کے لئے لکڑی اکٹھا کرنا میرے ذمے ہے۔ بیٹھے نہیں رہے حالانکہ سردار الانبیاء ہیں۔صحابہ کرامؓ نے فرمایا کہ یا حضور ﷺ یہ کام ہم خود کرلیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ تم لوگ یہ بخوشی کرلو گے لیکن مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میں مجمع میں ممتاز رہوں اور اللہ تعالیٰ بھی اس کو ناپسند فرماتے ہیں۔

ترمذی شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ جنت میں لوگ زیادہ کس صفت کی وجہ سے جائیں گے، فرمایا کہ خدا کے خوف سے اور خوش اخلاقی سے۔اصل میں خوش خلقی ہو ہی نہیں سکتی جب تک اللہ تعالیٰ کا خوف نہ ہو۔خوش خلقی کا یہ مطلب نہیں کہ ہر وقت ہنسو اور قہقہے لگاؤ، بالکل غلط ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہنسنا تو ہوتا ہی نہیں تھا وہ تبسم فرماتے تھے۔اور میں نے اپنے حضرت کو دیکھا ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحبؒ کہ بس کبھی کسی بات پر ہنسی آئی تو بس تبسم تک ہوتی تھی پھر فوراً بجھ سی جاتی تھی، خشیت کا اتنا غلبہ تھا، لیکن خوش خلقی میں ایسے تھے کہ آخری عمر ہے مختلف عارضات کی وجہ سے ضعف ہے تکلیف بھی ہے رات کو ڈھائی تین بجے اٹھنے والے بھی ہیں حضرت لیٹ بھی چکے ہیں کپڑے بدل کر لیکن اس کے باوجود میرے سامنے کی بات ہے کہ رات کو گیارہ بجے کوئی ملنے آجائے تو کپڑے بدل کر آجاتے اور پھر شفقت سے باتیں کرتے۔یہ خوش خلقی تھی جو ہمیں سیکھنی چاہیے۔

بات نہیں آتی کہ اس کا اصل سبب ظلم ہے۔

ان آیات سے پہلے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے قبول کرنے کے لئے کھول دیا ہے اور وہ اپنے پروردگار کے عطا کئے ہوئے نور پر ہے، اس کا دل کھل گیا اس کا دل منور ہوگیا، اور نور سے یہ مت سمجھ لیجئے کہ کوئی روشنی ہماری ٹیوب لائٹوں کے جیسی آئے گی، یہ نور وہ ہے جس سے ہم پر عیب ہمارے ظاہر ہوتے ہیں نور سے مراد ہمیشہ یہی ہوتا ہے۔ ہدایت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب ہم کو عیب ہمارے نظر آئیں۔ عیب اگر نظر نہیں آئیں گے تو کیسے آپ اپنی اصلاح کریں گے؟ ہدایت کا تو صرف ایک راستہ ہے کہ اپنی ذات کو شریعت کے مطابق بنالو اور یہ اس وقت ممکن ہے جب تم کو اپنے عیب نظر آئیں۔ اپنی باتیں شریعت کے خلاف نظر آتی ہیں؟ جب تم کو اپنی باتیں شریعت کے خلاف نظر ہی نہیں آتی ہیں تو یہ کس قسم کا نور ہے؟ بالکل نور نہیں ہے تم ظلمت میں ہو بالکل گمراہی میں ہو اگر تم کو اپنے عیب نظر نہیں آتے اپنی باتیں شریعت کے خلاف نظر نہیں آتیں۔ دیکھئے تین باتیں ہوسکتی ہیں، آپ کے کپڑے پر گندگی لگ جائے تو تین ہی باتیں ہوسکتی ہیں ایک تو یہ کہ آپ کو گندگی نظر آئے، جب گندگی نظر آئے گی تو آپ بے تاب ہوجائیں گے یا اللہ اس گندگی سے کیسے چھٹکارا پاؤں۔ جتنی تدبیریں ہوسکتی ہیں سب اختیار کرلیں گے کوئی بہت ہی غلیظ الطبع ہوگا جو ایسے ہی گندگی کو چھوڑ دے۔ ایک تو یہ صورتحال ہے۔ دوسری یہ ہے کہ اس کو پتہ ہی نہیں ہے دوسرے لوگ ہنس رہے ہیں جن کو نظر آتا ہے وہ ہنستے ہیں سمجھتے ہیں خود اس کو نظر نہیں آرہا۔ تیسری یہ ہے کہ پتہ خوب ہے کہ گندگی ہے لیکن پھر بھی حرکت میں نہیں آرہا، یہ تو بے حسی ہے۔ اور یہ اگر کوئی شخص کہے کہ ہم تو گندے ہی نہیں ہیں ہمارے اندر گندگی ہی نہیں ہے، بہت بڑا دعویٰ ہے۔ انبیاء علیہم السلام تک اپنے آپ کو پاک نہیں بتاتے تھے، ﴿وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِی﴾ میں تو اپنے نفس کو پاک نہیں بتاتا۔ ﴿اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ﴾ یہ تو ہے ہی کثرت سے

بُرے کام کا حکم دینے والا۔ اور قرآن میں ہے ﴿فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا﴾ ہم نے تمہارے دلوں میں فجور اور تقویٰ دونوں ڈالا ہوا ہے تم کیسے کہتے ہو کہ صرف تقویٰ لے کر بیٹھے ہوئے ہو؟ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ﴿فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا﴾، جب تمہارے نفس کو پیدا کیا تو اس کے اندر سارے رذائل ڈال دیئے یہ دعویٰ کیسے ہے کہ ہمارے اندر رذائل نہیں ہیں، ہم تو رذائل لئے بیٹھے ہیں ہمیں نظر نہیں آتے۔ یہ وہی حال ہے کہ کپڑوں کے اوپر ہمارے گندگی لگی ہوئی ہے پاخانہ جسم پر لگا ہوا ہے اور ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم تو عطر لئے بیٹھے ہیں خوشبو لئے بیٹھے ہیں، یہ حالت ہم میں سے اکثر کی ہے۔ تو جب اسلام کے قبول کا دروازہ کھل جاتا ہے تو عیب اپنے نظر آتے ہیں یہی نور ہے۔ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ ایک مجلس میں تشریف رکھتے ہیں رمضان کا زمانہ ہے علماء بیٹھے ہیں سارے ہندوستان سے لوگ آتے تھے بالخصوص رمضان المبارک میں بڑا مجمع ہوتا تھا تو بڑے متقی بڑے بڑے علماء اور دوسرے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں اور سب حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا بڑا سمجھتے ہیں، اپنے وقت کے مجدد تھے حکیم الامت تھے ہزار تصانیف تھیں حدیث میں ماہر تھے قرآن میں ماہر تھے تفسیر میں ماہر تھے کسی کی مجال نہیں تھی کہ اُن کے سامنے زبان بھی ہلا سکے۔ فرماتے ہیں، باور کرو گے روزے سے ہوں بقسم کہتا ہوں، مجھ کو اپنے سے زیادہ ذلیل شخص دنیا میں کوئی نظر نہیں آتا۔ یہ ان کے دل میں سب سے زیادہ تھا۔ یہی حال صحابہ کا تھا۔ دیکھئے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی شان کیا تھی، آج تو ہم جھنڈا لے کر سمجھتے ہیں کہ ہم ہی امیر المؤمنین ہیں۔ ہر شخص اپنے آپ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سمجھتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حال کیسا تھا آپ کو معلوم ہے؟ حدیث شریف میں ہے کہ اکثر صحابہ اپنے کو منافق سمجھتے تھے یہ حال تھا۔ ان کو اپنے عیب نظر آتے تھے اس لئے وہ اپنے آپ کو منافق سمجھتے تھے۔ اور منافق کے کہتے ہیں، کلام پاک میں ہے کہ منافق جہنم کے سب سے زیادہ بدترین سب سے نچلے درجے میں ہوگا۔ تو جب وہ اپنے آپ کو منافق سمجھتے تھے تو کافر

حضور اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ جنت میں لوگ زیادہ کس صفت کی وجہ سے جائیں گے؟ فرمایا خدا کے خوف کی وجہ سے اور خوش اخلاقی کی وجہ سے۔ پھر پوچھا گیا کہ جہنم میں لوگ کس وجہ سے سب سے زیادہ جائیں گے، فرمایا کہ منہ اور شرمگاہ کی وجہ سے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چیزیں ترازو میں رکھی جائیں گی ان میں سب سے بڑی بھاری چیز خوش خلقی ہے۔ افسوس! ہم اسی کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا یا رسول اللہ ﷺ دین کیا ہے؟ آپ نے فرمایا نیک خلق۔ یعنی خوش خلقی۔ وہ داہنے اور بائیں سے آکر بار بار یہی پوچھتا آپ ہر بار یہی جواب ارشاد فرماتے کہ خوش خلقی ہی دین ہے۔ اور واقعی دین ہے یہی بشرطیکہ خوش خلقی کے نتیجے میں گناہ نہ ہو۔ آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نہیں جانتا کہ دین یہی ہے کہ غصہ میں نہ آیا کر۔ پتہ چلا کہ خوش خلقی کا بڑا تعلق اس سے ہے کہ غصہ نہ آئے۔ غصے کو ضبط کر لیا صبر کر لیا تو خوش خلق ہو جائے گا۔ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بُرا بھلا کہا، جب وہ کہہ چکا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے غلام عکرمہ سے فرمایا کہ اگر ہم اس آدمی کا کوئی کام کر سکیں تو کر دینا۔ اس شخص نے یہ سنا تو شرم کے مارے سر جھکا لیا۔

عارف باللہ حضرت عارفیؒ کی سوانح حیات میں یہ مضمون موجود ہے کہ حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج میں خادمیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی مخدومیت کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ ایک عظیم منصب ایسا ہے کہ اس سے آپ کو کوئی معزول نہیں کر سکتا کوئی اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتا وہ منصب خدمت ہے۔ نوکر بن جاؤ خادم بن جاؤ۔ خدمت کرو یعنی نوکروں والی خدمت کرو۔ خادم بن جاؤ ہر کام میں دوسروں کی خدمت کی نیت کر لیا کرو۔ اور ساری خرابیاں مخدوم بننے سے پیدا ہوتی ہیں۔ واقعی حضرتؒ نے صحیح فرمایا۔ ہم شوہروں میں تو یہی مرض ہے، بیوی میری خدمت کرے۔ مگر عورتوں میں یہ مرض نہیں اس لئے عورتیں بہت جلد اللہ والی ہو جاتی

ہیں اگر وہ کوشش کریں۔ وہ بیچاری تو ماں باپ کی خدمت کرتی آئیں اب شوہر کی خدمت کرتی ہیں۔ دماغ میں یہ وسوسہ بھی نہیں آتا کہ ہم مخدوم ہیں، ان کے دماغ میں ہر وقت یہی ہے کہ ہم خادم ہیں۔ یہ اُن کی بتا رہا ہوں جو شرفاء ہیں، اب تو خیر سوچنے کا یہ انداز بھی رخصت ہوتا چلا جا رہا ہے لیکن ابھی بھی اکثر و بیشتر یہی ہے عورتیں یہی سمجھتی ہیں کہ ہم خادم ہیں شوہر کی خدمت ہمارے ذمے ہے۔ بچپن سے ایسے ہی خدمت کرتی چلی آئی ہیں، ماحول ہی ایسا ہے۔ تو عورتوں کو تو اللہ تعالیٰ تک پہنچنا بہت ہی آسان ہے کہ خوش خلقی کا اعلیٰ معیار ان کو پہلے سے حاصل ہے، ہم اپنی خیر منائیں کیونکہ ہم تو اس کا بالکل الٹ ہیں ہم تو مخدوم بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حضرتؒ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ بھئی مخدوم بن کر کیا کرو گے، خادم بنو۔ ایک مرتبہ حضرت عارفیؒ کے ساتھ ساتھ مسجد سے باہر نکلا تو حضرت نے فرمایا کہ اپنے کو بیوی بچوں کا خادم سمجھو۔ خوش خلقی اگر چاہتے ہو تو مخدومیت کا خناس نکالو، ساری خرابیاں مخدوم بننے سے پیدا ہوتی ہیں۔ خادم بننے میں نہ کوئی خرابی ہے نہ جھگڑا۔ یہ منصب سب سے اعلیٰ ہے کیونکہ ہمارے اللہ میاں کو بندے کی عبدیت ہی سب سے زیادہ پسند ہے خادم ہونا عبدیت کا حصہ ہے۔ پھر فرمایا سید القوم خادمھم ہے، قوم کا سردار وہ ہے جو ان کی خدمت کرے۔ یہ منصب سب سے اعلیٰ ہے اور سب سے محبوب بھی ہے۔ حضرت عارفیؒ کی خوش خلقی کے بارے میں ایک بات اور بھی یاد رکھنے کی ہے کہ ساٹھ سال کی جو شادی شدہ زندگی حضرت نے گزاری تو آپا نے یعنی حضرت کی اہلیہ نے حضرتؒ کے وصال کے بعد یہ بتایا کہ حضرتؒ نے اپنی پوری زندگی میں کبھی مجھ سے لہجہ بدل کر بات نہیں کی اور حضرتؒ نے اپنی پوری زندگی میں کبھی کسی کام کو پیرانی صاحبہ سے نہیں کہا۔ اندازہ کریں ذرا۔

حدیث شریف میں ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے جسے خوش خلقی اور خوبروئی عطا فرمائی ہے اسے دوزخ میں نہ ڈالے گا۔ ایک تو وہ خوبرو ہو

اور ایک وہ خوش خلق ہو، حق تعالیٰ اسے دوزخ میں نہ ڈالیں گے۔اب ماشاء اللہ آپ سبھی خوبرو ہیں، یہاں کون ہے جو خوبرو نہیں ہے، بھئی حق تعالیٰ نے جسے پیدا کیا جس کی آنکھ بنائی ناک بنائی وہ خوبرو نہیں تو اور کون خوبرو ہے؟ سب خوبرو ہیں۔حق تعالیٰ کی بنائی ہوئی شکل کو جب تک کوئی بگاڑتا نہیں وہ مرد ہو یا عورت ہو سب خوبرو ہیں۔ ہاں! حق تعالیٰ کی بنائی ہوئی شکل کو بگاڑ دیا تو اب خوبروئی سے نکل گئے۔تو یہ جو آپ کے دماغ میں ہے کہ آپ خوبرو ہیں، صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بنایا ہے، اللہ تعالیٰ کو آپ کی ناک ایسی ہی بنانی تھی ایسی ہی بنی، اللہ تعالیٰ کو آپ کی آنکھ ایسی ہی بنانی تھی ایسی ہی بنی، ہاں اب آپ کاٹ چھانٹ کریں تو آپ خوبروئی سے نکل گئے۔ عورتیں اپنے بالوں کو کاٹنے لگ جائیں اب اس خوبروئی میں داخل نہیں ہیں۔اپنے اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی جو شکل ہے وہی تو خوبرو ہوگی اور کونسی ہوگی؟ اس لئے ہم سب خوبرو ہیں۔اب کمی کیا ہے، خوش خلقی کی کمی ہے۔اور دیکھئے جب خوش خلقی جاتی ہے تو خوبروئی بھی جاتی ہے، کیسا کوئی خراب سا بن جاتا ہے! آئینہ دیکھ لیجئے گا اس وقت کیسی گندی شکل بناتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے جو شکل بنائی ہے وہی رہنے دیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے فرمایا کہ یا حضرت ﷺ فلاں عورت دن کو روزہ رکھتی ہے رات کو نماز پڑھتی ہے یعنی نفلیں، لیکن بدخلق ہے پڑوسیوں کو زبان سے تنگ کرتی ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ھِیَ فِی النَّار، وہ دوزخی ہے۔اور جب ایک ایسی عورت کا تذکرہ ہوا کہ نفل نماز روزے تو کچھ نہیں کرتی تھی لیکن اخلاق اچھے تھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں فرمایا ھِیَ فِی الْجَنَّۃ، وہ تو جنتی ہے۔خوش خلقی ایسی چیز ہے۔کئی بار اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب قدس سرہ کی حیات میں مدینہ منورہ جانا ہوتا تھا۔حضرت ایک چیز بار بار سناتے تھے کہ صحابہ کرامؓ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک ایسی چیز بتاؤں جو دن بھر نفل روزے رکھنے سے اور رات بھر نفل عبادت کرنے سے

افضل ہے تو صحابہؓ کو اس بات کے جاننے کا بہت اشتیاق ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ چیز خوش خلقی ہے۔پھر صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ اس سے بڑھ کر تمہیں ایک بات بتادوں؟ تو صحابہ کرام حیران ہوئے کہ اس سے بڑھ کر کیا بات ہوسکتی ہے۔ فرمایا کہ اپنی بیوی سے خوش خلق رہو، یہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بدخلقی عبادتوں کو ایسے تباہ کرتی ہے جیسے سرکہ شہد کو خراب کرتا ہے۔پڑھ لی تہجد آپ نے؟ رہے گی وہ بدخلقی کے بعد باقی؟ یہ کیسی تہجد آپ کی ہے اور کیسی تسبیحات ہیں؟ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خود دعاء ہے۔دیکھئے آئینہ دیکھنے پر کیا دعاء حدیث شریف میں آئی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دعاء فرماتے تھے کہ یا اللہ آپ نے میری صورت اچھی بنائی ہے، میری سیرت بھی اچھی بنا دیجئے۔خوش خلق بنا دیجئے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا چیز بہتر ہے جو خداوند کریم بندے کو عطا فرماتے ہیں، آپ نے فرمایا خوش خلقی۔نعمتوں میں سب سے بہترین خوش خلقی ہے۔اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خوش خلقی گناہوں کو اس طرح نیست و نابود کردیتی ہے جس طرح آفتاب برف کو۔برف کو اگر آپ سورج کی روشنی میں رکھ دیں گے تو وہ پگھل جائے گی۔اسی لئے کہتے ہیں کہ خوش خلقی گناہوں کو نیست و نابود کر دیتی ہے۔

حضرت خبیب بن ایاز رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ فاسق خوش خلق کی صحبت یعنی فاسق ہو مگر خوش خلق ہو، فاسق کہتے ہیں جو گناہ پہ اصرار کرنے والا ہے، گناہ کو چھوڑنا نہیں چاہتا، فاسق خوش خلق کی صحبت عالم بدخلق کی صحبت سے مجھے بہت پسند ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ ہیں ان کا ایک بدخلق آدمی سے راہ میں سابقہ ہوگیا۔جب اس سے جدا ہوئے تو رونے لگے، لوگوں نے پوچھا کہ آپ کیوں روتے ہیں فرمایا کہ اس وجہ سے روتا ہوں کہ وہ بیچارہ میرے پاس سے گیا اور خوئے بد بھی لے گیا۔یعنی اتنے بڑے بزرگ تھے لیکن اس کا علاج نہیں کر سکے کیونکہ

سے نہیں بدتر سمجھتے ہوں گے؟ منافق اپنے کو سمجھیں تو کیا کافر سے بدتر نہیں ہوا؟ صحابہ کا یہ حال تھا یہی تو ایمان ہے یہی تو اسلام کی نشانی ہے۔تمام اولیاء کا یہی حال ہے کہ اپنے کو سب سے بدتر سب سے ذلیل سمجھتے ہیں۔نور تو یہی ہے کہ ہدایت کا راستہ نظر آئے۔جب تم کو اپنے عیب نظر نہیں آتے تو کیسے ہدایت ہوگی، ہے کوئی طریقہ؟ عقل کو استعمال کیجئے، ہے کوئی طریقہ تو بتا دیجئے، سارے عقلاء بیٹھ جائیں اور بتائیں کہ جس شخص کو اپنے عیب نظر نہیں آتے کیا اس کو ہدایت ہو سکتی ہے؟ کیسے ہو سکتی ہے؟

کلام پاک میں ہے کہ ایسا شخص جس کا دل اسلام کے لئے کھل گیا یعنی جس کو اپنے عیب نظر آرہے ہیں اور وہ شخص جو دل میں قساوت لئے ہوئے ہو، برابر ہے؟ کلام پاک پوچھتا ہے اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں کیا یہ برابر ہیں؟ تو جن لوگوں کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے متاثر نہیں ہوتے ان کے لئے بڑی خرابی ہے یہ لوگ بڑی گمراہی میں ہیں۔اللہ تعالیٰ نے بڑا عمدہ کلام نازل فرمایا ہے کلام پاک کی آیت آپ دیکھیں گے تو وہی آیت مختلف جگہوں پہ ملتی جلتی نظر آئے گی، وہی مضمون پہلے اس انداز سے پھر وہی مضمون دوسرے انداز سے، وہی موسیٰ علیہ السلام کا قصہ پہلے وہاں پھر وہاں پھر وہاں مختلف انداز ملتے جلتے انداز میں۔اللہ تعالیٰ نے بڑا عمدہ کلام نازل فرمایا ہے یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں باہم ملتی جلتی ہے اور بار بار دہرائی گئی ہیں ایک مضمون کو کلام پاک میں بار بار دہرایا گیا ہے ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰن﴾ ایک بار پھر وہی دوسری بار پھر وہی تیسری بار، وہی کلام تو دہرایا جارہا ہے لیکن حال کیا ہوتا ہے جس سے ان لوگوں کے بدن میں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، کانپ اٹھتے ہیں پھر ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔یہ قرآن اللہ کی ہدایت ہے جس کو وہ چاہتا ہے اس کے لئے ہدایت کرتا ہے اور خدا جس کو گمراہ کرتا ہے اس کا کوئی پرسان حال نہیں کوئی ہدایت کرنے والا نہیں۔

جب اللہ تعالیٰ کا قہر ہو جائے کسی پر پھر اس کو اپنے عیب نظر نہیں آتے پھر وہ اپنے

آپ کو بہت اچھی حالت میں دیکھتا ہے پھر وہ ظلم کرتا ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت میں بتایا گیا۔اس مضمون کے بعد اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ بھلا وہ شخص جو اپنے منہ کو قیامت کے روز سخت عذاب کا لینے والا بنا دے گا ایسے ظالموں کو کہا جائے گا کہ جو کچھ تم کیا کرتے تھے اس کا مزہ چکھو تو یہ ظلم ہے جس کا یہ انجام ہوگا۔آج جس ظلم کی طرف توجہ دلانی ہے اس میں ہم سب مبتلا ہیں اور میں خود بھی مبتلا ہوں میں اپنے لئے یہ مضمون عرض کر رہا ہوں، وہ یہ ہے کہ ہماری معاشرت ظلم کی معاشرت ہے۔اسلام کا نام لینے والے تو بہت ہیں لیکن اگر آپ ان کو پرکھنا چاہتے ہیں تو ان کے گھر کے اندر جا کر ان کی معاشرت دیکھیں کہ وہ کیا کرتے ہیں۔

اسلامی معاشرت کیسی ہونی چاہئے اور اسلامی معاشرت کی اہمیت ہے یا نہیں؟ حکیم الامتؒ نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہی آداب المعاشرت ہے۔حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں لوگ ہوتے تھے حکیم الامت خود فرماتے ہیں کہ رمضان کا زمانہ ہوتا تھا اور بعض حضرات فجر کی نماز میں سوئے ہوئے ہوتے تھے خانقاہ میں آئے ہوئے مرید، فرماتے تھے میں کچھ نہیں کہتا تھا کیونکہ زیادہ سے زیادہ اپنا نقصان کر رہا ہے۔لیکن اگر کسی نے ایسی بات کی ہے جو اسلامی معاشرت کے خلاف ہے جس سے کسی کو ایذاء پہنچ رہی ہے تو حضرت سخت تنبیہ کرتے تھے کبھی خانقاہ سے نکال دیتے تھے کبھی ڈانٹتے تھے، اس چیز کو برداشت نہیں کرتے تھے۔آج ہم نے اسلامی معاشرت کو چھوڑ کر کفار اور ہندوؤں کی معاشرت کو اپنایا ہوا ہے اور پھر اسلام کا نام بھی لیتے ہیں۔جو لوگ اسلام کے دعوے کرتے ہیں اگر آپ ان کو پرکھنا چاہتے ہیں تو آپ ان کے گھروں میں جا کر دیکھئے، خالی اوپر سے اسلام کا نام لینے سے تو کام نہیں بنتا۔حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ تم کو بزرگ بننا ہو قطب بننا ہو ابدال بننا ہو تو کہیں اور جاؤ، اگر تم کو انسان بننا ہو تو یہاں آؤ۔یہ تھی وہ خانقاہ۔تو کتاب آداب المعاشرت اسی

علاج تو طلب سے ہوتا ہے۔اور حضرت ذکریا بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ خوئے بد یعنی بدخلقی اتنا بڑا گناہ ہے کہ کوئی عبادت اس کو سودمند نہیں ہوتی اور خوش خلقی اتنی بڑی عبادت ہے کہ کوئی گناہ اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

حق تعالیٰ توفیق عطا فرمائے اللہ تعالیٰ خوش خلق بنائے ہم سب کو، ہم خوش خلقی کو چھوڑے ہوئے ہیں۔تماشہ مچا ہوا ہے۔کہیں بیوی کی شکایت ہے، کہیں شوہر کچھ کہتا ہے، یہ خوش خلقی قابو میں نہیں آتی۔یہی چیز تو سیکھنے کی ہے بزرگوں سے۔سیکھنے کی چیز یہی ہے کہ خوش خلقی سیکھو اور خوش خلقی یہ نہیں کہ یوں کہو کہ صاحب وہ ایسا کرتا ہے اور وہ ایسا کرتی ہے۔دوسرے جب آپ کے خلاف کرتے ہیں یا ایذاء پہنچاتے ہیں تب ہی تو آپ کا امتحان ہے، جبھی تو آپ کی آزمائش ہے۔جب کوئی ایذاء دے اس پر بھی اپنی خوش خلقی کو برقرار رکھو یہی تو خوش خلقی ہے۔

اب جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش خلقی کا حال سن لیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی باتوں سے خوش خلقی کی اہمیت واضح ہوگئی یہ سب سن کر ایک مسلمان جس کے دل میں ایمان ہے اور اللہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے وہ یقیناً یہ چاہے گا کہ مجھے بھی خوش خلقی نصیب ہو۔تو سوال یہ ہے کہ اس کا علاج کیا ہے، خوش خلقی ہو کیسے حاصل؟ بدخلقی سے کیسے چھٹکارا ہو؟

طالب صادق کے لئے ایک علاج جو خود مجھے مفید محسوس ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک دُھن ہو کہ خوش خلقی حاصل کرنی ہے، تہیہ کرلیا جائے کہ خوش خلقی حاصل کرکے چھوڑیں گے۔اس کے بعد ہر وقت یہ دھیان رکھیں کہ مجھے مرض ہے بدخلقی کا۔جب کوئی معاملہ آتا ہے تو میں اس طرح چڑچڑاہٹ سے یا سختی سے پیش آتا ہوں، ملائمت اور نرمی کا رویہ نہیں ہوتا، یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے مجھے ہوشیار رہنا ہے تاکہ بدخلقی کے تقاضے پر عمل نہ ہو۔یہ ایک بنیادی علاج ہے۔انشاءاللہ طالب کا کام بن ہی جائیگا مگر علاج کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ ایسے اللہ والے سے رجوع کرو جو ایسے امراض کے علاج

کا ماہر ہو۔اپنی خودرائی ختم کرکے ساری حالت اس کو بتاؤ۔خودرائی کو دخل نہ دو، بس اپنا حال اس کو بتادو پھر وہ جو علاج بتائیں اس پر عمل کرو اور عمل کرکے پھر اس کو اطلاع دو اور اس سلسلے کو جاری رکھو وہ پھر تمہیں غصے پر قابو کی تدبیریں بھی بتائیں گے اور ناگوار امور پر صبر کی مشق کرائیں گے اور حتیٰ کہ خوش خلقی نصیب ہو جائے گی اور راسخ ہو جائیگی۔توفیق عمل کی دعاء کرلیں۔

۳۔ظلم اور ہماری معاشرت

خطبۂ ماثورہ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿أَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ﴾. (سورۃ الزمر آیت ۲۴)

بھلا جو شخص اپنے منہ کو قیامت کے روز سخت عذاب لینے والا بنادے گا اور ایسے ظالموں کو کہا جائے کہ جو کچھ تم کیا کرتے تھے اس کا مزہ چکھو۔

ظالم کے بارے بہت ہی سخت وعید کلام پاک میں مختلف جگہوں پر آئی ہے۔ یہ وعید تو بہت ہی سخت ہے۔ قیامت کے روز حال یہ ہوگا ظالموں کا کہ ان کے ہاتھ پیر جکڑ دیئے جائیں گے اور عذاب جو ہوگا اللہ تعالیٰ کا وہ منہ کے اوپر لیتے جائیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انتہائی شدید عذاب ظلم کی بناء پر کیا جائے گا۔

اب دیکھئے ظلم کتنی شدید چیز ہے۔ اس کا انجام کتنا بھیانک ہے۔ اس سے بچنے کے لئے اس کو سمجھنا ضروری ہے۔ ظلم کی تعریف یہ ہے کہ جس چیز کو جس مصرف کے لئے اللہ تعالیٰ نے بنایا ہو اس کو اس مصرف کے علاوہ کہیں استعمال کرنا ظلم ہے۔ مثلاً قلم ہے اگر ہم اس سے زمین کھودنا شروع کریں تو یہ ظلم ہے کیونکہ قلم اس مقصد کے لئے نہیں ہے قلم کا یہ مصرف نہیں ہے۔ میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ یہ ظلم ہے، ظلم کا وبال آئے گا۔ تم اس چیز سے وہ کام لیتے ہو جو اس کا مصرف نہیں ہے۔ اسی طرح سے تمام چیزوں کو آپ دیکھ لیجئے۔ خود اپنے نفس پر ظلم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نفس کو اپنی بندگی کے لئے اپنی اطاعت کے لئے بنایا تم اس کو بگاڑتے ہو اس کی شکل بگاڑتے ہو اور اس کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف استعمال کرتے ہو یہ تمہارا نفس پر ظلم ہے تمہارا انجام وہی ہوگا جو ظالموں کا انجام ہوگا۔ اسی طرح سے اپنی چیزوں کا جائزہ لے لیجئے

اپنے متعلقین کا جائزہ لے لیجئے بیوی بچوں کا جائزہ لے لیجئے اپنی ملازمتوں کا جائزہ لے لیجئے کہ کس طرح سے ہم ظالمانہ افعال میں مبتلا ہوتے ہیں۔

ظلم کے مختلف عنوان ہیں۔ ہم مسلمان ظلم میں شدت سے گرفتار ہیں اور اس کی وجہ سے جو وبال ہے قہر ہے اللہ تعالیٰ کا رُک نہیں سکتا۔ ظلم ایک ایسی چیز ہے جس کے بارے میں یہ ہے کہ اس کا وبال دنیا میں آکے رہتا ہے۔ اُس شخص کو جو ظالم ہوتا ہے خود دنیا میں اس کو بھگتنا پڑتا ہے اللہ تعالیٰ کا ایسا ہی نظام ہے۔ چاہے تم ظلم اپنے نفس کے ساتھ کرو، چاہے بیوی بچوں کے ساتھ کرو، ماں باپ کے ساتھ کرو، کسی ادارے کے ساتھ کرو یا اپنی کسی چیز کے ساتھ کرو تم کو دنیا میں بھی سزا بھگتنی ہوگی اور آخرت میں بھی سزا بھگتنی ہوگی۔ بہت جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ یہ مضمون بہت اہم ہے۔ کلام پاک میں آپ دیکھیں گے کہ بار بار ظالم اور ظلم کے خلاف بہت شدت سے وعید اور اس کے بارے میں آیات ہیں۔ ڈرنے کی بات ہے۔ صبح سے شام تک اپنے تمام اعمال کا جائزہ لیں۔ دیکھیں کہ مجھ سے ظلم تو نہیں ہو رہا ہے نہ اپنے نفس کے ساتھ ظلم ہو نہ دوسروں کے ساتھ ظلم ہو۔

ظلم کی قسمیں تو بہت ہیں اس لئے ہر قسم کے ظلم کا تو بیان ہو ہی نہیں سکتا۔ جس ظلم کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ ہم نے اپنی معاشرت کو ایسا بنا رکھا ہے جس سے دوسرے لوگوں کو ایذاء ہو۔ خود اپنے آپ کو ایذاء پہنچتی ہے اور دوسرے لوگوں کو ایذاء پہنچانے میں گریز نہیں کرتے۔ ایسے ظلم کی طرف زیادہ توجہ دلانا مقصود ہے۔ یہ وہ ظلم ہے جو ہم لوگ کثرت سے کرتے ہیں۔ ہماری معاشرت غیر اسلامی ہو چکی ہے ہماری معاشرت میں ہندوانہ رنگ ہے انگریزی رنگ ہے اور کافرانہ رنگ ہے اور ہماری نفس کی خواہشات گھسی ہوئی ہیں اور اس طرح سے ہماری معاشرت میں ظلم ہی ظلم چاروں طرف پھیلا ہوا ہے ہمیں نظر نہ آئے وہ اور بات ہے مگر اس وجہ سے منجانب اللہ قہر اور آگ کی بارش ہے وہ مسلسل ہو رہی ہے لوگ بھگت رہے ہیں مگر سمجھ میں یہ

وجہ سے حکیم الامتؒ نے لکھی۔اس کتاب میں حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ فی الحقیقت حُسنِ اخلاق یعنی لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کا رأس اور اساس یعنی اس کی جڑ ایک امر ہے کہ کسی کو کسی سے ایذاء نہ پہنچے۔جس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت جامع الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے کہ مسلمان کامل تو وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ایسی بات زبان سے نکال دینا جس سے کسی کو تکلیف پہنچ جائے یہ اسلامی معاشرت نہیں ہے یہ ظلم ہے۔

کلام پاک میں ایک آیت ہے،آداب المعاشرت میں حکیم الامتؒ نے نقل کی ہے:﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ مسلمانوں کو خطاب ہے،اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، ﴿اِذَا قِیْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ وَاِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ﴾ اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں جگہ کو کھول دو،اندازہ کیجئے کلام پاک ہے اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور کلام پاک اتنی اعلیٰ کتاب اس میں توحید کا ذکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ذکر اور زیادہ تر آخرت کا ذکر ہی تو ہے قرآن میں اتنی بڑی کتاب ہے اللہ کا کلام ہے اور حکم کیا فرمارہے ہیں،اگر اس کی اہمیت نہ ہوتی تو کلام پاک میں کیوں ہوتا؟ اے ایمان والو! جب تم سے کہا جاوے کہ مجلس میں جگہ کھول دو تو تم جگہ کھول دو۔اور یہ کہا جائے کہ مجلس سے اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو اللہ تعالیٰ تم میں ایمان والوں کے اور ایمان والوں میں جن کو علم دین عطا ہوا ہے درجے بلند کردے گا اس بات پر اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے۔تو یہ کیا معاشرت کا جزو نہیں ہے؟ اور اس کو قرآن میں جب اہمیت دی گئی تو کیا ہمارے لئے اہم نہیں ہے؟ کیا ہمارا صرف تہجد پڑھ لینا اور ٹخنوں سے اوپر پاجامہ کرلینا اور عورتوں کے لئے برقعہ پہن لینا کیا صرف یہی کافی ہے؟ اسلام میں انسانیت کی تعلیم ہے یہی انسانیت اساس ہے

معاشرت کی۔ ہر وقت نعرے سنتے رہو اسلام، اسلام، اسلام ارے انسانیت بھی کوئی چیز ہے! ہمارے حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں انسانیت کی تعلیم دی جاتی تھی۔اسلام تو بعد کی چیز ہے اسلام تو ایک لباس ہے جو تم انسانیت کے اوپر پہن سکتے ہو تم نے انسانیت کو ختم کردیا ہے اور اسلام کا نعرہ لگاتے پھرتے ہو، یہ تمہارے اسلام کا نعرہ کہلائے گا؟

فرماتے ہیں،

زاہد شدی و شیخ شدی و دانشمند شدی
ایں جملہ شدی ولیکن انساں نہ شدی

کہ یہ تم کیا بن گئے ہو، زاہد بن گئے شیخ بن گئے بڑے بڑے دانشمند بن گئے کسی کے خلیفہ بن گئے کسی کے مرید ہوگئے، بڑے دانشمند، ولیکن انساں نہ شدی لیکن انسان نہ بنے۔حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام اولیاء اور تمام انبیاء علیہم السلام کو بالطبع اس بات کا اہتمام رہتا تھا کہ ان کی ذات سے کسی کو تکلیف نہ ہو۔سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ میری ذات سے کسی کو تکلیف نہ ہو۔چاہے بچوں کی تربیت ہو چاہے اپنی تربیت ہو ہر چیز کا محور یہی ہے۔اسلام یہی ہے۔سردار دوعالم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہ ہو۔حکیم الامتؒ آداب المعاشرت میں فرماتے ہیں کہ اصل میں شریعت نے نہایت درجے پر اس کا خاص طور سے اہتمام کیا ہے کہ کسی شخص کی کوئی حرکت کوئی حالت،غور سے سنئے یہ مضمون حکیم الامتؒ کا مضمون ہے تمام علماء نے اس سے اتفاق کیا ہے کسی متقی عالم کی اب تک یہ مجال نہیں ہوئی ہے کہ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی کسی بات پر قرآن وحدیث کی روشنی میں کوئی جائز اعتراض کرے، یہ وہ حکیم الامت ہیں، فرمارہے ہیں کہ شریعت نے نہایت درجے پر اس کا خاص طور سے اہتمام کیا ہے کہ کسی شخص کی کوئی حالت کوئی حرکت کسی دوسرے شخص کے لئے ادنیٰ درجے میں بھی کسی قسم کی تکلیف

واذیت یا ثقل وگرانی یا کراہت وناگواری یا تشویش وپریشانی کا سبب اور موجب نہ بنے۔ یہ مضمون ہے سننے کے قابل یا نہیں؟ میرا نہیں ہے حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اصلاح کسے کہتے ہیں؟ شیخ کے پاس کیوں جاتے ہو؟ کہ ہمارا حال وہ ہو جائے کہ ہماری کسی بات سے کسی کو ادنیٰ درجہ کی بھی تکلیف یا ناگواری وغیرہ نہ ہو۔ اور ہماری زندگی کیسی ہے؟ ہماری معاشرت کیسی ہو کے رہ گئی ہے؟ ہم بچوں کی تربیت کیسی کرتے ہیں؟ ہمارے بعض دوست دریافت کرتے ہیں کہ بچوں کی تربیت کیسے کرتے ہیں؟ میں نے کہا آپ بچوں کو گھر میں تو چھوٹ دیتے ہیں جو چاہو کرو بیٹا۔ آپ اس بچے کو کہیں لے کر جاتے ہیں تو یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ وہی حرکتیں وہاں کرے گا، پھر یہ دوسروں کی تکلیف کا سبب بنے گا۔ پھر آپ نے کیسی تربیت کی؟ آپ نے اس وقت گھر میں کیوں نہیں سوچا جب آپ نے گھر میں اس کو اجازت دی کہ بیٹا یہ بھی چھوو، یہ بھی توڑو، یہ بھی کرو تو یہی چیز باہر بھی تو جا کر کرے گا۔ گھر میں تربیت دینے کا اصول یہ ہے کہ ایسی تربیت دو کہ دوسرے لوگوں کو کبھی ایذاء نہ پہنچے۔ تو کیا یہ دین کا حصہ نہیں ہے جس سے بے خبری ماں یا باپ کریں تو کیا گناہگار نہیں ہوں گے؟ کیسے گناہ گار نہیں ہوں گے۔ کیا صرف تہجد پڑھنے کا نام اسلام رکھ دیا۔

بھئی مجھے کچھ آتا جاتا نہیں میں آپ کو صاف بتاتا ہوں کہ میرے اندر نہ تو علم ہے کوئی نہ کوئی چیز عمل والی ہے کچھ نہیں کر پاتا، بزرگوں سے ایک تعلق ایک ذوق ہے اور جو سنی سنائی ہے عرض کر دیتا ہوں اپنی نہیں کہتا حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی کہتا ہوں۔

سوچ لو، جو اعمال کرو جو طریقہ کرو جو سلوک کرو چاہے بیوی سے کرو چاہے بچوں سے کرو چاہے اپنوں سے کرو چاہے ماں باپ سے کرو کہیں بھی کرو، سوچ لو۔ شعر یاد رکھنے کے قابل ہے۔

کبھی بھول کر کسی سے نہ کرو سلوک ایسا
کہ جو تم سے کوئی کرتا تمہیں ناگوار ہوتا

تمہارے ساتھ اگر کوئی ایسا کرتا تم کیا کرتے؟ ہماری معاشرت مگر غیر اسلامی ہوگئی ہے۔ کیا وضع قطع کیا رہنے کا انداز، کیا کھانے پینے کا انداز سب غیر اسلامی ہے میں ان کی نہیں کہہ رہا ہوں جو کہ ویڈیو دیکھتے ہیں اور فحاشی میں مبتلا ہیں، ان کی نہیں میں اپنی عرض کر رہا ہوں، ہم جو دیندار بنے ہوئے ہیں جو ہر وقت اسلام اسلام کرتے رہتے ہیں ان کی عرض کر رہا ہوں۔ آپ اپنی معاشرت کو دیکھئے کیسی ہو رہی ہے۔ اسلام کے پانچ شعبے ہیں ایک تو عقائد ہے دوسرا اخلاق، اخلاق یعنی اپنے کو کم سمجھنا عجب نہ کرنا کینہ نہ کرنا وغیرہ، تیسرا عبادات ہے نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ، چوتھا شعبہ معاملات ہے۔ یہ چار ہوئے اور پانچواں شعبہ معاشرت ہے، اس کو درست کرنے کی بہت ضرورت ہے۔ افسوس ہم اسلام کا نام لیتے ہیں اسلام کی کتابیں پڑھتے ہیں دوسروں کو اسلام کا درس دیتے ہیں اور ہماری معاشرت اسلام کے خلاف ہو۔ شرم کی بات نہیں ہے کیا؟ کیا یہ سوچنے کی بات نہیں ہے کہ ہر مجلس میں اسلام کے اوپر بحث اور کفار کے ملکوں کو گالیاں دینے سے کیا حاصل؟ کیا یہی اسلام ہے ہمارا! جہاں کھانے کی دعوت ہوئی خوب بیٹھے ہوئے بحث ومباحثہ کرتے رہیں اس ملک کو گالی اس لیڈر کو گالی وہ ایسا ہے وہ ایسا ہے، کیا یہی اسلام رہ گیا ہے؟ اور اپنی معاشرت جو سراسر کافرانہ ہندوانہ ہو رہی ہے اسکی کچھ بھی فکر نہیں اسکا کچھ بھی غم نہیں۔

حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ آداب المعاشرت میں فرماتے ہیں کہ حسن معاشرت کو تمام نفل عبادات پر تقدم من کل الوجوہ یعنی ہر لحاظ سے ہے۔ سمجھ لیجئے، حسن معاشرت کو اسلامی رکھنا اچھی رکھنا اس کو تمام عبادات کے اوپر فوقیت ہے۔ چنانچہ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ فرقان کی آیت کو نقل کیا ہے جو حسب ذیل ہے،

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَھُمُ الْجَاھِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا وَالَّذِیْنَ یبیتون لربھم سجدا وقیاما﴾.

عبادالرحمٰن یعنی اللہ کے وہ خاص بندے جو جنتی ہیں جن کی تعریف کی گئی ہے ان کی پہلی تعریف کیا ہے؟ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس آیت کے بعد متعدد اعمال مذکور کئے گئے ہیں لیکن اول یہ ہے۔ آخر کوئی بات تو ہے جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے اس بات کو کہ جو لوگ زمین پر متواضع چلتے ہیں اپنے آپ کو کم کر کے چلتے ہیں، ﴿وعباد الرحمن الذین یمشون علی الاض هونا﴾، تواضع کے ساتھ چلتے ہیں اپنے آپ کو کم کر کے چلتے ہیں کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتے۔ جو اپنے کو کم سمجھے وہ کسی کو کیا تکلیف پہنچائے گا تکلیف تو وہ پہنچائے گا جو اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہو۔ ﴿واذا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوا سَلَامًا﴾ اگر کسی جاہل نے غلط سلط بات کہہ دی گالی دے دی سلام علیکم کہہ کر ہٹ گئے۔ بدلہ نہیں لیتے اور خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ معاشرت کا ہی تو حصہ ہے۔ یہ اسلامی معاشرت سکھائی گئی ہے۔ تو حکیم الامتؒ فرماتے ہیں آخر کوئی بات تو ہے کوئی تو وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حسنِ معاشرت کو ان آیات میں صلوٰۃ اور خشیت اور اعتدال اور اللہ کی راہ میں خرچ اور سب کچھ سے مقدم فرمایا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو عورتوں کا ذکر کیا گیا ایک تو نماز روزہ کثرت سے کرتی تھی یعنی نوافل کیونکہ کثرت تو صرف نوافل میں ہوتی ہے فرض عبادات میں تو کثرت نہیں ہوتی وہ تو محدود ہیں، مگر اپنے ہمسایوں کو وہ ایذاء پہنچاتی تھی۔ اس کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ھِیَ فِی النَّار۔ وہ تو دوزخی ہے۔ حالانکہ عبادت بھی خوب کرتی تھی لیکن معاشرت اچھی نہیں تھی، لوگوں سے سلوک اچھا نہیں تھا۔ اور دوسری عورت نماز روزہ زیادہ نہ کرتی تھی یعنی صرف فرائض و واجبات اور ضروری احکام پر اکتفا تھا، لیکن ہمسایوں کو ایذاء نہ دیتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ھی فی الجنۃ۔ اب اندازہ کر لیجئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو وہی فرمائیں گے جو کلامِ پاک کے عین مطابق ہوگا اسی لئے

میں عرض کرتا ہوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک کے وثوق سے معلوم ہونے کے بعد کوئی شخص یہ کہے کہ مجھے قرآن کی آیت سے یہ حکم ثابت کرو تو وہ کمبخت میرے نزدیک ملعون ہے۔ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ قرآن کے خلاف بتاتے تھے جو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے بعد قرآن کی آیت طلب کرتا ہے؟ اسی طرح سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جب کسی بات پر متفق ہو گئے اور اجماع صحابہ ہو گیا تو اس کے بعد مطالبہ کرنا کہ حدیث شریف لاؤ، یہ بالکل بدتمیزی اور بے ادبی کی بات ہے۔ کیا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نعوذ باللہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء کے خلاف کوئی بات بتاتے تھے؟ تم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان کو سمجھا ہی نہیں تم نے تو ان کا ادب ہی نہیں کیا۔ صحابہ کرامؓ نے جب ایک بات کا اجماعی فیصلہ کر دیا اس پر اتفاق ہو گیا صحابہ کرامؓ کا، تو تم اب کیسے کہتے ہو کہ حدیث شریف لے کر آؤ، تم کو کیسے ہمت ہو گئی، صحابہؓ کے مقابلے میں اپنی رائے؟ توبہ کرو۔

جنت اور دوزخ کا فیصلہ معاشرت کی انہی چیزوں کے اوپر ہے نہ کہ تمہاری تہجد گزاری کے اوپر تم خوب تہجد پڑھو پھر ایذاء پہنچاؤ لوگوں کو! جیسے ایک صاحب ہیں، ہمارے حضرت نے فرمایا، ہمارے حضرت نواب صاحب دامت برکاتہم نے، کہ ایک صاحب ان کی مجلس میں آتے تھے بظاہر خوب پرہیزگار متقی۔ ایک روز فون آیا حضرت کے پاس، فون پر کوئی لڑکی تھی، شادی حال میں ہوئی تھی، کہنے لگی میرے شوہر آپ کی مجلس میں آتے ہیں لیکن اُن کا حال میں آپ کو بتادوں کہ جب وہ گھر میں آتے ہیں تو مجھے ایسا لگتا ہے جیسے بھیڑیا آ گیا، ایسا سلوک ہے اُن کا گھر میں میرے ساتھ، میں خوفزدہ ہو جاتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر کہ ہمارا بھیڑیا پن چھپا رہتا ہے لیکن بھائی اپنی اصلاح تو ضروری ہے، اپنی اصلاح ضروری نہیں ہے کیا؟ کیا ہم بالکل کامل ہو چکے ہیں؟ کیا ہم پیغمبروں کے درجے تک پہنچ چکے ہیں کہ کوئی خرابی ہمارے اندر باقی نہیں رہی؟ جب معاشرت کی خرابی کا انجام ظلم ہے تو اس کی اصلاح کی بہت زیادہ

ضرورت ہے۔حضور ﷺ کی معاشرت کو سمجھنا ضروری ہے کہ کیسی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک ساتھ کھاتے وقت دو دو چھوارے ایک ساتھ نہ لو تاوقتیکہ اپنے رفیقوں سے اجازت نہ لے لو۔سرکار دو عالم ہیں کتنا بڑا کام ان کے ذمے ہے اور فرما کیا رہے ہیں، دو چھوارے نہ لیا کرو۔کوئی وجہ تو ہے حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث شریف کو آداب المعاشرت میں پیش کر کے لکھتے ہیں کہ دیکھئے اس میں ایک نہایت خفیف امر سے محض اس وجہ سے کہ بے تمیزی ہے دوسروں کو یہ بے تمیزی ناگوار ہوگی، ممانعت ہے، حدیث شریف میں ممانعت ہے۔ہم یہ کیسے کہہ سکتے ہیں ہم جیسے چاہیں معاشرت کریں جیسے چاہیں مذاق کریں جیسے چاہیں بول لیں چاہے کسی کا دل ٹوٹ جائے چاہے کسی کی سبکی ہو جائے۔اللہ تعالیٰ نے کیا آپ کو یہ اختیار دیا ہے؟ دیا ہے تو ثابت کیجئے اور نہیں دیا ہے تو ظلم کا انجام بھگتنے کو تیار ہو جایئے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ارشاد ہے کہ جو شخص کچی لہسن اور پیاز کھائے تو ہم سے یعنی مجمع سے علیحدہ رہے۔متفق علیہ حدیث ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ مہمان کو حلال نہیں کہ میزبان کے پاس اتنا قیام کرے کہ وہ تنگ ہو جائے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ لوگوں کے ساتھ کھانے کے وقت کو پیٹ بھر جائے مگر جب تک دوسرے لوگ فارغ نہ ہو جائیں ہاتھ نہ کھینچے کیونکہ اس سے دوسرا کھانے والا ہاتھ کھینچ لیتا ہے اور شاید اس کو کھانے کی حاجت ابھی باقی ہو۔اندازہ کریں کہ کتنا خیال رکھنے کا حکم دیا گیا ہے ان معاشرتی امور میں۔

ایک بار حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ در دولت پر حاضر ہوئے اور دروازہ کھٹکھٹایا آپ نے پوچھا کون ہے انہوں نے عرض کیا میں ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں ہوں، میں ہوں، ناگواری سے ارشاد فرمایا۔متفق علیہ حدیث ہے۔ یعنی صاف بات کہو تا کہ دوسرا سمجھ جائے پہلی بار میں سمجھ جائے یہ تم کیا گول مول باتیں

کرتے ہو ایک لمحے کے لئے بھی تم نے کسی شخص کو تشویش میں ڈال دیا یہ حرام ہے گناہ ہے ظلم ہے۔کیسے سمجھایا جائے؟ آپ کو مذاق سوجھا ہے کسی کی جان جائے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں اسلام نہیں ہیں تو کیا کوئی اور چیز اسلام ہے، ہے تو ثابت کرو۔تم نے کہاں سے اپنا اسلام نکال لیا کہ ہم جو چاہیں کریں۔اپنی من مانی کو ہم نے اسلام سمجھا ہے! ہمارا بنایا ہوا اسلام تو نہیں چلے گا۔آخرت میں تو یہ پوچھا جائے گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہاری مَن مانی باتوں پر مبنی اسلام پیش نہیں کیا تھا بلکہ وحی پر مبنی اسلام پیش کیا تھا۔تم کہو گے کہ ہم کو پتہ نہیں تھا۔تو تم کو دوگنی سزا ملے گی تم نے معلوم کیوں نہیں کیا تم نے وہ کتابیں کیوں نہیں پڑھیں جن میں احکام بتائے گئے تھے تم کیوں اپنا وقت ضائع کرتے تھے کیا ہم نے علم دین کو فرض نہیں کر دیا تھا؟ جب ہم نے علم دین فرض کر دیا تھا تم کیوں نہیں علم دین حاصل کرتے تھے؟ بتایئے ہمارے پاس کیا جواب ہوگا؟ آپ کو علم دین حاصل کرنا ہے، بہشتی زیور ہے اس کو پڑھیں۔بہشتی زیور کے اندر بنیادی علم دین ہے۔اور شوق ہے حیوٰۃ المسلمین پڑھو۔ اور مزید شوق ہے تو حکیم الامتؒ مواعظ کا مطالعہ کیجئے کے۔حکیم الامتؒ کے ملفوظات پڑھئے۔

معاشرت کی خرابیوں کی وجہ سے، ظلم وستم میں مبتلا ہوتے ہیں اور گمان بھی نہیں گزرتا کہ ہم گناہ کر رہے ہیں۔ہمارے معاملات بھی خراب ہوتے ہیں۔ہمارے معاملات کونسے اچھے ہوتے ہیں! ہمارے بزرگوں کا ایسا انداز تھا معاملات میں کہ عمرے کا پندرہ دن کا ویزا ملتا تھا تو پندرہ دن ہی میں واپس اپنے وطن کو لوٹ جاتے تھے اور ایک دن زیادہ قانون کے خلاف نہیں رُکتے تھے، معاملات میں خلاف کرنے کو تیار نہیں۔معاملات ہیں، ایک حکومت سے ایک معاملہ ہو چکا ہے، آپ خلاف کر رہے ہیں! معاملات تو خیر ایک الگ شعبہ ہے۔معاشرت کے بارے میں جو حدیث شریعت ابھی بیان کی گئی اسے حکیم الامت نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا

کہ بات صاف کہو جس کو دوسرا سمجھ سکے ایسی گول بات کہنا جس سے دوسرے کو تکلیف ہو، الجھن میں ڈالنا ہے۔ ایک بار میں نے کسی کے تکلیف پہنچانے پر اس کو طنز سے کچھ کہا تھا تو حضرت نے کہا کہ بھئی جو آسان طریقہ دوسروں تک کوئی بات پہنچانے کا ہو وہ اختیار کرو اتنا ٹیڑھا میڑھا کرنے کی کیا ضرورت۔ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے، طریقہ یہ ہے کہ سادہ ترین طریقے سے بتاؤ۔ بات پہنچ گئی وہاں تک بس کافی ہے۔ اسی طرح ترمذی شریف کی حدیث میں ہے کہ ایسے دو شخصوں کے درمیان میں جو قصداً پاس پاس بیٹھے ہوں، جا کر بیٹھنا حلال نہیں بدون ان کی اجازت کے۔

حکیم الامتؒ نے اپنے سلسلہ کے لوگوں کو واضح طور سے فرمایا ہے کہ اپنی تمام حالتوں کو بہشتی زیور کے مطابق کرو۔ بندہ کو معلوم ہوا تو اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحبؒ کی نگرانی میں ایسا کرنا شروع کیا۔ جب والدین کے حصے پر پہنچے تو وہاں تعظیم کا حکم ہے والدین کی ہر جگہ تعظیم کرو، اور قرآن کا حکم ہے کہ تعظیم کرو ان کے سامنے جھک جاؤ ان کے سامنے نیچے ہو جاؤ کسی طرح سے بھی ان کی بے ادبی نہ ہونے پائے، بہت سخت گناہ ہے جو حکم صراحت سے قرآن میں آ گیا وہ فرض کے درجے میں ہے اور اس کے خلاف کرنے میں بہت سخت گناہ ہے اور اس کا وبال آتا ہے کیونکہ وہ ظلم میں شامل ہو جاتا ہے، ظلم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک حکم فرمایا آپ اس کے خلاف کر رہے ہیں۔

چنانچہ میں نے حضرت کو بتایا کہ حضرت ہمارے خاندان اور رشتہ داروں میں ہم لوگ تعظیم وغیرہ تو نہیں کرپاتے ماں باپ کی کیونکہ ہمارے معاشرے میں ایسا انداز ہے کہ ماں باپ سے بے تکلفی کا معاملہ ہے خوب بولتے چالتے ہیں بحث کرتے ہیں، حضرت نے جواب میں لکھا کہ ہمیں تو شریعت مقدسہ پر عمل کرنا ہے۔ حضرت کا مطلب یہ تھا کہ اپنی مرضی کی معاشرت ہمیں نہیں بنانی ہے ہمیں ہندوانہ معاشرت یا انگریزی معاشرت پر عمل نہیں کرنا۔ اصل میں تو والدین کا دل تعظیم سے ہی ٹھنڈا ہوتا ہے۔ دیکھئے یہ ان کا حق واجب ہے فرض ہے آپ ان کو لاکھوں لاکھ دے دیجئے، یہ حق

ان کا ادا نہیں ہو سکتا۔ آپ نفل حق ادا کر رہے ہیں واجب حق ادا نہیں کر رہے۔ یہ واجب حق ہے آپ سے پُرسش بھی ہوگی آپ سے مواخذہ بھی ہوگا اس کا وبال بھی آنے کا اندیشہ ہے۔ اگر کوئی گناہ کرے اس کے بعد ہزار نفل پڑھے اور گناہ سے توبہ نہ کرے تو کیا وہ گناہ معاف ہو جائے گا؟ توبہ کرنی پڑے گی اُس گناہ سے آپ کو۔

حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہئے جس سے دوسروں کو کدورت ہو۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھینک آتی تو اپنا منہ ہاتھ یا کپڑے سے ڈھانپ لیتے اور آواز کو پست فرماتے۔ اس حدیث شریف کو نقل کر کے ارشاد فرماتے ہیں حکیم الامتؒ کہ اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اپنے ساتھ بیٹھنے والے کی اتنی رعایت کرے کہ اُس کی آواز سے بھی ساتھ بیٹھنے والے کو اذیت اور وحشت نہ ہو۔ اندازہ کیجئے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تو جو شخص جہاں پہنچ جاتا وہیں بیٹھ جاتا، یعنی لوگوں کو چیر پھاڑ کر آگے نہ بڑھتا۔

اور حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ باہمی الفت و اتفاق کی شریعت نے سخت تاکید کی ہے۔ آپس میں مسلمانوں میں رشتہ داروں میں الفت ہونی چاہئے اتفاق ہونا چاہئے اس کی سخت تاکید کی گئی ہے اور اس میں جو کمی ہے اس کا بڑا سبب معاشرت کی خرابی ہے کیونکہ اس سے دوسرے کو تکدر و انقباض ہوتا ہے۔ دیکھئے ایک اصول سمجھ لیجئے جس شخص کو آپ راحت پہنچائیں گے اس کو آپ سے محبت ہو جائے گی اور جس شخص کو آپ سے کدورت پہنچے گی اس کو آپ سے رفتہ رفتہ نفرت ہو جائے گی یہ انسانی نفسیات ہے۔ اب کریئے جو کرنا ہے۔ کلام پاک میں ہے کہ اگر کوئی شخص تم کو ایذاء پہنچائے تمہارا دشمن ہو جائے تو تم اس سے اچھی طرح پیش آؤ، تم دیکھو گے وہ تمہارا ولی حمیم بن جائے گا۔ اُس نے آپ کو ایذاء پہنچائی تھی آپ نے اس کو راحت پہنچائی اس اچھے اخلاق سے وہی دشمن رفتہ رفتہ آپ کا جگری دوست بن جائے گا ایسی محبت کہ

حیرانی ہوگی ۔ کیونکہ جب آپ نے ان کو راحت پہنچادی اپنے عمل سے اپنے اخلاق سے وہ آپ سے محبت کرنے لگے گا آپ تجربہ کر لیجئے جہاں بھی آپ کو تجربہ کرنا ہو۔ کہیں قرآن غلط ہوسکتا ہے؟ قرآن کیسے غلط ہوسکتا ہے ۔ ہمارے دماغ میں خناس بھرا ہوا ہے کہ قرآنی تعلیمات کے خلاف ہم اپنی تدبیریں لڑاتے رہتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ عیادت میں بیمار کے پاس زیادہ نہ بیٹھے تھوڑا بیٹھ کے جلد اٹھ کھڑا ہو ۔ حکیم الامتؒ اس حدیث شریف کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف میں کس قدر دقیق رعایت ہے کہ کسی کی گرانی کا سبب بھی نہ بنے ۔ کیونکہ کسی کے پاس بیٹھنے سے مریض کو کروٹ بدلنے میں یا پاؤں پھیلانے میں یا بات چیت کرنے میں تکلیف ہوتی ہے ۔ البتہ جس کے بیٹھنے سے راحت ہو مریض کو وہ بیشک بیٹھے کیونکہ اصل مقصد مریض کو گرانی سے بچانا ہے ۔

اور سنن نسائی میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ شب برات کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بستر سے آہستہ اٹھے اور اس خیال سے کہ حضرت عائشہؓ سوتی ہوں گی بے چین نہ ہوں، آہستہ نعل مبارک پہنے اور آہستہ سے کواڑ کھولے اور آہستہ سے باہر تشریف لے گئے اور آہستہ سے کواڑ بند کئے ۔ حکیم الامتؒ اس حدیث شریف کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اس میں سونے والے کی کس قدر رعایت ہے کہ ایسی آواز اور کھٹکا بھی نہ کیا جائے جس سے سونے والا دفعتاً جاگ اٹھے اور پریشان ہو ۔ پھر فرماتے ہیں کہ سوچنے کی بات ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر محبت تھی کہ بیان نہیں کی جاسکتی اور نیند سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے جاگ جانا ان کو قطعاً ناگوار نہ ہوتا لیکن اس کے باوجود آپ یہ اہتمام فرمارہے ہیں ۔ اس میں ہم سب کے لئے ایک سبق ہے، ہماری معاشرت میں ہندوانہ طرز ہے اس کی وجہ سے یہ فرض کر رکھا ہے کہ جو جتنا زیادہ قریب ہو اس کو اتنی ہی زیادہ تکلیف پہنچائی جائے ۔ ارے یار یہ تو اپنا ہے سوتے میں اٹھا دو، ارے یار یہ تو اپنا ہے اس کو گالی

بھی دے دو، یہ تو بہت زیادہ یار ہے جو چاہے ایذاء دو جو چاہے کرو ۔ یہ ہماری ہندوانہ روش اور ظلم کی معاشرت ہے یہ حرام معاشرت ہے اس کو ہم نے اپنایا ہوا ہے ۔ دیکھئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا طریقہ تھا؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اتنا زیادہ چاہتے تھے اور وہ ان کو اتنا زیادہ چاہتی تھیں اس وجہ سے ان کا سب سے زیادہ خیال ہے ۔ کوئی ہے اتنا زیادہ خیال کرنے والا؟ یہ ہے اسلامی معاشرت، یہ نہیں کہ صاحب جو جتنا زیادہ قریب ہو اس کو اتنی تکلیف پہنچاؤ ۔ جب تکلیف پہنچاؤ گے اپنے رشتے داروں کو اپنے متعلقین کو تو رفتہ رفتہ دل میں نفرت پیدا ہو جائے گی ۔ دل میں تو محبت اس سے پیدا ہوتی ہے جس کو تم راحت پہنچاؤ یا ایذاء تو کم سے کم نہ پہنچاؤ ۔ ایذاء نہ پہنچانا یہی راحت پہنچانا ہے ۔ حکیم الامتؒ نے بتایا ہے، جاننا چاہتے ہیں آپ؟ بیوی کو محکوم بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو خوش رکھو ۔ اور یہی طریقہ شوہر کو راضی رکھنے کا ہے ۔ حکیم الامتؒ کا یہ اعتدال ہے ایک بات کی تو فوراً دوسری بات کر کے اعتدال کر دیا ۔ بیوی کو محکوم بنانے کا طریقہ ارشاد فرمایا تو فوراً ہی شوہر کو راضی کرنے کا طریقہ بھی ارشاد فرمادیا ۔ بیوی کو محکوم بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو خوش رکھو، ڈنڈے سے نہیں کام بن سکتا ۔ ہم نے تو جناب دین کو ڈنڈا بنالیا ہے ۔ بڑے دیندار بنتے ہیں ۔ بیوی کو محکوم بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو خوش رکھو اور یہی طریقہ شوہر کو راضی رکھنے کا ہے، اور یہی اسلامی معاشرت ہے ۔ اور دیکھئے یہ تو تھا بیوی کے ساتھ حسن سلوک، اب دوستوں اور مہمانوں سے سلوک ملاحظہ فرمایئے، حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک طویل حدیث میں مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان تھے اور آپ ہی کے ہاں مقیم تھے بعد عشاء آ کر ہم لیٹ رہتے، مہمان تھے تو وہیں لیٹ جاتے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دیر میں تشریف لاتے کیونکہ تبلیغ کا کام تھا مختلف جگہوں پر جاتے تھے آنے میں دیر ہوتی تھی تو چونکہ مہمانوں کے سونے اور جاگنے دونوں کا احتمال ہوتا تھا، اس زمانے میں لائٹیں وغیرہ تو ہوتی نہیں تھیں اب مہمان

سو رہے ہوں یا جاگ رہے ہوں دونوں احتمال ہوئے اس لئے سلام تو کرتے تھے کہ شاید جاگتے ہوں لیکن آہستہ سے کہ اگر جاگتے ہوں تو سُن لیں اور اگر سوتے ہوں تو آنکھ نہ کھلے۔ دیکھئے یہ سردارِ دو عالم ﷺ ہیں۔ وہ تو اگر جھنجھوڑ کے بھی اٹھا دیں تو خوش نصیبی ہے۔ ان کے لئے تو صحابہؓ جان دینے کو تیار تھے۔ لیکن حضور اکرم ﷺ کو یہ فکر تھی کہ ان جاں نثاروں کو بھی میری ذات سے ایک ادنیٰ درجہ کی بھی تکلیف نہ ہو اور نہ کوئی ناگواری ہو۔ سوچنے کی بات ہے کہ آج ہمارا کیا حال ہے؟ ہم ان کے امتی اور اپنے متعلقین کو معاشرتی ایذاء رسانی ہماری خصلت بنی ہوئی ہے۔ افسوس مسلم، اور بن جائے موذی! ہم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ جو جتنا قریب ہو اس کو اتنی تکلیف پہنچاؤ؟ یہ اسلام کہاں سے ہم نے سیکھ لیا؟ دعاء کریں کہ حق تعالیٰ اس ناکارہ کو اپنے گھر والوں اور تمام متعلقین کو راحت پہنچانے والا بنا دیں تاکہ ہماری معاشرت صحیح معنوں میں اسلامی بن جائے۔

آمین۔ اَللّٰھُمَّ آمین۔ بِحَقِّ اشرف الانبیاء وسید المرسلین ﷺ

۴۔ دنیا کی محبت

خطبہ ماثورہ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم.

﴿إِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَاءَ نَا وَرَضُوْا بِالْحَیَاةِ الدُّنْیَا وَاطْمَأَنُّوْا بِھَا وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ اٰیَاتِنَا غَافِلُوْنَ ﴿۷﴾ أُولٰئِکَ مَأْوٰھُمُ النَّارُ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ﴾. (سورۃ یونس آیت ۷)

بے شک وہ لوگ کہ ہمارے پاس آنے کا یقین نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی سے راضی ہیں اور اس میں دل لگا لیا ہے اور وہ لوگ کہ ہمارے حکموں سے غافل ہیں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے بسبب اس عمل کے جو وہ کرتے ہیں۔

بڑی عبرت والی آیت ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک خاص فرقے کی برائی بیان کی ہے اللہ کا شکر ہے کہ ہم لوگ اس فرقے میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ یہ خطاب جو ہے یہ کفار کو ہے یہ حالت جو بیان کی گئی ہے یہ کفار کی ہے۔ لیکن ایک بات سمجھنے کی ہے گرچہ کہ یہ خطاب کفار کو ہے لیکن کلام پاک کفار تو نہیں پڑھتے یہ آیت کلام پاک میں موجود ہے اور کلام پاک تو مسلمانوں کے پڑھنے کے لئے ہے چنانچہ مسلمانوں کو حکم ہے کہ یہ آیت پڑھو بار بار پڑھو تو یہ آیت تو اصل میں مسلمانوں کے لئے ہوئی۔ گو کہ خطاب کفار کو ہے لیکن حکم تو مسلمانوں کے لئے ہے اور وہ یوں ہے کہ یہ جو مرض ہے جو اس آیت میں بتایا گیا ہے دنیا کی محبت کا یہ تو کفار کی حالت ہے تو اے مسلمانو! تم تو اس سے بچو۔ جس کے اندر بھی یہ صفات پائی جائیں گی وہ مستحق اس مذمت کا ہوگا۔ ظاہر ہے یہ صفت ہی کفار کی ہے۔ لیکن اگر کسی مسلمان میں یہ صفت پائی جائے تو مسلمان کے لئے قابل مذمت ہوئی بلکہ یہ زیادہ اشد درجہ میں قابل مذمت ہوگی، کیوں؟ حکیم الامتؒ نے مثال دی ہے کہ اگر چمار کو (چمار کا

لفظ ہی اب کم لوگ جانتے ہیں، چمار نیچ ذات کی قوم ہندوؤں میں ہوتی تھی) چمار کہہ کر دس جوتیاں ماردی جائیں، لوگ ان کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ ان کو نیچ ذات سمجھ کر کرتے تھے، ادھر آ یہ کام کر، جو بھی گندا کام ہوتا تھا ان سے کراتے تھے اور اگر نہیں کرتا تھا تو پٹائی کردیتے تھے تو اس کے لئے یہ کوئی شرم کی بات نہیں ہے۔لیکن اسلام میں کسی کو نیچ ذات کا سمجھنے کو منع کیا گیا ہے۔بہرحال اگر چمار کو چمار کہہ کر دس جوتیاں ماردی جائیں تو اس کے لئے یہ کوئی شرم کی بات نہیں ہے لیکن اگر کسی بڑے آدمی کو چمار کہہ دیا جائے تو نہایت شرم کی بات ہے۔تو اسی طرح سے اگر کافروں سے یہ کہہ دیا جائے کہ وہ آخرت کا انکار کرنے والے اور دنیا سے راضی رہنے والے ہیں اور وہ خدا تعالیٰ کے حکموں سے غافل ہیں جیسا کہ اس آیت میں بیان ہوا تو کچھ عجب نہیں، کفار ہیں ہی اس قابل۔لیکن اگر مسلمانوں میں یہ باتیں پائی جائیں اور وہ بھی اس مذمت میں آجائیں تو زیادہ شرم کی بات ہے۔تو سوچنا یہ ہے کہ کیا ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا یقین نہیں ہے؟ کیا ہم بھی دنیا سے راضی بیٹھے ہوئے ہیں؟ کیا ہم بھی دنیا سے جی لگائے ہوئے ہیں؟ اگر ہم میں بھی یہ صفات ہیں تو ہم انتہائی شدید مذمت میں ہیں۔
حکیم الامتؒ اس بیان میں ارشاد فرماتے ہیں کہ یاد رکھو کہ دوزخ خاص کافروں کے لئے ہے مگر مسلمان خاص وہ عادتیں اختیار کرکے جو کافروں میں پائی جاتی ہیں ان میں شامل ہوجاتے ہیں اور ان کے ساتھ قید ہونے کا کام کررہے ہیں اور دلیل اس کی یہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے **مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ**، جو جس قوم کی شباہت اختیار کرے وہ انہی میں سے ہے۔یہ تو کفار کا کام تھا تم نے کیسے کرلیا۔تم کرکٹ کے میچ دیکھ رہے ہو تم تماشے دیکھ رہے ہو تم ٹیلی ویژن دیکھ رہے ہو تم کو تماشے کا شوق ہے تم نے دنیا کو تماشے کی جگہ سمجھ لیا ہے۔

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

بھلا کیوں ہم دنیا میں دل لگائے ہوئے ہیں۔اگر ہم نے دنیا میں دل لگایا تو حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ تم نے کافروں کی شباہت اختیار کی چنانچہ تم انہی میں سے ہوجاؤ گے تمہارا انجام انہی کے جیسا ہوجائے گا بس اتنا فرق ہوگا کہ کفار تو عذاب کے لئے جہنم میں بھیجے جائیں گے لیکن تمہارے دل میں چونکہ ایمان ہے اس لئے تمہیں تطہیر کے لئے بھیجا جائے گا تمہاری صفائی کے لئے بھیجا جائے گا لیکن وہ عذاب بھی برداشت نہیں ہوگا۔جیسے حمام میں کسی کو بھیج دیا جائے اور رگڑے لگائیں جائیں، جہنم کا وہ عذاب بھی برداشت نہیں ہوسکتا۔جہنم میں جو کافر کو عذاب ہوگا اور جو مسلمان کو عذاب ہوگا دونوں میں بڑا فرق ہوگا لیکن کوئی مسلمان برداشت کرسکتا ہے اس عذاب کو؟ حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ دیکھ لیجئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی محبت فرماتے تھے لیکن ایمان نہیں لائے اس لئے ان کو بھی عذاب ہوگا لیکن بس یہ ہے کہ سب سے کم عذاب ان کو ہوگا۔لیکن وہ عذاب کیسا ہوگا، کہ صرف جوتے آگ کے ان کے پیروں میں ہوں گے اور حالت یہ ہوگی کہ یوں سمجھیں گے کہ مجھ سے زیادہ تکلیف کسی کو نہیں ہورہی۔کوئی دوزخ کا عذاب کیسے برداشت کرے؟

اللہ تعالیٰ تنبیہ فرما رہے ہیں کہ دیکھو یہ باتیں مسلمانوں میں نہ ہوں۔حق تعالیٰ گویا یہ فرما رہے ہیں کہ یہ کفار کی صفات ہیں خبردار تمہارے اندر نہ ہوں۔پھر سے عرض کردیتا ہوں، وہ چار باتیں ہیں، ایک تو یہ ہے کہ وہ ہمارے پاس آنے کا یقین نہیں رکھتے اور دوسری بات یہ ہے کہ دنیا کی زندگی پر راضی ہیں اور تیسری بات یہ کہ اس میں دل لگائے ہوئے ہیں اور چوتھی بات یہ ہے کہ ہمارے حکموں سے غافل ہیں۔چار چیزیں ہیں اس پر سزا مرتب ہوجائے گی۔تو اندازہ کرلیجئے، ہر شخص خود ہی اندازہ کرلے، ہمیں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنی ہے ہم کفار کی وضع قطع اختیار کرتے ہیں ہم کفار کے طریقے اختیار کرتے ہیں ہم کفار کی باتوں کو پسند کرتے ہیں بے حیائی

کے افعال کرتے ہیں نامحرموں کو دیکھتے ہیں اور لذت لیتے ہیں، ٹیلی ویژن دیکھتے ہیں، انٹرنیٹ پر فحش چیزیں دیکھتے ہیں اور دنیا کی زندگی کے اوپر راضی ہیں اور دل لگائے ہوئے ہیں۔ پھر فرق کیا ہے؟ دنیا کی زندگی پر راضی ہونا تو عقیدے کی خرابی ہے یعنی یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کی زندگی اچھی چیز ہے۔ یہ مرض مسلمانوں میں کم ہے مسلمان تو اکثر عقیدے کے طور پر عقل کے طور پر یہی سمجھتے ہیں کہ نہیں، دنیا کی زندگی تو کسی کام کی نہیں؟ اور جی لگائے ہوئے ہیں، یہ طبعی حال ہو گیا مسلمانوں کا بھی طبعی حال یہی ہے کہ دنیا سے جی لگائے ہوئے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے اس کا کہ چوتھی حالت بھی ہو جاتی ہے کہ غافل ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکموں سے۔ احکام جو اللہ تعالیٰ نے بتائے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے اُن سے ہم غافل ہو گئے۔ چنانچہ حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ کافروں کی تو ہے ہی یہی حالت، کافر تو آخرت کا نام سننا پسند نہیں کرتے۔ امریکہ میں تھا وہاں پر میں کام کرتا تھا اور ایسا ہوتا تھا کہ مختلف قسم کی باتیں کفار سے ہوتی تھیں، جہاں میں نے موت کا تذکرہ شروع کیا بھاگ گئے۔ جہاں موت کا تذکرہ شروع کیا بائی بائی کر کے چلے گئے، برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ وہاں تو ہمیں جانا ہے اللہ تعالیٰ سے ملنا ہے اس کا تو جتنا تذکرہ ہو اچھا ہے آخرت تو ہمارا وطن ہے۔ موت تو مومن کا تحفہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ فرمایا ہے تو تحفے سے کیا ڈرنا۔

حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ یہ بات بہت سخت ہے کہ اگر دنیا اور دین میں مقابلہ ہوتا ہے تو دنیا کو اختیار کر لیتے ہیں اور اس سے دل بُرا نہیں ہوتا۔ چنانچہ شادیوں میں دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی رخصتی سب کچھ کر کے دکھا دیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی دیکھ لیجئے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی دیکھ لیجئے۔ اسی لئے یہ کر کے دکھایا گیا کہ تمام امت اسی طرح سے کرے، مگر ہم کیا کرتے ہیں؟ اسی طرح سے تمام امور میں دیکھ لیجئے۔ چنانچہ فرماتے

ہیں حکیم الامتؒ، جھوٹے مقدموں میں جاتے ہیں رشوت لینے میں جرأت کرتے ہیں بعض لوگوں نے زمینیں دبائی ہوئی ہیں، سب جانتے ہیں کہ گناہ کی باتیں ہیں کبھی اپنی حالت پر افسوس نہیں ہوتا بلکہ جب نصیحت کی جاتی ہے اور اصلاح کی رائے دی جاتی ہے تو یوں کہا جاتا ہے کہ یہ تو ریاست کے معاملات ہیں ان کو ہم ہی جانتے ہیں دوسرے کیا جانیں۔ اب ریاست کے معاملات تو رہے نہیں۔ ریاست تو مسلمانوں سے گئی، سیاست نے اسکی جگہ لے لی۔ تو اب یہ کہتے ہیں کہ یہ سیاست کے معاملات ہیں ان کو ہم ہی جانتے ہیں۔ اپنی رائے کو ہی بہتر سمجھتے ہیں۔ چنانچہ یہی مرض خود رائی کا سب کو ہو گیا ہے۔ جو مرید ہیں اپنے شیخ کو خط لکھتے ہیں ان کا بھی یہی حال ہے۔ شیخ کے ایک اشارے پر چل پڑے تو بہت آسانی سے معاملہ حل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سے یہ جانتے ہیں کہ بچوں کو اگر انگریزی پڑھائی جائے تو دین سے بے خبر رہتے ہیں، کہتے ہیں کہ ایسا نہ کریں تو ترقی کیونکر کریں؟ جان لو کہ یہ سب باتیں دنیا کو پسند کرنے کی وجہ سے ہیں۔ بچوں کو انگریزی پڑھاؤ خوب پڑھاؤ مگر پہلے قرآن پڑھا دو ایک مرتبہ ناظرہ تلاوت صحیح کرا دو۔ زبان پر تلفظ چڑھ جائے اور کچھ آیات حفظ ہو جائیں نماز کا تمام طریقہ آجائے۔ اب تم نے انگریزی پہلے ہی شروع کرا دی، اب تو گھر سے ہی شروع کرا دیتے ہیں۔ ابھی بچہ پیدا ہوا ہے اور اس کو انگریزی الفاظ سنا رہے ہیں بجائے اس کے کہ اس کو اردو کے الفاظ بتائیں۔ تو پہلے سے انگریزی شروع کرا دیتے ہیں۔ ارے پہلے کلام پاک کے الفاظ تو اس کی زبان پر چڑھا دو صحیح نماز کی تدبیریں تو بتا دو۔ نماز کی طرف توجہ ہو جائے، اتنی جلدی کیا ہے۔

حق تعالیٰ اس آیت میں فرماتے ہیں ﴿وَاطْمَأَنُّوْا بِهَا﴾ کہ دنیا میں جی لگا لیا انہوں نے اور دنیا ان کے دل میں بھی گھس گئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ حالت کافروں کی بیان فرمائی ہے تو مسلمانوں کا تو دل دنیا سے گھبرانا چاہئے۔ مگر بتلایئے کہ روزانہ کتنی مرتبہ دنیا میں رہنے سے ہمارا جی گھبرایا ہے اور کب وحشت ہوتی ہے؟ ہاں اگر وحشت

ہوتی ہے تو آخرت میں جانے سے ہوتی ہے۔حالانکہ دنیا سے وہ تعلق ہونا چاہئے جو مسافر کوسرائے سے ہوتا ہے، سرائے یعنی ہوٹل، کام ختم ہوا اور جلدی سے گھر واپس آگئے۔آپ لوگ جب سفر پر ہوتے ہیں تو آپ کی خواہش ہوتی ہے کہ جلدی گھر واپس جائیں، ایسی ہماری کیوں نہیں خواہش ہے اس دنیا میں ہمارا کام جلد ختم ہو اور اپنے گھر کو چلے جائیں۔سفر میں بھی تو سارے کام کرنے ہوتے ہیں مگر دل وطن میں ہی رہتا ہے۔مسلمان کی شان یہی ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے۔اس سے زیادہ بُری کیا چیز ہوگی جو خدا کی دشمن خدا کے دوستوں کی دشمن اور خدا کے دشمنوں کی بھی دشمن۔آپ حیران ہوں گے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ خدا کے دوستوں کی بھی دشمن ہو اور خدا کے دشمنوں کی بھی دشمن ہو؟ دنیا خدا کی دشمن یوں ہے کہ خدا کی راہ میں بندوں کی رہزنی کرتی ہے تاکہ بندے خدا تک نہ پہنچ سکیں دنیا کے ہو رہیں۔خدا کے دوستوں کی دشمن یوں ہے کہ اُن کو اپنا جلوہ دکھاتی ہے اور ان کی نگاہوں میں اپنے تئیں آراستہ کرتی ہے حتیٰ کہ اس پر صبر کرنے میں وہ تلخیاں چکھتے ہیں وہ لوگ جو اللہ کے راستے میں چل پڑے ہیں وہ اللہ کے دوست ہیں۔ان کے لئے یہ دنیا اس طرح سے آراستہ ہوکر سامنے آتی ہے کہ اس پر صبر کرنا پڑتا ہے اور تلخیاں چکھنی پڑتی ہیں۔اور خدا کے دشمنوں کی دشمن اس طرح کہ اپنے مکر و حیلے سے یہ دنیا انہیں اپنے دام محبت میں پھنساتی ہے اور جب وہ عاشق ہو جاتے ہیں اُن سے دور بھاگتی ہے جو اللہ کو چھوڑ کر دنیا کے پیچھے پڑا دنیا اس سے دور بھاگتی ہے۔اس طرح سے وہ اللہ کے دشمنوں کی بھی دشمن ہے۔

دنیا کے پھندے سے وہی بچ سکتا ہے جو دنیا کو اور اس کی آفت کو کما حقہ پہچانے۔ اور اس سے اس طرح پرہیز کرے جس طرح جادوگروں سے۔حدیث شریف میں ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دنیا سے پرہیز کرو کہ ہاروت و ماروت

سے بھی زیادہ اس کا جادو ہے۔ایک دن سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مری ہوئی بکری کے قریب سے گزرے اور دیکھ کر فرمایا کہ دیکھو یہ مردار کس درجہ خوار اور ذلیل ہے کہ کوئی اس کی طرف دیکھتا بھی نہیں۔پھر فرمایا کہ قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضے میں محمد (ﷺ) کی جان ہے حق تعالیٰ کے نزدیک دنیا اس سے بھی زیادہ خوار و ذلیل ہے۔اگر دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مچھر کے پَر کے برابر بھی ہوتی تو کوئی کافر اس میں سے ایک چلو پانی بھی نہ پی پاتا۔ایسی ذلیل چیز ہے، اسمیں دل لگایا ہوا ہے؟ اس کے نقصان کے اوپر بے تاب ہیں؟ اس کے فائدے کے لئے پاگل؟ بس یہ دھن ہے کہ ہماری عزت بڑھ جائے، ہمارا یہ کام بن جائے، وہ کام بن جائے، ہماری ترقی ہو جائے، دنیاوی صلاحیتیں پیدا ہو جائیں، تنخواہ بڑھ جائے، اولاد ہو جائے، بینک بیلنس خوب ہو جائے، زمین و مکان ہو جائے، جائداد بڑھتی جائے، دل کے شوق سب پورے ہو جائیں۔ کوشش کرو! اجازت ہے، جائز چیزوں کے حصول کے لئے جائز کوششوں کی، ہاں دل نہ لگاؤ۔دل تو اللہ میں لگاؤ، ہوا کرے نقصان، ہو جانے دو۔ہوگا وہی جو اللہ کو منظور ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو کچھ دنیا میں ہے ملعون ہے، اس پر لعنت ہے مگر جو کچھ خدا کے واسطے ہے۔اور فرمایا کہ دنیا کی دوستی سب گناہوں کی افسر ہے۔اور فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص دنیا کو دوست رکھتا ہے آخرت کا نقصان کرتا ہے اور جو آخرت کو دوست رکھتا ہے دنیا کا نقصان کرتا ہے۔جو چیز باقی نہ رہے اس کو چھوڑ کر اسے اختیار کرو جو باقی رہے یعنی دنیا کو چھوڑ کر آخرت کو اختیار کرو۔یہ دنیا کے مزے جب تک تم ان کی تاک میں رہو گے آخرت کی ہوا بھی نہیں لگ سکتی۔اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ نے کوئی چیز ایسی پیدا نہیں کی جو اس کے نزدیک دنیا سے زیادہ دشمن ہو۔ایسی ملعون چیز ہے۔اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا اُجڑوں کا گھر ہے مفلسوں کا مال ہے اسے وہ شخص جمع کرتا ہے جسے عقل نہ ہو اس کی طلب وہ شخص کرتا ہے جو بے علم ہو اس پر حسد وہ کرتا ہے جو بے فکر ہو اسے طلب وہ کرتا

ہے جو بے یقین ہو۔

اور سرداردو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص صبح کو اُٹھے اور اس کی بہت ہمت دنیا کی طرف ہو وہ مردان خدا میں سے نہیں کیونکہ اس کے واسطے دوزخ ہے۔ صبح اُٹھ کے بھی آپ کو اُس کی سوجھ رہی ہے؟ صبح صبح آپ کو انٹرنیٹ کی پڑی ہوئی ہے، آپ کو اس کی پڑی ہوئی ہے کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے، خبر کون سی گرم ہے، فلاں میچ میں کون جیتا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ انجام سن لیجئے آپ اس کا، کرنے کو تو کر جایئے اور چپکے سے کر جایئے شیخ کو بتایئے بھی مت مگر انجام سن لیجئے کہ سرداردو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو صبح اٹھے اور اس کی بہت ہمت دنیا کی طرف ہو وہ مردان خدا میں سے نہیں کیونکہ اس کے واسطے دوزخ ہے اور چار خصلتیں اس کے واسطے لازم ہیں، ایک تو وہ رنج جو ہرگز نہ جائے۔ اس کا دل رنجیدہ رہتا ہے اس کی وجہ سے۔ مشاہدہ کر لیجئے ایسے لوگوں کو ہر وقت غصہ اور رنج۔ چنانچہ رنج کا وہ عالم ہوتا ہے کہ بہترین بیوی رکھے ہوئے ہے یہ شخص مگر خوشی ہی نہیں ہوتی اسکو۔ چنانچہ چار خصلتیں لازم ہوتی ہیں ایسے شخص کو۔ دوزخ تو ٹھکانہ بتادیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکا جو صبح اٹھتے ہی دنیا کے چکر میں پڑ جائے غیر اختیاری خیالات اور ضروری تدبیروں کی بات نہیں ہو رہی ہے آپ کے دل ودماغ میں آپ کے قصد واختیار سے جو سوچ ہے اس کی بات ہو رہی ہے۔ یوں تو آپ مسجد کو ہی جارہے ہیں اور تہجد گزار بھی ہیں لیکن دماغ تو قصداً وہیں لگایا ہوا ہے دنیا کی فکر میں۔ ایسے شخص کو چار مصیبتیں ملتی ہیں، ایک تو وہ رنج جو ہرگز نہ جائے دوسرے وہ شغل کہ ہرگز اس سے فراغت نہ پائے، دنیا کا شغل، دنیا کا ایسا شغل لگ گیا کہ فراغت ہی نہیں ہو رہی کہ اللہ کی یاد میں لگے۔ تیسرے ایسی فقیری کہ جس سے غنی کے درجے کو ہرگز نہ پہنچے ہمیشہ ہائے اور مل جائے، اور مزید مل جائے کی حسرت، مال بھی ہے پھر بھی فقیر۔ چوتھے وہ امید جس کی کچھ انتہا ہی نہیں، ایسی امید میں مبتلا ہوگا جو کبھی ختم ہی نہیں ہوگی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو چاہتا ہے کہ تجھے دنیا دکھادوں؟ یہ فرما کر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور ایک کوڑے کے ڈھیر پر لے گئے کہ اس میں آدمیوں اور بکریوں کی کھوپڑیاں ہیں اور لتّے اور لوگوں کی پلیدی پڑی ہوئی ہے، فرمایا اے ابو ہریرہ تمہارے سروں کی طرح یہ سر بھی حرص وہوس سے پُر تھے آج اس پاخانے میں بے کوفت ہو کر پڑے ہوئے ہیں۔ ہڈی کا ڈھانچہ ہیں اور جلد خاک ہو جائیں گے، مٹی میں مل جائیں گے۔ اور یہ پلیدی وہ انواع واقسام کے کھانے ہیں جن کو بڑی محنت سے لائے اور اس طرح پیش کیا، یہ انجام ہوا ان کھانوں کا کہ سب لوگ اب اس سے بھاگتے ہیں۔ یہ بات حضور ﷺ فرمارہے ہیں۔ یہ مت سمجھیں کہ کوئی معمولی بے وقعت بات ہے، اگر بے وقعتی دل میں لائی تو ایمان ہاتھ سے نکل جائے گا، سرداردو عالم ﷺ کی بات ہے۔ وہ فرمارہے ہیں کہ یہ لتے یہ اُن کے لباس فاخرہ ہیں جو ہوا میں اڑتے ہیں اور یہ ہڈیاں ان کے چارپاؤں اور سواروں کی ہڈیاں ہیں کہ ان کی پیٹھ پر وہ جہاں کے گرد گھومتے تھے۔ جو شخص چاہے کہ دنیا پر روؤں اس سے کہہ دو کہ روئے۔ یہ رونے ہی کی جگہ ہے۔ پس جو شخص حاضر تھا رونے لگا۔ اب اپنا جائزہ لیں۔ کہاں ہیں ہمارے آنسو؟

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کچھ لوگ قیامت کے دن آئیں گے ان کے اعمال تہامہ کے پہاڑوں کے برابر ہوں گے اور وہ لوگ دوزخ میں پھینک دیئے جائیں گے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ نمازی لوگ ہوں گے؟ فرمایا کہ ہاں نمازیں پڑھی ہوں گی روزے رکھے ہوں گے شب بیداریاں کی ہوں گی لیکن دنیا کی چیزوں پر گرتے ہوں گے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اب اندازہ کیجئے ہمارا حال ہے کچھ اس سے مختلف؟ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کی یاد میں کسی طرح مشغول نہ ہو۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے بلاضرورت ذکر سے ہی ممانعت فرمادی تو اس کی طلب کا کیا حال۔ طلب نہ کرو، خود آئے گی۔ زیادہ پیچھے نہ

پڑو دنیا کے، جو ملنی ہوگی خود ملے گی، اپنے کام میں لگو۔ اللہ کے حکم کے تحت جو تمہاری ملازمت ہے، کاروبار کی جگہ ہے وہاں پہنچ جاؤ اور جو بھی کرنا ہے کرو پھر اللہ تعالیٰ پر نظر رکھو۔ جو بھی ملنا ہے ملے گا۔ دنیا تو خود ہی تمہارے قدموں میں آئے گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ دنیا کو خدا نہ بناؤ کہ وہ تمہیں اپنا بندہ نہ بنائے اور خزانہ ایسا رکھا کرو جس کے تلف ہونے کا ڈر نہ ہو۔ دنیا کا خزانہ آفت سے خالی نہیں رہتا۔ اور فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہ دنیا اور آخرت ایک دوسرے کی ضد ہے جتنا تو ایک کو خوش کرے گا اتنا ہی دوسری ناخوش ہو جائے گی۔ اور فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے میں نے تمہارے سامنے دنیا کو خاک میں ملایا تو پھر اس میں نہ ملو کہ دنیا کی ایک نجاست یہ ہے کہ اس میں خدا کا گناہ ہوتا ہے۔ گناہ دنیا ہی میں تو ہوتا ہے آخرت میں کب ہوتا ہے؟ اور ایک پلیدی یہ ہے کہ جب تک کوئی اسے ترک نہ کرے آخرت میں نہیں پہنچتا۔ تم آخرت تک پہنچ نہیں سکتے جب تک دنیا کو چھوڑ نہ دو، روح نکلے گی تب جاؤ گے۔ اور یہ جانتے رہو یعنی یاد رکھو، سمجھ لو، سوچا کرو کہ دنیا کی محبت کی خواہش اور کثرت سب گناہوں کی سردار ہے۔

ایک بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریین کے ساتھ ایک شہر سے گزرے راہ میں سب کو مردہ دیکھا۔ فرمایا کہ اے لوگو یہ سب اللہ کے غضب سے مرے ہیں ورنہ یہ سب زمین کے نیچے ہوتے یہ اوپر کیسے پڑے ہیں۔ حواریین نے عرض کیا کہ معلوم ہو جائے کہ کس سبب سے یہ مرے ہیں۔ اس رات حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک بلندی پر چڑھے اور پکارا کہ اے شہر والو، ایک شخص نے جواب دیا، عیسیٰ علیہ السلام مردوں کے شہر سے مخاطب ہیں عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے معجزہ عطا فرمایا تھا کہ مردوں کو زندہ کر دیتے تھے مردے کو کہتے تھے اٹھ جا، اٹھ جاتا تھا۔ پکارا کہ اے شہر والو! تو اس ایک شخص نے جواب دیا لبیک یا روح اللہ۔ فرمایا کہ تمہارا کیا قصہ ہے۔ اس نے کہا کہ رات کو تو ہم بخیر و عافیت تھے صبح کو اپنے تئیں دوزخ میں دیکھا۔ فرمایا کیوں؟ کہا اس

واسطے کہ ہم دنیا کو دوست رکھتے تھے اور گناہ گاروں کی اطاعت کرتے تھے۔ فرمایا کیونکر تم دنیا کو دوست رکھتے تھے؟ عرض کیا کہ جس طرح لڑکا ماں کو دوست رکھتا ہے۔ اندازہ کیجئے کہ آجکل ہم دنیا کو ویسے ہی دوست رکھتے ہیں کہ نہیں؟ صاحب دنیا کا ذرا نقصان ہو جائے گوارا نہیں آخرت چاہے کچھ ہو جائے گوارا ہے، آخرت کو چاہے جیسا ہی نقصان پہنچ جائے کوئی پرواہ نہیں کوئی فکر نہیں، ہمارا بیٹا اگر بے دین ہو جائے تو کوئی فکر نہیں اور دنیا میں اگر نمبر کم آئے تو جان نکل جاتی ہے، اوہو اب تو کیریئر خراب ہو جائے گا اس کا۔ کچھ دین کی بھی فکر ہے اس کے، کچھ حلیہ بھی اس کا دیکھا ہے، وضع قطع بھی بچے کی دیکھ رہے ہیں آپ، اس بے دینی پر بھی آپ کو رنج و غم کبھی ہوتا ہے؟ جس طرح لڑکا اپنی ماں کو دوست رکھتا ہے ہم نے دنیا کو دوست رکھا ہے۔ جب دنیا ہمارے پاس آتی تو ہم خوش ہوتے اور جب چلی جاتی تو ہم غمناک ہو جاتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اس جواب دینے والے مردے سے فرمایا کہ اوروں نے کیوں نہ جواب دیا؟ عرض کیا کہ ان میں سے ہر ایک کے منہ میں آگ کی لگام ہے۔ تو عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ پھر تو نے کیسے جواب دیا؟ عرض کیا کہ میں ان میں تھا مگر ان میں سے ہوں نہیں۔ میں دنیا کا عاشق نہیں تھا مگر اس بستی میں تھا، جب عذاب آیا تو میں ان میں رہ گیا اور اب میں دوزخ کے کنارے ہوں، نہیں جانتا کہ نجات پاؤں گا یا دوزخ میں جاؤں گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک بار لوگوں نے پوچھا کہ ہمیں ایسی کوئی چیز بتائیے جس سے حق تعالیٰ ہمیں دوست رکھے فرمایا دنیا کو دشمن رکھو تو حق تعالیٰ تمہیں دوست رکھیں گے۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ دنیا شیطان کی دکان ہے اس کی دکان سے کچھ نہ اٹھا اور نہ شیطان خواہ مخواہ تیرے پیچھے پڑ جائے گا۔ اور حضرت حازم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ دنیا سے پرہیز کرو کہ میں نے سنا ہے کہ جو شخص دنیا کو بڑا جانے گا قیامت کے دن اس کو ٹھیرا کر اس کے سر پر منادی

کریں گے کہ یہ وہ شخص ہے کہ حق تعالیٰ نے جس چیز کو حقیر جانا اس کو اس نے بزرگ جانا۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو حقیر جانا تم اس کو بڑا سمجھتے ہو۔ اور حضرت فضیلؒ ہمارے سلسلے کے بزرگ ہیں فرماتے ہیں کہ اگر حق تعالیٰ سبحانہٗ تمام دنیا حلال و بے حساب مجھے عنایت فرما دیں تو جس طرح تم مردار سے ننگ رکھتے ہو اس طرح میں اس سے ننگ رکھوں گا۔

بزرگوں اور احتیاط والوں نے اسی سبب سے صرف بقدر ضرورت دنیا پر قناعت کی ہے اس قناعت میں حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیشوا اور مقتدیٰ ہیں کہ انہوں نے دنیا کو اپنے اوپر اس قدر تنگ پکڑا تھا کہ لوگ انہیں دیوانہ جانتے تھے اور ایسا ہوتا تھا کہ سال سال دو دو سال تک لوگ ان کی صورت نہ دیکھتے تھے کہ کہاں ہیں۔ فجر کی نماز کے بعد باہر تشریف لے جاتے تھے اور عشاء کی نماز کے بعد تشریف لاتے تھے راستے میں چھواروں کی گٹھلیاں چُن چُن کر کھایا کرتے اور کھانے کے قدر خرمے مل جاتے تو ان کی گٹھلیوں کو خیرات کر دیتے نہیں تو پھر گٹھلیوں سے روزہ افطار کرتے۔ لڑکے پتھر مارتے کہ یہ شخص دیوانہ ہے، وہ فرماتے کہ میاں لڑکو، چھوٹے چھوٹے پتھر مارو کہ میں وضو اور نماز سے معذور نہ ہو جاؤں۔ یہی سبب ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کبھی نہیں دیکھا تھا مگر تعریف فرماتے تھے۔ اور حضرت عمرؓ کو اُن کے حق میں وصیت کی تھی۔ ایک بار جب امیر المؤمنین حضرت عمرؓ منبر پر تھے اور اہل عراق کو دیکھا کہ جمع ہیں تو فرمایا کہ جو شخص عراقی ہے وہ کھڑا ہو جائے، سب عراقی کھڑے ہو گئے، فرمایا کہ جو کوفی ہے وہ بیٹھ جائے، وہ بھی بیٹھ گئے، پھر فرمایا جو قرن کے رہنے والے نہ ہوں وہ بھی بیٹھ جائیں، وہ بیٹھ گئے ایک شخص کھڑا رہ گیا، پوچھا کیا تو قرن کا باشندہ ہے؟ عرض کیا ہاں۔ فرمایا کیا تو اویس قرنی کو جانتا ہے؟ عرض کیا کہ یا امیر المؤمنین! وہ تو اس درجہ حقیر ہے کہ اس لائق ہی نہیں کہ آپ اس کی بات کریں۔ کیونکہ ہم لوگوں میں اس سے زیادہ دیوانہ اور مردار اور ناقص کوئی نہیں ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے جب یہ سنا

تو رونے لگے، ہماری آنکھوں سے تو آنسو ہی نہیں نکلتے ہم تو بس دنیا میں ایسے مگن ہیں اور دنیا کی لذتوں میں ایسے سرشار ہیں کہ کوئی بھی بات ہو جائے ہماری آنکھوں سے آنسو نہیں نکلتا۔ خیر نہ نکلے دل ہی رو لے اور اس دنیا کو بُرا سمجھے یہ بھی غنیمت ہے، کافی ہے۔ حضرت عمرؓ ان کا حال سُن کر رونے لگے اور فرمایا کہ میں انہیں اس واسطے تلاش کرتا ہوں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے کہ قبیلہ ربیعہ اور قبیلہ مضر کی گنتی کے برابر لوگ ان کی شفاعت سے جنت میں جائیں گے۔ یہ دو قبیلے ایسے ہیں جن کے لوگوں کی کثرت اتنی تھی کہ شمار میں ہی نہیں آتی تھی۔ حضرت ھَرِم بن حبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے جب یہ حال سنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تو کوفہ کو گیا اور حضرت اویس قرنی کو تلاش کیا حتیٰ کہ فرات کے کنارے کپڑے دھوتے اور وضو کرتے پایا۔ چونکہ ان کی تعریف سن چکا تھا اس سبب سے میں نے پہچان کر ان کو سلام کیا انہوں نے جواب دیا اور مجھے دیکھا، میں نے چاہا کہ ان کا ہاتھ پکڑ لوں مگر ہاتھ مجھے نہ دیا میں نے کہا رَحِمَکَ اللہُ یَا اُوَیسُ وَ غَفَرَ لَکَ کہ اویس تم پر اللہ کی رحمت ہو اور اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائیں تم کیسے ہو؟ یہ کہہ کر ان کی غریبی اور شکستہ حالی دیکھ کر مجھے شفقت اور محبت ان پر آئی تو میں بے اختیار رونے لگا اور وہ بھی رونے لگے اور کہا کہ حَیَّاکَ اللہُ یَا ھَرِمُ بْنُ حِبَّان اللہ تعالیٰ تمہیں زندہ رکھیں؟! اے ہرم بن حبان میرے بھائی تم کو کیسے معلوم ہوا اور تمہیں میرا پتہ کس نے بتایا ہے میں نے کہا تمہیں میرا اور میرے باپ کا نام کیونکر پتہ چلا۔ ابھی تو تعارف بھی نہیں ہوا تھا اور نام سے خطاب کیا۔ تم نے میرا اور میرے باپ کا نام کیونکر پہچانا تم نے تو مجھے کبھی دیکھا بھی نہیں۔ اویس قرنیؓ نے جواب دیا ﴿نَبَّانِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ﴾، آیت ہے قرآن پاک کی یعنی اس خدا نے مجھے خبر دی جس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں۔ میری روح نے تیری روح کو پہچان لیا کہ مسلمانوں کی روحوں کو ایک دوسرے کی خبر ہوتی ہے اور ایک دوسرے سے آشنا ہوتی ہیں گو کہ ایک دوسرے کو نہ دیکھا ہو۔ میں نے کہا کچھ

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرو تمہاری یادگاری رہے۔اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرا قلب و جان حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان میں آپ کی قدم بوسی سے مشرف نہیں ہوا اور آپ کی حدیثیں اوروں سے سنی ہیں مگر میں یہ نہیں چاہتا کہ حدیث کا راوی بنوں اور محدث مفتی اور واعظ بن جاؤں مجھے ایسا شغل ہے کہ ان باتوں میں مشغول نہیں ہوتا۔اللہ کی یاد کا شغل ہے۔میں نے کہا کہ قرآن شریف میں سے کوئی آیت پڑھئے کہ میں آپ کی زبان سے سن لوں اور میرے واسطے دعا کیجئے اور مجھے کچھ نصیحت فرمایئے کہ میں آپ کو للہ بہت دوست رکھتا ہوں۔پس فرات کے کنارے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا **اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم** یہ کہہ کر رونے لگے پھر فرمایا کہ میرا مالک یوں ارشاد فرماتا ہے اور اس کا کلام راست اور حق ہے،اور یہ آیت پڑھی ﴿**وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ**﴾ یہاں تک پڑھا اور دوسری آیت کا پھر سوچا اس کا خیال آیا تو ایک چیخ ماری۔میں سمجھا کہ بیہوش ہو گئے اور وہ آیت جو اس کے بعد کی ہے وہ یہ ہے کہ ﴿**اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ▪ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ▪ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ**﴾ آخرت کا نقشہ ہے اس آیت میں کہ تحقیق قیامت کا دن جو طے ہے اور معین ہے،جس دن کوئی دوست اپنے دوست کو کسی شئے سے مستغنی نہ کرے گا، کوئی دوست اپنے دوست کے کام نہ آئے گا اور نہ اس روز ان کی مدد کی جائے گی مگر جس پر اللہ کا رحم ہو اور وہی خدا غالب رحم والا ہے۔ھرم بن حبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ چیخ جو ماری تو میں یہ سمجھا کہ بیہوش ہو گئے تو وہ کہنے لگے کہ اے ابن حبان تیرا باپ مر گیا قریب ہے کہ تو بھی مر جائے گا یا بہشت میں جائے گا یا دوزخ میں۔تیرے دادا حضرت آدم علیہ السلام مر گئے حضرت حوا علیہا السلام مر گئیں حضرت ابراہیم خلیل اللہ مر گئے حضرت موسیٰ کلیم اللہ مر گئے حضرت داود خلیفۃ اللہ مر گئے اور حضرت محمد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرما گئے اور ان کے خلیفہ حضرت ابو بکر صدیقؓ چل بسے۔میرے بھائی اور میرے دوست عمرؓ نے بھی دنیا سے کوچ کر لیا۔میں نے کہا، اویس خدا تجھ پر رحمت کرے حضرت عمرؓ عنہ تو نہیں مرے (ان کو خبر نہیں ہوئی تھی)۔فرمایا کہ میرے خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ عمر فاروقؓ مر گئے۔پھر کہا میں اور تو بھی مردوں میں سے ہیں۔میں بھی مردوں میں ہوں تو بھی مردوں میں سے ہے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا تھوڑی سی دعا کی پھر کہا کہ نصیحت یہ ہے کہ کتاب اللہ اور صالحین کی راہ اختیار کر اور ایک ساعت بھی موت کی یاد سے غافل نہ رہ۔

دیکھئے کیسی عجیب نصیحت اور وصیت حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی۔ایک ساعت کے لئے بھی ہم کیسے غافل ہو جائیں گے،کس وقت موت آ جائے گی کیا پتہ؟ بچے مر رہے ہیں،جوان مر رہے ہیں،بوڑھے مر رہے ہیں،کیسے جی خوش کر لیا کہ ہم پر موت نہیں آئے گی؟ موت تو آ کے رہے گی اور کسی وقت آ جائے گی۔دیکھئے اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت اور نصیحت کہ ایک ساعت بھی موت کی یاد سے غافل نہ رہ۔پھر اویس قرنیؒ نے فرمایا کہ جب اپنی قوم کے پاس جا تو ان کو نصیحت کر اور خلق خدا کو نصیحت کرنا نہ چھوڑ اور جماعت امت کی موافقت سے قدم بھر بھی پاؤں نہ ہٹانا ورنہ فوراً بے دین ہو جائے گا۔اور اے ھرم ابن حبان دوبارہ نہ تو مجھے دیکھے گا نہ میں تجھے دیکھوں گا مجھے دعا کے ساتھ یاد رکھنا اور میں بھی تجھے دعا کے ساتھ یاد کروں گا تو اُس طرف جا میں اس جانب چلا جاؤں گا۔میں نے چاہا کہ ایک ساعت ان کی ہمراہی کروں،نہ آنے دیا،اور رونے لگے اور مجھے رلانے لگے میں ان کے پیچھے دیکھتا تھا حتی کہ ایک گلی میں چلے گئے پھر ان کی خبر نہ ملی۔

اویس قرنیؒ کا قصہ بیان کر کے امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اے برادر اس بات کو باور کر کہ جن لوگوں نے دنیا کی اصلیت کو پہچانا ہے ان کی سیرتیں اسی طرح کی ہیں۔اور ہمارے حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ دنیا میں جس نے جی لگایا اس نے دنیا

کی حقیقت کو نہیں سمجھا ہماری بالکل وہی حالت ہے کہ جیسے بچہ سرائے کے کسی آرام کو دیکھ کر ضد کرنے لگے کہ میں تو یہیں رہوں گا۔ باقی جن کو دنیا کی اصلیت کی خبر ہے وہ چاہتے ہیں اور منت مانتے ہیں کہ کسی طرح سے یہاں سے چھٹکارا ہوجائے۔

اب دنیا کی محبت زائل ہونے کی آسان ترکیب حضرت حکیم الامتؒ بیان فرماتے ہیں، فرماتے ہیں کہ ایک ترکیب بتلا کر وعظ کو ختم کرتا ہوں اور وہ ایسی ترکیب ہے کہ جس سے تم کو خدا نے چاہا تو وہ فیض ہوگا جو بزرگوں کی صحبت سے ہوتا ہے۔ اب بزرگ ہیں نہیں، اہل اللہ کہاں ہیں؟ ہیں کوئی؟ نظر آتا ہے کوئی؟ اس وقت قحط الرجال ہے مگر پھر بھی ڈھونڈنے والے کو ضرور ایسے اہل اللہ بھی مل جائیں گے۔ لیکن جسے نہ ملیں اسے حکیم الامتؒ کی اس ترکیب سے وہ فیض ہوگا جو بزرگوں کی صحبت سے ہوتا ہے اور یہ جو حد سے قدم باہر نکلا جارہا ہے یہ رک جائے گا اور وہ حالت ہوجائے گی جو طاعون کے زمانے میں ہوتی ہے کہ سب کچھ کرتے ہو مگر کسی چیز میں دل نہیں لگتا، وہ ترکیب یہ ہے کہ ایک وقت مقرر کرکے اس میں موت کو یاد کیا کرو پھر قبر کو یاد کرو پھر میدان قیامت کو یاد کرو۔ یاد کیا کرو کہ اب میری روح نکلنے والی ہے فرشتے موت کے آگئے ہیں اور اگر میرے اعمال اچھے نہیں ہیں تو یہ فرشتے مجھ کو عذاب دیں گے طرح طرح کے اور اگر میرے اعمال اچھے ہیں تو بشارتیں دیں گے۔ سوچو کہ روح نکلی ہوئی ہے اور فرشتوں کے ہاتھ میں ہے یا عذاب کے فرشتوں کے ہاتھ میں ہے یا رحمت کے فرشتوں کے ہاتھ میں ہے میری لاش رکھی ہے سارا قصہ سامنے ہورہا ہے حتی کہ قبر تک پہنچ گئے۔ سوچو قبر کو یاد کرو قیامت کو یاد کرو اس کی دہشت اور سختیوں کو یاد کرو اور سوچو کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑا کیا جائے گا وہ بڑی قدرت والا ہے ہم سے پوچھ گچھ ہوگی ایک ایک حق اگلنا پڑے گا یہاں تم چھپالو چالاکی کرلو، مصلحت کو گڑھ لو مگر حق تعالیٰ جانتے ہیں پھر سخت عذاب کا سامنا ہوگا۔ اسی طرح روزانہ سونے کے وقت یہ سوچ لیا کرو، روزانہ کرو ہفتے دو ہفتے میں انشاء اللہ کایا پلٹ ہوجائے گی اور یہ جو محبت دنیا کے ساتھ اب ہے، باقی نہ رہے گی۔ اب عبرت کے

لئے ایک قصیدہ ہے عربی کا اس کا کچھ ترجمہ عرض کردیتا ہوں پھر بیان ختم کرتا ہوں۔

اے نفس! تو نے غفلت میں عمر برباد کردی اٹھ کچھ تلافی کر کہ آج بھی تجھے مہلت نصیب ہے جب تجھے وہ حادثہ موت کا پیش آئے گا جس کو کوئی ٹال نہیں سکتا تو مال ودولت اور حسب نسب تجھے کچھ بھی کام نہ آئیں گے تیرے جسم سے لباس فاخرہ اتار کر تجھے کفن کی چادر میں لپیٹ دیں گے تجھے زمین کی تہ میں پھر تنہا چھوڑ دیں گے اور نظروں سے اوجھل کردیں گے۔ پھر کوئی کہے گا بڑا اچھا باپ تھا، کوئی کہے گا بڑا اچھا دوست تھا، کوئی کہے گا اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے، کوئی کہے گا دنیا میں بڑی اچھی زندگی گزار گیا اور اس زبانی جمع خرچ کے بعد انہیں یہ بھی خبر نہ ہوگی کہ کون چلا گیا ان کی ساری توجہ میراث کی تقسیم میں لڑنے مرنے پر ہوگی پھر بہت جلد پیٹ کے دھندے میں لگ جائیں گے اور وہ تجھے خلوت وجلوت میں بھی کبھی یاد نہ کریں گے۔

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

۵۔ گناہ چھوڑنے کا آسان طریقہ

خطبۂ ماثورہ

أَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

إِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهٗ يَتُوْبُ إِلَى اللهِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾ . (سورۃ الفرقان ۲۵: ۷۰-۷۱)

مگر جو شخص (شرک و معاصی سے) توبہ کرے گا اور ایمان (بھی) لے آئے گا اور نیک کام کرتا رہیگا تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے (گذشتہ) گناہوں کی جگہ نیکیاں عنایت فرمائیگا اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اور جو شخص (معصیت سے) توبہ کرتا ہے اور نیک کام کرتا ہے تو وہ (بھی عذاب سے بچا رہیگا کیونکہ وہ) اللہ تعالیٰ کی طرف خاص طور سے رجوع کر رہا ہے۔

توبہ کی نشانی ہی یہی ہے کہ عمل نیک ہو۔ یہ توبہ کیسی ہے کہ اس کے بعد عمل نیک نہ ہو؟ توبہ کا لازمی اثر یہ ہے کہ عمل نیک کرے۔ ایسی توبہ اگر کسی نے کی تو بے شک وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ عجیب حق تعالیٰ کی شان ہے۔ حق تعالیٰ کا کلام ہے اس میں حق تعالیٰ نے شفاء رکھی ہے تمام امراض کی شفاء ہے اور ہر آیت میں یہ خاصیت ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے جو حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ کلام پاک کی ہر آیت میں یہ خاصیت ہے کہ تمام امراض کے لئے شفاء ہے۔ اب دیکھئے اسی آیت میں آپ نے سن لیا کہ توبہ کرنے سے ہمارے گناہ جو ہیں وہ سارے کے سارے حسنات میں بدل دیئے جاتے ہیں۔ اس آیت کو سنتے ہی اگر وہ مومن ہے اگر اس کے دل میں ایمان ہے تو ایک داعیہ قلب میں ضرور پیدا ہوگا توبہ کا۔ حق تعالیٰ قادر مطلق، حق تعالیٰ ہمارے

پروردگار، ہمارے خالق، وہ کہہ رہے ہیں کہ تم نے جتنے بھی گناہ کئے ہیں تم توبہ کرو ہم ان گناہوں کو حسنات میں بدل دیں گے۔ یہ سن کر کوئی مومن ہے ایسا جس کے دل میں توبہ کا تقاضہ، توبہ کا داعیہ، توبہ کی رغبت نہ پیدا ہو جائے؟ چاہے ضعیف ہی سا داعیہ ہو گا مگر پیدا ہو کر رہیگا۔ آپ خود دل پر ہاتھ رکھ کر فیصلہ کیجیے۔ ہوگا کہ نہیں ہوگا؟ جب اس قدر محبت کے ساتھ حق تعالیٰ اپنے بندوں کو فرما رہے ہیں کہ تم توبہ کرو تمہارے گناہ کیسے بھی ہوں ہم ان کو حسنات میں بدل دیں گے تو کوئی مومن ہو سکتا ہے جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو تو اس کے دل میں ایک داعیہ، ایک خواہش توبہ کی نہ پیدا ہو جائے؟ اگر یہ خواہش اس کے دل میں پیدا ہوئی تو شفاء ہوگئی۔ اس کے قلب کے اندر ابھی تو گناہ کی خواہشات تھیں اور اس آیت کو سننے کے بعد توبہ کی خواہشات پیدا ہو گئیں تو کیا شفاء نہیں ہوگئی دل کو؟ کلام پاک میں شفاء ہے آپ کو تو خود محسوس ہوگا اور یہ ضروری بھی نہیں کہ محسوس ہو مگر شفاء ہوگی ضرور۔ بعض جگہوں پر طبعاً تو نہیں محسوس ہو گا مگر عقلاً تو پتہ ہے کہ حق تعالیٰ کا کلام سچا ہے عقل نے تو تسلیم کر لیا۔ شفاء ہوگئی کیونکہ عقل کا صحیح ہو جانا ہی تو شفاء ہے۔ عقل صحیح ہو جائے بس یہی کافی ہے گناہ کا سبب عقل کی خرابی ہے۔ تو دیکھئے اس آیت میں شفاء ہے۔ عقلاً سمجھ لیا کر توبہ کرنا چاہئے تو شفا ہوگی۔

حکیم الامتؒ فرماتے ہیں ہمارا حال تو گناہوں کا ہے ہم تو گناہوں میں غرق ہیں تو اس آیت کی ہم کو بہت زیادہ ضرورت ہے۔ جب ہم گناہوں میں غرق ہیں تو کیا ہم کو اس بات کی ضرورت نہیں کہ ہمارے گناہ حسنات میں بدل جائیں؟ چاہے کوئی پرہیزگار ہی کیوں نہ ہو اس کو بھی اس کی ضرورت ہے کوئی پرہیزگار بھی ایسا نہیں جس کے پاس کوئی گناہ نہ ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **كُلُّكُمْ خَطَّاؤُنْ** تم سب خطا کار ہو۔ صحابہ بیٹھے ہوئے ہیں اور فرما رہے ہیں تم سب خطا کار ہو تو ہم آپ

کیا چیز ہیں کیا صوفی کیا عالم! ہم فلاں بزرگ کے مرید ہیں ہم فلاں بزرگ کے خلیفہ ہیں! مگر کیا آپ گناہوں سے پاک ہیں؟ کہہ سکتے ہیں اپنے آپ کو پاک؟ ارے! پاک تو اللہ کی ذات ہے ۔ پتہ چلا کہ توبہ سب کے لئے ضروری ہے ۔ ہمارے لئے تو اور بھی ضروری ہے کیونکہ ہمارا تو گناہوں سے برا حال ہے بلکہ ہمیں تو معاصی پر جرأت ہے ۔ ہم میں سے اکثر کا یہی حال ہے ۔

حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ ایک تو گناہ کے اوپر عقوبت ہے، سزائیں ہیں ۔ وہی کافی ہیں کہ ان کے ڈر سے انسان گناہوں کو چھوڑ دے یعنی جو سزائیں ہیں اتنی شدید ہیں کہ وہی کافی ہیں کہ ڈر کے مارے انسان گناہوں کو چھوڑ دے ۔ کتاب جزاء الاعمال میں حکیم الامتؒ نے گناہوں کے وہ نقصانات جو دنیا میں ہی ظاہر ہو جاتے ہیں وہ لکھ دیئے ہیں ۔ بڑی عبرت کے لائق ہیں ۔ پہلے ان کو عرض کر دیتا ہوں تاکہ سب سے پہلے یہ سمجھ میں آ جائے کہ گناہ ضرر والی، نقصان والی چیز ہے ۔ اس کا انجام دنیا میں ہی خراب ہے اس لئے ہمیں توبہ کرنا چاہئے ۔ پہلے کچھ نفرت تو گناہ کے لئے پیدا ہو جانی چاہئے ۔ اس کے لئے حکیم الامتؒ کی کتاب جزاء الاعمال میں سے کچھ عرض ہے ۔

حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ گناہوں کی مضرتیں یعنی نقصانات دنیا میں اس کثرت سے ہیں کہ اس کا شمار نہیں ہوسکتا ۔ آخرت کی بات تو بعد کی ہے، قبر کی بات تو بعد کی ہے، قبر میں تو گناہ پر عذاب ہوگا ہی لیکن دنیا میں بھی ہوگا ۔ کیا حکیم الامتؒ یہ بات اپنی طرف سے کہہ رہے ہیں؟ نہیں ۔ حکیم الامتؒ نے اپنی تحقیق نہیں پیش کی ۔ حکیم الامتؒ کے مواعظ پڑھ جایئے ۔ ایک دو نہیں سیکڑوں کی تعداد میں شائع ہوئے ہیں ۔ ان مواعظ میں آپ کو کسی ایک جگہ بھی کوئی بات قرآن و حدیث کے علاوہ نہیں ملےگی ۔ جہاں کوئی بات کہی قرآن و حدیث سے دلائل پیش کرتے ہوئے کہی ۔ یہ بھی

قرآن حدیث ہی کی روشنی میں فرما رہے ہیں کہ گناہ کا ضرر دنیا میں بھی ہوگا ۔

اب سنئے ۔ فرماتے ہیں کہ وہ کیا چیز ہے جس نے ابلیس کو آسمان سے نکال کر زمین پر پھینک دیا؟ یہ نافرمانی کی ہی تو سزا ہے ۔ اس نافرمانی کی سزا ابلیس کو آخرت میں کہاں ابھی تو دنیا میں ہی مل رہی ہے ۔ تو تم یہ کیسے کہتے ہو کہ تمہیں دنیا میں سزا نہیں ملے گی صرف آخرت میں دی جائے گی؟ ہم جو ہیں گناہ پہ گناہ کر رہے ہیں اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں سزا نہیں مل رہی، بالکل سزا مل رہی ہے، ملتی رہتی ہے ۔ جو پریشانی تم پر آتی ہے تمہارے اپنے گناہوں کی وجہ سے آتی ہے ۔ ﴿**ربنا ظلمنا انفسنا**﴾، ہم نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے ۔ آپ کو گناہ پر کوئی طاقت مجبور نہیں کر سکتی ۔ سب دھوکہ ہے شیطان کا ۔ گناہ ہم خود کرتے ہیں شیطان کے بہکانے سے کرتے ہیں اور بے شک نفس کے تقاضوں کے تحت کرتے ہیں ۔ تو ابلیس گناہ کی وجہ سے دنیا میں ہی ملعون ہوا ۔ اور وہ کیا چیز ہے جس نے نوح علیہ السلام کے زمانے میں اہل زمین کو غرق کر دیا؟ یہ سزا دنیا میں نہیں ملی تو اور کہاں ملی؟ وہ کونسی چیز ہے جس سے ہوائے تند کو قوم عاد پر بھیجا گیا یہاں تک کہ پٹخ پٹخ کر زمین پر مارے گئے؟ وہ کونسی چیز ہے جس سے قوم ثمود پر چیخ آئی کہ ان کے کلیجے پھٹ گئے اور مر گئے؟ وہ کونسی چیز ہے جس سے قوم لوط علیہ السلام پر عذاب آیا بستیاں آسمان تک اٹھا کر پھینکی گئیں پھر ان پر پتھر برسائے گئے؟ یہ عذاب دنیا میں تو آیا ۔ اور عذاب دینے والا کون ہے؟

ایک مرتبہ میں نے اپنے حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب قدس سرہٗ سے عرض کیا کہ حضرت مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خراب سڑا ہوا کھانا زہریلا کھانا جسم کو متاثر کر دیتا ہے ۔ جسم سخت تکلیف میں ہو جاتا ہے الٹی ہو رہی ہے، قے ہو رہی ہے، پریشانی ہے، بالکل اسی طرح سے مجھے لگتا ہے کہ یہ گناہ جو ہیں روح پر اسی طرح سے اثر کرتے ہیں ۔ یہ تو گناہ کی خاصیت ہے جو قبر میں ظاہر ہوگی ۔ اس پر حضرتؒ نے فرمایا کہ

عذاب کو بالواسطہ سمجھو یا بلاواسطہ سمجھو، گناہ پر حق تعالیٰ کا ہی تو مواخذہ ہوگا۔عذاب دینے والے تو حق تعالیٰ ہی ہوں گے۔

اسی طرح سے شعیب علیہ السلام کی قوم پر آگ برسائی گئی، یہ دنیا میں ہی تو برسائی گئی۔شعیب علیہ السلام کی قوم پر جو آگ برسائی گئی۔تو یہ سزا دنیا ہی میں تو دی گئی۔بنی اسرائیل کے گناہوں کے سبب ان پر ایسی قوم کو مسلط کیا گیا جو سخت لڑنے والی تھی اور وہ ان کے گھروں کے اندر گھس گئے اور ان کو زیروزبر کر ڈالا پھر وہ کبھی مصیبت میں گرفتار ہوئے کبھی قتل ہوئے کبھی قید ہوئے کبھی ان کے گھر اجاڑے گئے کبھی ظالم بادشاہ ان پر مسلط کئے گئے اور کبھی وہ جلاوطن کئے گئے۔وہ چیز جس کے یہ آثار اسی دنیا میں ظاہر ہوئے اگر نافرمانی نہیں تھی تو پھر کیا تھا؟

کسی قوم کے اوپر جب اس طرح کے آثار ظاہر ہونے لگیں اور ماضی قریب میں بھی ہوئے کہ دشمن جابر مسلط ہو جائے یہ گناہ کی سزا نہیں تو اور کیا ہے؟ کلام پاک نے تو صاف صاف علی الاعلان کہہ دیا اب آپ کو ماننے میں کیوں دشواری ہوتی ہے؟ اب بھی آپ کو ماننے میں دشواری ہوتی ہے؟ شیطان نے آنکھوں پر پردہ ڈالا ہوا ہے تاکہ توبہ کا راستہ کھلنے نہ پائے۔دیکھ رہے ہو دن رات کی پریشانیاں، دیکھ رہے ہو دن رات کی مصیبتیں، دیکھ رہے ہو کہ جابر قومیں تم پر مسلط ہوتی چلی جا رہی ہیں، دیکھ رہے ہو کہ تمہارے لوگ قید ہوتے چلے جا رہے ہیں، پھر بھی تم کہتے ہو کہ نہیں ہمارا قصور کوئی نہیں۔تمہارا قصور کیسے نہیں،سننا ہی نہیں چاہتے۔چنانچہ مختصر الفاظ میں کلام پاک میں صاف صاف ارشاد کیا گیا ہے ﴿**وما كان الله ليظلمهم ولكن كانوا انفسهم يظلمون**﴾،کلام پاک نے صاف فیصلہ کردیا،یعنی اللہ تعالیٰ ایسے نہیں ہیں کہ ان پر ظلم کرتے بلکہ وہ تو خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے گناہ کر کے نافرمانی کر کے۔جب تم حق تعالیٰ کی نافرمانی تمہاری اپنی جان پر ظلم ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بے شک آدمی محروم ہو جاتا

ہے رزق سے گناہ کے سبب سے جس کو وہ اختیار کرتا ہے۔اور ابن ماجہ میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ہم دس آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے کہ پانچ چیزیں ہیں میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں کہ تم ان کو پاؤ، جب کسی قوم میں بے حیائی کے افعال علی الاعلان ہونے لگیں وہ طاعون میں مبتلا ہوں گی اور ایسی ایسی بیماریوں میں گرفتار ہوں گے جو ان کے بڑوں کے وقت میں نہیں تھیں، اور جب کوئی قوم ناپنے تولنے میں کمی کرے گی تو قحط تنگی اور حکام کے ظلم میں مبتلا ہوگی، اور نہیں بند کیا کسی قوم نے زکوٰۃ کو مگر بند کیا جاوے گا باران رحمت کو، اگر بہائم نہ ہوتے یعنی یہ جانور مویشی جن کو گھاس پھوس کی ضرورت ہے تو کبھی ان پر بارش نہ ہوتی، اور نہیں عہد شکنی کی کسی قوم نے مگر مسلط فرمادے گا اللہ تعالیٰ ان کے دشمن کو غیر قوم سے اور وہ بالجبر لے لیں گے ان کے اموال کو، جب اللہ تعالیٰ بندوں سے انتقام لینا چاہتے ہیں تو بچے بکثرت مرتے ہیں اور عورتیں بانجھ ہو جاتی ہیں۔اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے وہب سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ جب میری اطاعت کی جاتی ہے میں راضی ہوتا ہوں اور جب راضی ہوتا ہوں برکت کرتا ہوں اور میری برکت کی کوئی انتہا نہیں اور جب میری اطاعت نہیں کی جاتی تو غضبناک ہوتا ہوں۔حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ غضبناک ہوتا ہوں، لعنت کرتا ہوں اور میری لعنت کا اثر سات پشت تک جاتا ہے۔ ایک مرتبہ تم لعنت میں آگئے اللہ تعالیٰ کی تو تمہاری سات پشتیں روئیں گی۔کیا ہمیں؟ توبہ کی ضرورت نہیں ہے؟ کب ہمیں ہوش آئے گا؟

پھر فرماتے ہیں حکیم الامتؒ کہ ایک اثر معاصی کا یہ ہے آدمی علم سے محروم ہو جاتا ہے کیونکہ علم نور ہے اور معاصی سے نور علم بجھ جاتا ہے چاہے آپ کی کمر پر تفسیروں کی تفسیریں لدی ہوئی ہوں۔اور فرماتے ہیں کہ گناہ سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص بے قدر و خوار ہو جاتا ہے۔ظاہر ہے جب گناہ کرو گے تو حق تعالیٰ کے نزدیک تم

باعزت نہیں رہو گے، حق تعالیٰ کے نزدیک تمہاری قدر نہیں رہے گی۔ یہ تم بھول میں پڑے ہوئے ہو کہ کچھ نہیں ہوگا۔ اس بھول کا، غفلت کا انجام یہ ہوگا کہ حق تعالیٰ کے نزدیک ذلیل ہو جاؤ گے۔ جو شخص حق تعالیٰ کے نزدیک ذلیل ہوتا ہے پھر اس کی مخلوق میں بھی کوئی عزت نہیں رہتی چنانچہ مخلوق بھی اس شخص کی عزت نہیں کرتی۔

گناہ کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ ہر گناہ کسی نہ کسی دشمن خدا کی میراث ہے تو یہ شخص جو گناہ کرتا ہے ملعونوں کا وارث بنتا ہے۔ تکبر قوم ہود کی میراث ہے، عُلو یعنی بڑا بننے کی کوشش اور فساد فرعون کی میراث ہے۔ اسی طرح سے اور تمام گناہوں کی فہرست ہے۔ ہر گناہ کسی نہ کسی دشمن خدا کی میراث ہے۔

ایک نقصان گناہوں کا یہ ہے کہ تمام مخلوقات گناہ گاروں پہ لعنت کرتی ہیں۔ تمام مخلوقات! آپ کو نہ خبر ہو آپ بڑے اچھے بنے بیٹھے ہوئے ہیں آپ نے خوب خوشبوئیں لگا رکھی ہیں عمدہ لباس پہن رکھے ہیں۔ خوب ہنسی مذاق میں غافل و مست ہیں مگر گناہ کی وجہ سے ساری مخلوق آپ پر لعنت کرتی ہے۔

ایک گناہ کا نقصان یہ ہے کہ عقل میں فتور اور فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک نقصان گناہ کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے وحشت رہتی ہے۔ ایک نقصان گناہ کا یہ ہے کہ آدمیوں سے بھی وحشت ہوتی ہے بالخصوص نیک لوگوں سے ملنا نہیں چاہتا۔ بھاگتا ہے۔ ہاں! ایک آدمی اپنی اصلاح میں مشغول ہے اور مشغول رہنے کی بناء پر وہ اختلاط میں کمی کرنا چاہتا ہے۔ نفس چاہتا ہے کہ باتیں کریں لیکن وہ رکتا ہے یہ نہ ملنا تو اپنی اصلاح کے لئے ہے یہ تو مطلوب ہے۔ اور ایک یہ کہ ہمیں لوگوں سے وحشت ہی ہوگئی اور وحشت ایسی کہ گناہوں میں لگے ہوئے ہیں۔ بعض اوقات سالک کو حق تعالیٰ کی محبت کے غلبہ میں بھی مخلوق سے وحشت ہو جاتی ہے، وہ وحشت اور ہے۔ ایسی وحشت مبارک ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ گناہ اسکا سبب نہ ہو اور یہ وحشت حقوق واجبہ کی ادائیگی میں رکاوٹ نہ بنے۔

ایک نقصان گناہ کا یہ ہے کہ گناہ سے اکثر کاموں میں دشواری پیش آتی ہے جیسے تقویٰ کرنے سے کامیابی کی راہیں نکل آتی ہیں ایسے ہی ترک تقویٰ سے کامیابی کی راہیں بند ہو جاتی ہیں۔ تقویٰ کہتے ہیں اللہ کے ڈر سے ہر چھوٹے بڑے گناہ سے بھاگ جانا دور ہو جانا اور دین کے ہر چھوٹے بڑے حکم پر عمل کرنا۔ ان حکموں میں باطنی احکام جو انسان کے قصداً کچھ سوچنے کے متعلق ہیں وہ بھی شامل ہیں۔ اگر ان سب پر عمل کی کوشش ہو تو اسے تقویٰ کہتے ہیں۔ ایک نقصان یہ ہے کہ قلب میں تاریکی سی معلوم ہوتی ہے۔ ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ سے دل اور جسم میں کمزوری پیدا ہوتی ہے۔ ایک نقصان یہ ہے کہ معصیت سے عمر کم ہو جاتی ہے۔ اب بتایئے آپ کو پتہ بھی نہیں چل رہا ہے آپ کی عمر کم ہوگئی جب موت آجائے گی تب پتہ چلے گا۔

ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے سے ارادہ توبہ کا کمزور ہو جاتا ہے جتنا گناہ کرو اتنا توبہ کا ارادہ کمزور ہو جاتا ہے اور ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کی برائی دل سے نکل جاتی ہے اس کو برا نہیں سمجھتا نہ اس بات کی پرواہ ہوتی ہے کہ کوئی دیکھ لے گا بلکہ خود تفاخراً اس کا ذکر کرتا ہے ایسا شخص معافی سے دور ہو جاتا ہے۔ ہم آپ خود ایسا ہی کرتے ہیں۔ عورتوں کو معلوم ہے کہ بلا ضرورت بازار میں جانا گناہ ہے مگر جب مرضی ہوگی یہ بازار چلی جائیں گی اور جانے کے بعد جب مجلس ہوگی تفاخر سے بتائیں گی کہ ہم بازار گئے تھے اس بازار میں یہ تھا اُس بازار میں یہ تھا، ارے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس کو گناہ بتایا ہے قرآن میں تو اس کو گناہ کہا گیا ہے تم اس کو گناہ سمجھ کر مجبوراً تو کبھی کر لو لیکن پھر اس کا تفاخر سے تذکرہ کرو اور اس پر فخر کرو کہ مجھے تو پتہ ہے کہ فلاں دکان میں فلاں چیز ملتی ہے میں اس عورت سے بہتر ہوں مجھ کو زیادہ پتہ ہے! اسی طرح سے مردوں کی عادت ہے وہ تفاخر کرتے ہیں، میں تو اپنے دوستوں سے مخاطب ہوں مجھے دنیا سے غرض نہیں ہے دنیا میں تو وہ وہ بے حیائیاں ہو رہی ہیں وہ وہ تماشے ہو رہے ہیں ہم آپ کہاں تک سمجھائیں ہم تو ان خاص دوستوں کو عرض کرتے ہیں جو ہمارے

فرماتے ہیں ﴿**وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا**﴾ یعنی جو لوگ کہ بڑا بے حیائی کا کام کرتے ہیں یا معمولی ظلم اپنے نفس پر کرتے ہیں تو یاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب کو پس بخشش چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ سے کیونکہ جانتے ہیں کہ نہیں بخشتا گناہوں کو مگر اللہ اور وہ گناہ پر اصرار نہیں کرتے۔

حدیث شریف میں آیا ہے جس نے ہر گناہ کے بعد توبہ کرلی وہ گناہ پر نہیں اڑا رہا، وہ فاسق نہیں ہے، خواہ اس نے ایک دن میں ستر گناہ کیے۔ یہ اصرار کرنے والوں میں نہیں ہیں۔ پھر فرماتے ہیں حکیم الامتؒ، سنئے غور سے سنئے! اس نا کارہ کی نہیں، حکیم الامتؒ کی سنئے، صاحبو کیا یہ بھی مشکل بات ہے کہ جب گناہ ہوجائے توبہ کرلیں، جب گناہ کرتے ہو تو کس توجہ سے کرتے ہو پیر بھی ہلاتے ہو ہاتھ بھی ہلاتے ہو حرکت بھی کرتے ہو اگر توبہ کرنے میں زبان اور دل کو حرکت دے دیا کرو تو کیا دشوار ہے۔ اصل یہ ہے کہ شیطان نے جب یہ دیکھا کہ یہ تو چلتا ہوا نسخہ ہے اور سبھی اس کو استعمال کررہے ہیں، من جانب اللہ ہے، اور یہ میری کوشش جو گناہ کرانے میں ہوئی یہ سب مٹ جائے گی تو اس نے ہم کو اس طریقے سے گمراہ کیا کہ اس علاج کی وقعت ہی دلوں سے نکال دی۔ آپ کسی کو بھی بتایئے عام آدمی کا تو تذکرہ ہی کیا اچھے خاصے تجربہ کار بزرگوں کی صحبت اٹھائے ہوئے ہیں، کسی کے مرید بھی ہیں، ان کو بھی بتایئے یہ آسان علاج، ناقدری دل میں ضرور ہوگی بے وقعتی ضرور ہوگی چنانچہ بے وقعتی کیسے ظاہر ہوتی ہے؟ بے وقعتی کا اظہار یوں ہوتا ہے کہ ہر بار نہیں توبہ کرتے۔ ارے بھئی تمہارے دل کے اندر تو دس کارخانے چل رہے ہیں تمہارے دل کے اندر عجب پیدا ہوتا ہے کیوں فوراً توبہ نہیں کرتے، تمہارے دل میں کبر پیدا ہوتا کیوں فوراً توبہ نہیں کرتے، تم نے نامحرموں کو دیکھا کیوں نہیں فوراً توبہ کرتے؟ توبہ کرو تو صحیح! دیکھو گناہ کا مادہ نکلتا ہے کہ نہیں نکلتا۔

عارف باللہ حضرت عارفیؒ بھی یہی بات بار بار فرماتے تھے۔ اُس وقت یہ پتہ نہیں تھا کہ حکیم الامتؒ نے کلام پاک کی آیت اس کے ثبوت میں پیش کی ہے۔ حضرت عارفیؒ واضح الفاظ میں فرماتے تھے کہ جب بھی گناہ ہو استغفار کرلیا کرو۔ گناہ بھی کرتے جاؤ استغفار بھی کرتے جاؤ۔ استغفار بھی توبہ ہے۔ ارے زبانی استغفار بھی کروگے تو فائدے سے خالی نہیں ہے چنانچہ قرآن پاک میں آیا ہے کہ ہم ان پر عذاب بھیجیں اور یہ استغفار کرتے ہوں۔ پتہ ہے کن کے بارے میں یہ آیت ہے؟ مشرکین مکہ کے بارے میں۔ ان پر عذاب نہیں آیا حالانکہ مشرکین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر، صحابہ کرامؓ پر اتنے مظالم ڈھائے کہ جس کی کوئی حد نہیں ہے لیکن کوئی عذاب نہیں آیا۔ آیت نازل ہوگئی کہ ہم ان پر عذاب بھیجیں اور وہ استغفار کرتے ہوں۔ مگر وہ تو کافر تھے مشرک تھے وہ استغفار کیسے کرسکتے تھے؟ جاننا چاہتے ہیں کیسے کرتے تھے؟ وہ مشرک تھے اللہ کو مانتے تھے لیکن اللہ کے ساتھ بتوں کو بھی شریک مانتے تھے۔ چنانچہ وہ طواف کرتے جاتے تھے اور زبان سے **غُفْرَانَکَ اللّٰھُمَّ** پڑھتے جاتے تھے محض زبان سے **غُفْرَانَکَ اللّٰھُمَّ** پڑھنے کی وجہ سے مشرک ہوتے ہوئے ان پر عذاب نہیں آیا۔ یہ ہے خاصیت استغفار کی۔

ہمارے حضرت عارفیؒ فرماتے تھے گناہ تم سے نہیں چھوٹتے تو گناہ کرتے جاؤ لیکن استغفار بھی کرو۔ پھر فرمایا کہ گناہ اور استغفار میں سے غالب کون ہوگا؟ کون جیتے گا؟ فرمایا کہ گناہ کی نسبت بندے کی طرف ہے یہ محدود ہے اور استغفار کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف ہے یہ نسبت لامحدود ہے اس لئے استغفار ہی غالب ہوکر رہے گا۔ چنانچہ ایسا غالب ہوگا کہ تمہارا گناہ چھڑا کر رہے گا تم کرکے تو دیکھو، باطنی گناہ لئے بیٹھے ہوئے ہو؟ عجب لئے بیٹھے ہو؟ تو ایسا نہیں کرسکتے کیا کہ جب تم کو عجب کا اندازہ ہو، جب تم کو یہ محسوس ہو کہ یہ بات ہم نے عجب کی وجہ سے کہی، اپنی بات پسند آئی تو فوراً توبہ کرلو، استغفار کرلو، کیوں نہیں کرتے؟ کرسکتے ہو۔

خاص احباب ہیں ان کا یہ حال ہے؟

سوچیں تو ذرا! کتنی سخت وعید ہے کہ گناہ کرتے کرتے گناہ کی برائی دل سے نکل جا گی ہے۔ جب تم گناہ کرو گے جب تم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کو بلا ناعذر چھوڑو گے تم اس حال تک پہنچ جاؤ گے کہ گناہ کی برائی تمہارے دل سے نکل جائے گی۔ تم نے اس کو فخر کی چیز سمجھ لیا ہے۔ جس چیز کو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے؟ اور یہی مرد ہی تو عورتوں کو لے کر جاتے ہیں یہی مرد ہی تو عورتوں کو اجازت دیتے ہیں تو یہ مرد کیا اس گناہ کے ذمہ دار نہیں بنے؟

ایک عورت نے بڑی عجیب بات خط میں لکھی کہ پہلے مجھے بہت وحشت ہوتی تھی ان اصلاح کی باتوں سے۔ بازار جانا بند ہونے سے تو ساری زندگی کی لذت ہی ختم ہو جائے گی۔ اس عورت نے لکھا کہ اس موضوع پر آپ سے اصلاحی خط و کتابت کے دوران مجھے سخت پیچ و تاب سے گزرنا پڑا۔ لیکن پیچ و تاب دل کو نظر انداز کر کے میں آپ کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کرتی رہی۔ میری بہنیں بازار جاتیں اور میں نے بازار جانا چھوڑ دیا۔ آخر میں نفس کی کشاکش کم ہو گئی اور یہ سمجھ میں آ گیا (دیکھئے لڑکی کہہ رہی ہے، عقل میں مرد سے ناقص) کہ ان لذت والی چیزوں سے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے اگر ہم رک جائیں تو ان چیزوں میں جو اللہ تعالیٰ نے جائز کر رکھی ہیں ہم کو اس سے کہیں زیادہ لذت آتی ہے جتنی پہلے لذت آتی تھی۔ حق کا مشاہدہ ہو گیا۔ یہ کڑوے گھونٹ حق تعالیٰ کی اطاعت کے ایک بار نگل تو لو پھر دیکھو یہی دنیا جنت بن جائیگی اور تم مزے کرتے ہو گے مگر اس طرح کہ تمہارا رب تم سے راضی ہو گا۔

کیا ان باتوں سے ابھی بھی توبہ کا داعیہ دل میں پیدا نہیں ہوا؟ دیکھئے خطاب تو ان سے ہے جو اپنے کو گناہ گار سمجھتے ہیں اگر یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم تو گناہ گار ہی نہیں تو ہمارا ان سے خطاب نہیں، میں تو اپنے کو دیکھ کر خود اپنے آپ سے مخاطب ہوں۔

حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ ایک اور تیسری قسم کا ضرر گناہ کا ہے۔ ایک تو ضرر گناہ کا دنیا میں، پھر گناہ کے نقصانات آخرت میں۔ دو باتیں ہو گئیں۔ اور آخرت کا نقصان دنیا کے نقصان سے کہیں بڑھ کر ہے اس کو بھی مسلمان مانتے ہیں۔ کیا قبر میں سانپ بچھو برداشت کر سکتے ہیں آپ؟ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ مومن کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے تو ریاء سانپ بن جاتا ہے اور بخل بچھو بن جاتا ہے۔ کیا نہیں ہو گا ایسا؟ قیامت آ جائے گی مگر سردار دو عالم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کے خلاف نہیں ہو گا؟ نہیں، ایسا ہو کر رہے گا۔ تو گناہ سے آخرت کے بے شمار نقصانات ہیں قبر میں، حشر میں، میزان پر اور پل صراط پر ہر جگہ گناہ سانپ بچھو بن کر ڈسے گا۔ گناہ کا معاملہ سخت ہے۔ اس کے نقصانات دنیا اور آخرت میں ثابت ہیں۔

لیکن حکیم الامتؒ ایک بات اور فرماتے ہیں جو تیسرا ضرر ہے۔ فرماتے ہیں کہ گناہ پر عقوبت اور سزا کا اندیشہ نہ بھی ہو تو بھی گناہ نہیں کرنا چاہئے۔ اکثر لوگ تو یہی سمجھتے ہیں کہ گناہ اس وجہ سے نہ کرو کہ دنیا میں بھی نقصانات ہیں اور آخرت میں بھی۔ لیکن حکیم الامتؒ کا کمال دیکھئے فرماتے ہیں کہ اگر گناہ پر عقوبت کا اندیشہ نہ بھی ہو تب بھی گناہ نہ کرنا چاہئے کیونکہ اس سے ایک اور ضرر ہے اور وہ ضرر یہ ہے کہ گناہوں کا خاصہ یہ ہے کہ اس سے بندے کا حق تعالیٰ سے تعلق گھٹ جاتا ہے۔

صاحب دیکھئے گناہ کی ایک خاصیت یہ ہے کہ بندے کا تعلق مع اللہ کم ہو جاتا ہے۔ اور ہر مسلمان کے پاس اصل دولت تو یہی تعلق مع اللہ ہے اور یہی کم ہو جاتا ہے گناہ سے۔ اس بات کا دوسرا عنوان محبت ہے جو کہ فطرتاً ہر مسلمان کے پاس موجود ہے۔ مومن اگر ٹٹولے گا تو معلوم ہو گا، حدیث شریف میں ہے **لا یومن احدکم حتی اکون احب الیه من نفسه و والده و ولده** یعنی تم میں سے کوئی مومن نہیں ہے جب تک میں (یعنی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) اُس کو اپنے نفس سے اپنے

والد سے اپنے بیٹے سے بھی محبوب نہ ہو جاؤں۔کیا ہمیں ایسی محبت ہے؟ ہمارا حال تو الٹا ہے۔

ہمیں حضور ﷺ فرمائیں کہ عورتوں کے لئے بازار میں کوئی جگہ نہیں ہے اور ہم اپنی عورتوں کو بازار بھیجتے ہیں۔اس کو محبت کہہ سکتے ہیں؟ مدینہ منورہ میں ایک مرتبہ مسجد نبوی سے بینا کارہ باہر نکلا تو تنہا تھا۔بندہ کے گھر والے تو اپنی جائے قیام پر ہی نماز پڑھتے تھے۔مدینہ منورہ میں بھی مسجد میں نہ جاتے تھے کیونکہ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس بھی بالفرض مسجد نبوی میں نماز پڑھا رہے ہوں تو بھی عورت کے لئے گھر میں نماز زیادہ افضل ہوگی۔ بھئی افضلیت ہی تو چاہئے اجر اور ثواب ہی تو چاہئے۔مسجد کس کام کے لئے جاتی ہیں عورتیں؟ جب تمہارا ثواب گھر میں زیادہ ہے۔حتیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے زیادہ گھر میں تمہاری نماز افضل ہے پھر کیوں مسجد کا رخ؟ کیا وجہ ہے؟ خیر بندہ جب مسجد نبوی سے نماز کے بعد نکلا تو وہاں اس زمانے میں مسجد نبوی کے بالکل سامنے دکانوں کی ایک قطار تھی اور عورتوں کی ایک بھرمار تھی۔ یہ دیکھ کر بندہ نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب قدس سرہ کو لکھا کہ حضرت جب میں وہاں مسجد نبوی سے باہر نکلا تو عورتوں کی بازاروں میں بھرمار کو دیکھ کر مجھے یہ محسوس ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے کراہت ہو رہی ہے۔ان کی روح مبارک کو تکلیف پہنچ رہی ہے۔امت کی عورتیں مسجد نبوی سے نکل کر بازاروں میں گھوم رہی ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔حضرتؒ نے جواب میں اس خیال کی توثیق فرمائی۔

حکیم الامتؒ کی بات نقل کر رہا تھا گناہ کا ایک اور ضرر یہ ہے کہ تعلق مع اللہ کو کمزور کر دیتی ہے جبکہ مسلمان کے پاس تعلق مع اللہ یعنی اللہ کی محبت بڑی قابل قدر نعمت ہے۔

تو ان چیزوں سے بچنا چاہئے جو اس محبت کو ضعیف کریں۔اب ذرا سنئے کہ وہ چیز کیا ہے جو اس محبت کو ضعیف کرتی ہے تو وہ بُعد عن الحق ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے دوری۔اور

اب دیکھنا چاہئے کہ یہ بُعد یا دوری کس چیز سے پیدا ہوتی ہے،تو یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ مصائب سے بُعد نہیں ہوتا بلکہ صرف گناہ سے ہوتا ہے،اللہ تعالیٰ سے دوری صرف اور صرف گناہ سے ہوتی ہے۔حجاب کی چیز تو صرف ایک ہے جس سے بچنا فرض ہے اور وہ گناہ ہے اور گناہ وہ چیز ہے کہ بعض مرتبہ اس کے اثر سے ذکر تک سے محرومی ہو جاتی ہے بلکہ بعض مرتبہ ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔چنانچہ صوفیاء نے حجاب کے سات درجے بیان کئے ہیں پہلا درجہ اعراض،اس کے بعد توبہ نہ کی تو حجاب،اس کے بعد بھی اصرار رہا تو تیسرا درجہ تفاصل،اور اگر اب بھی استغفار نہ کیا تو عبادت میں جو ایک زائد کیفیت ذوق وشوق کی تھی وہ سلب ہوگئی یہ سلب مزید ہے،اور اگر اب بھی اپنی بیہودگی نہ چھوڑی تو جو راحت وحلاوت (مٹھاس) کیفیت زائدہ سے پہلے اصل عبادت میں تھی وہ بھی سلب ہوگئی۔یہ سلب قدیم کہلاتا ہے اور اگر پھر بھی توبہ میں دیر کی تو جدائی کو دل گوارا کرنے لگا،اللہ تعالیٰ سے جدا ہونے کو دوری کو دل گوارا کرنے لگا۔یہ چھٹا درجہ تسلّی کہلاتا ہے،اور اگر اب بھی وہی کیفیت رہی تو محبت کی بجائے حق تعالیٰ سے بغض وعداوت ہو جاتی ہے،یہ آخری حجاب ہے جو سب سے اشد ہے وہاں پہنچ کر بندے کو حق جل شانہ سے بغض پیدا ہو جاتا ہے،یہ بغض طبعی ہوتا ہے اس لئے کفر تک نہیں پہنچتا۔لیکن کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے کیونکہ یہ طبعی بغض کسی بھی وقت عقلی بغض میں بدل جاتا ہے۔دنیا میں بھی یہی ہوتا ہے جب دو دوستوں میں آپس میں تکدر ہو جاتا ہے تو یہی سات حالتیں پیش آتی ہیں۔

تو گناہ ایک روحانی بیماری ہے۔اس قدر سخت نقصان اس کا ہے کہ دنیا میں گناہ کی وجہ سے مصائب،آخرت میں اور بندہ کی حق تعالیٰ سے دوری جو گناہ کا سب سے بڑا نقصان ہے اور خاص طور سے ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں چل رہے ہیں۔ یعنی اپنے نفس کی اصلاح میں لگے ہیں۔مجاہدات کر رہے ہیں۔

اب ایک گناہ سمجھ لیجئے جو ہم آپ کثرت سے کرتے ہیں۔میں آپ کو مثال سے

یہ ہے گناہ کا وہ علاج جو آسان ہے سریع الاثر ہے۔ حکیم الامتؒ اس علاج کے بارے میں یہ فرماتے ہیں کہ شیطان نے ہمیں گمراہ کیا اور اس علاج کی وقعت ہی دلوں سے نکال دی اور کہا کہ جب گناہ پھر سے ہو جائے گا پھر توبہ کا کیا فائدہ؟ چنانچہ عام طور سے کہتے ہیں کہ صاحب ہم توبہ کر بھی لیں گے تو پھر گناہ ہو جائے گا۔ ایسی توبہ سے کیا فائدہ؟ چنانچہ عام طور سے سب اسی دھوکے میں گرفتار ہیں اور توبہ اس وقت کرتے ہیں جب بالکل ہی اس کے چھوٹنے کا یقین کر لیتے ہیں اور جب تک اندیشہ رہے کہ یہ دوبارہ ہو جائے گا توبہ ہی نہ کریں گے۔ صاحبو! توبہ ہر حال میں کرنا ضروری اور مفید ہے۔ کیا خوب کہا ہے:

ایں درگہ ما درگہ نامیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

یہ ہماری درگاہ ہے۔ یہ حق تعالیٰ کی درگاہ ہے۔ یہاں ناامیدی کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے۔ اگر سو بار بھی گناہ کیا، سو بار بھی توبہ توڑی ہے پھر سے توبہ کرو۔ ارے ابھی توبہ کرو دیر نہ کرو۔ ٹوٹ جائے گی ٹوٹنے دو۔ باز تو آؤ توبہ تو کرو۔ ارے توبہ کرنے میں تمہارا کیا جاتا ہے تمہارا نقصان ہی کیا ہے آخر؟

حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ اگر مان بھی لیا جائے کہ آئندہ گناہ ہونے کا اندیشہ ہے تو توبہ مفید نہ ہوگی جیسا لوگوں کا خیال ہے تب بھی توبہ کر لینے میں کوئی حرج بھی تو نہیں کیونکہ اس سے کوئی نقصان بھی تو نہیں ہوگا۔ جیسا کہ اگر ایک شخص دن میں پانچ مرتبہ شراب پیتا ہے اور ہر دفعہ توبہ کر لیتا ہے تو اس سے نقصان کیا ہوا؟ تم توبہ سے ڈرتے کیوں ہو؟ مانا کہ فائدہ نہیں ہوگا لیکن نقصان بھی تو نہیں ہے، کر لو۔ غرض آخری بات یہ ہے کہ آپ کے خیال کے موافق اس میں کوئی نفع نہیں تو کوئی نقصان بھی تو نہیں۔

افسوس ہے کہ ایسی اکسیر کی پڑیا مگر شیطان برتنے نہیں دیتا۔ صاحبو! یہ عمل دس

پانچ مرتبہ کر کے دیکھو ضرور گناہ چھوٹ جائیں گے میں ڈنکے کی چوٹ پر کہہ رہا ہوں۔ اندازہ کیجئے حکیم الامت کہہ رہے ہیں! صاحب ان سے بڑا عالم کوئی نہیں تھا بڑے بڑے عالم آتے تھے ان کے سامنے آ کر دین سیکھنے بیٹھ جاتے تھے، کہہ رہے ہیں کہ میں ڈنکے کی چوٹ پر کہہ رہا ہوں کہ جس گناہ کو کوئی شخص چھوڑنا چاہے یہ شافی تدبیر ہے کہ جب کوئی گناہ ہو جایا کرے تو فوراً توبہ کر لیا کرے۔ کہتے ہیں کہ ہم سے غصہ نہیں چھوٹتا تو ہر غصہ پر توبہ کرو دیکھو فرق پڑتا ہے یا نہیں۔ کیا کبھی کسی نے ایسا آسان علاج سنا ہے۔ ہر گناہ کے بعد ضرور توبہ کر لیا کرے۔ اس سے بری عادتیں نیک عادتوں سے بدل جائیں گی۔ یہی صرف نہیں ہوگا کہ گناہ سے نجات مل جائے گی بلکہ اللہ تعالیٰ سیئات کو نیکیوں سے بدل دیں گے۔ اب بتایئے اس علاج میں کیا دشواری ہے؟ چونکہ مسلمانوں میں یہ مرض عام ہے کہ وہ گناہ چھوڑنے کو سخت دشوار سمجھتے ہیں اس لئے میں نے اسکا یہ علاج بتلا دیا کہ بار بار توبہ کر لیا کرو۔

فرماتے ہیں حکیم الامت کہ باطن کو کتنا ہی ضرر گناہوں سے پہنچا ہو توبہ سے اس کا علاج کرو اگر کہو کہ صاحب اندیشہ ہے کہ توبہ کے بعد بھی پھر گناہ ہو جائے گا کہاں تک توبہ کریں؟ تو میں کہتا ہوں کہ کیا علاج کرانے کے بعد تم کبھی بیمار نہیں پڑتے؟ اور کیا ایک بار علاج کرانے کے بعد پھر علاج نہیں کراتے؟ اور توبہ کرنے میں کیا ہتھوڑے چلانے پڑتے ہیں۔ اور اگر کہیں کہ صاحب توبہ کیا ہوئی یہ تو کھیل ہو گیا، تو صاحب کھیل ہی صحیح مگر یہ وہ کھیل ہے جسے کہا کرتے ہیں کہ کھیلتے ہی کھیلتے گھر بس جائے گا۔ تو یہ توبہ حقیقی نہ صحیح تشبہ تو ہے۔ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ تم نے تائبین کے ساتھ تشبہ کر لیا تم ان میں شامل ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے اللہ توفیق عطا فرمائے۔ جب یہ علاج معلوم ہو گیا کہ اس قدر مجرب ہے اور قرآن پاک میں حق تعالیٰ نے اسے نازل کر کے اپنے بندوں پر اپنی رحمت کی بارش ہی فرما دی ہے تو اب خبردار! اس علاج کی وقعت دلوں سے کم نہ ہونے پائے۔

سمجھاتا ہوں خود اپنے اوپر گزری ہوئی تجربے کے طور پر بتا دیتا ہوں، ایک مرتبہ جب بچے چھوٹے تھے، کم عمر تھے، کوئی سات سال کا، کوئی تین سال کا، کوئی پانچ سال کا۔ ان کو لے کر حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، جو حکیم الامتؒ کے بہت ہی خاص اور عجیب خلفاء میں سے تھے اور صاحب کشف بزرگوں میں تھے، ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو بندہ کے ایک بیٹے کا عربی لباس جو نیا خریدا گیا تھا ٹخنے سے ذرا نیچے تھا۔ ہم نے خریدتے وقت یہ سوچا تھا کہ بچہ تو بہت جلدی بڑا ہو جاتا ہے تو یہ لباس جو اس وقت ٹخنے سے ذرا سا نیچے جا رہا ہے تو جلد ہی قد بڑھ جانے سے اوپر ہو جائے گا۔ جیسے ہی یہ ناکارہ حضرت کے ہاں پہنچا، غالباً جمعہ کا دن تھا حضرت نصرت علی صدیقی صاحب قدس سرہٗ کا دولت کدہ تھا جو حضرت ڈاکٹر کریم اللہ مکی صاحب دامت برکاتہم کے شیخ اول تھے۔ حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ نے دیکھتے ہی فرمایا کہ ”یہ جو آپ نے اس کا لباس ٹخنے سے نیچے رکھا ہے اس کا گناہ آپ پر ہے“ یہ سن کر دل دھک سے ہو گیا کیونکہ گناہ کی ایک خاصیت یہ ہے کہ نسبت باطنی سلب ہو جاتی ہے۔ اور جب بچے کو غیر شرعی لباس پہنانے کا گناہ آپ کو ہوا تو اب بھول جایئے کہ اس کے بعد نسبت باطنی باقی رہے گی، ناممکن ہے۔ گناہ کے ساتھ نسبت باطنی نہیں بچتی۔ ہاں! جس کو نسبت باطنی حاصل ہو چکی تھی وہ توبہ کر لے تو حق تعالیٰ کی رحمت یہ ہے کہ جس کو اپنا بنا لیتے ہیں پھر اس کو اپنے سے جدا نہیں کرتے۔ جیسے ہی توبہ کرے گا نسبت باطنی یعنی وہ خاص تعلق مع اللہ پھر واپس دے دیا جاتا ہے۔ دیکھئے اس دھوکے میں نہ رہیئے گا کہ صاحب ہم گناہ بھی کریں اور اس کے بعد نسبت باطنی بھی باقی رہے گی۔ اور پھر یہ تو ظاہری گناہ ہیں کیا کبر میں ہم نہیں ہیں مبتلا؟ کیا ریاء میں مبتلا نہیں ہیں؟ کیا حب جاہ میں ہم مبتلا نہیں ہیں؟ کیا حب مال میں ہم مبتلا نہیں ہیں؟ کیا عجب ہم نہیں کرتے؟ اور صاحب نفس تو جانتا ہے خوب جانتا ہے کہ یہ تقاضے اٹھتے ہیں، جو اللہ والے ہیں وہ ان تقاضوں کے خلاف کر دیتے ہیں۔ تو اتنا احساس ہوا کہ ہم ہیں گناہ گار تو صاحب!

جب گناہ گار ہیں تو گناہ کے علاج کی ضرورت نہیں ہے کیا؟

گناہ کا علاج کیسے کیا جائے؟ حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ گناہ جیسے سخت مرض کا علاج بھی دشوار ہو گا اور پھر اس کا بار بار لوٹنا اول تو گناہ خود مرض پھر اس کا بار بار لوٹنا یہ دوسرا مرض ہے اور پھر اس میں کلفت بھی بے انتہاء ہے، جو لوگ گناہ چھوڑنا چاہتے ہیں ان کو کتنی سخت کلفت ہے کہ گناہ کو چھوڑنے کی کوشش کی ایک دن دو دن اور پھر اس کے بعد گناہ لوٹ آتا ہے، کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ ساری کری کرائی محنت بھی چلی گئی، پھر دل برداشتہ بھی انسان ہو جاتا ہے۔ گناہ کے لوٹ آنے سے، ان کو جو گناہ چھوڑنا چاہتے ہیں کلفت بے انتہاء ہوتی ہے۔

کئی قسم کے لوگ ہوتے ہیں بعض لوگ تو کہتے ہیں کہ جی ہم تو گناہ کو گناہ ہی نہیں مانتے یہ تو تمہاری بنائی ہوئی چیزیں ہیں تم لوگوں نے پتہ نہیں کہاں سے نکال لیں تم موسیقی کو بھی برا کہتے ہو، تصاویر کا حرام کہتے ہو، عورت کو گھر سے نکلنے کو بھی برا کہتے ہو، عورتوں کا چہرہ نامحرم کے سامنے کھولنے کو بھی گناہ بتاتے ہو، یونیورسٹی میں مخلوط تعلیم کو حرام کہتے ہو، غیبت کو بھی منع کرتے ہو۔ ہم نہیں مانتے، ہم تو جو ہمارا دل چاہے گا کریں گے۔ یہ لوگ تو گناہ کو حلال سمجھتے ہیں اگر ایسا ہے تو ایمان سے نکل گئے۔ جس وقت آپ نے گناہ کو حلال کہا تو ایمان گیا۔

دوسرے وہ لوگ ہیں جو بڑے دیدہ دلیر ہیں، کہتے ہیں کہ جی یہ ہے تو گناہ۔ ہم مسلمان ہیں۔ ہم تو مانتے ہیں لیکن ہم کریں گے، عمر بھر کریں گے اور نہیں چھوڑیں گے۔ یہ فاسق ہے، گناہ پر اصرار کرنے والا فاسق ہے۔ فاسق کے بارے میں حدیث شریف میں ہے کہ فاسق کی تعریف بھی نہ کرو فاسق کی اگر تعریف کی گئی تو عرش کانپنے لگتا ہے۔ فاسق کو ہدایت بھی نہیں ہوتی۔ قرآن میں یہ مضمون ہے۔ ان لوگوں کو ہدایت کا راستہ نہیں ملتا، اللہ تعالیٰ کا قہران پر ہو جاتا ہے۔ ارے تم اللہ تعالیٰ سے مقابلہ کر رہے ہو؟ تم کہتے ہو کہ ہم گناہ نہیں چھوڑیں گے تم اتنا تو کہو کہ یا اللہ تعالیٰ میں گناہ

چھوڑ دوں گا اس وقت نہیں چھوڑتا کبھی اور چھوڑ دوں گا۔ یہ کیوں کہتے ہو کہ ہمارا گناہ چھوڑنے کا ارادہ نہیں؟ زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں، کسی سے کہنے کی ضرورت نہیں۔ تمہارا اور اللہ میاں کا خود کا معاملہ ہے، رات کو اکیلے میں بیٹھ جاؤ یا اللہ میں تو گناہ چھوڑ دوں گا ابھی نہیں چھوٹتے، اتنا تو کہہ دو، فساق کے گروہ سے تو نکل جاؤ۔

ارے جب آپ گناہ چھوڑنا ہی نہیں چاہتے آپ نے دل میں تہیہ کرلیا ہے تو کوئی کچھ نہیں کرسکتا، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کے لئے کچھ نہ کرسکے جن سے اتنی محبت تھی تو کوئی بڑے سے بڑا بزرگ اور ولی کیا کرسکتا ہے؟ ہاں جو گناہ چھوڑنا چاہے اور چھوڑ نہیں پاتا نفس کے تقاضے سے ایسا آدمی مغلوب ہوجاتا ہے پھر کر کے شرمندہ ہوتا ہے اور آئندہ اس سے بچنے کا قصد کرتا ہے پھر ہوجاتا ہے، یہ حالت ہوتی ہے یا نہیں ہوتی؟ کبھی آنکھ بہک گئی کبھی زبان پھسل گئی غیبت چھوڑنا چاہتے ہیں نہیں چھوٹتی۔ ایسے گناہگار کو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ آسان علاج ہے۔ آپ سن کر حیران ہوجائینگے کہ اسقدر آسان علاج بھی ممکن ہے!

حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ قاعدے کے موافق تو گناہ بغیر مجاہدات یعنی نفس کے خلاف جد جہد کئے بغیر نہیں چھوٹ سکتے۔ بڑے مجاہدے کے بعد کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ ہر شخص مجاہدے کے لئے آمادہ نہیں تو پھر ایسے لوگوں کے لئے کیا تدبیر ہے؟ یہ حکیم الامت ہیں۔ حکیم الامت کس کو کہتے ہیں؟ ساری امت کی تدبیر سوچ رہے ہیں، صاحب ہم اور آپ تو یہاں آکے بیٹھ گئے بزرگوں سے مجاہدات پوچھ لئے مجاہدات کرکر کے رذائل نفس پر قابو ہوگیا چنانچہ گناہ سے بچ گئے لیکن ساری امت کا کیا ہوگا؟ اور ان کمزوروں کا کیا ہوگا جو بزرگوں کے ہاں آتے بھی نہیں، ان کا کیا ہوگا؟ ایسے لوگوں کے لئے کیا تدبیر ہے؟

حکیم الامتؒ وہ تدبیر قرآن وسنت کے مطابق بیان فرماتے ہیں سنئے: خدا کا فضل ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے اس آیت سے جو بیان کے شروع میں پڑھی گئی ہے،

سمجھ میں آیا کہ توبہ کرنے میں بھی وہی خاصیت ہے جو مجاہدات میں ہے، کیونکہ صاف لکھا ہوا ہے کہ جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل نیک کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بھلائیوں میں بدل دے گا۔ یعنی توبہ کرنے سے وہی کام ہورہا ہے جو مجاہدات سے ہورہا ہے۔" یعنی کہ توبہ کرنے میں وہی خاصیت ہے جو مجاہدے میں ہے۔ جس طرح مجاہدے سے گناہ کی عادت اور اس کا تقاضا بدل جاتا ہے اسی طرح توبہ سے وہی نتیجہ نکلتا ہے۔ ہے آسان علاج یا نہیں؟

یہ علاج بتا کر فرماتے ہیں، دیکھئے سن لیجئے ناقدری نہ کیجئے گا اس آسان نسخے کی نسبت خدا کا شکر ہے امتحان سے یعنی آزمانے سے بھی یہ بات معلوم ہوگئی کہ اس میں وہی اثر ہے جو مجاہدے میں ہے اور مجھے افسوس ہوتا ہے جب دیکھتا ہوں کہ لوگوں کو سمجھ میں نہیں آتا، صاحبو! امتحان تو کرو اگر کام نہ دے پھر اعتراض کرنا۔ میں نے تو خدا کا شکر ہے اپنے دوستوں پر امتحان کرکے آزما کر مشاہدہ کرکے یہ نسخہ آپ کے سامنے پیش کیا ہے اور امتحان اس طرح کیا ہے کہ اپنے خاص دوستوں کو کہا کہ جب گناہ ہوجایا کرے تو توبہ کرلیا کرو۔ اگر پھر ہوجائے پھر توبہ کرلو، پھر ہوجائے پھر توبہ کرو۔ غرض ہر گناہ پر توبہ کرنا لازم کرلو۔ جب گناہ ہوجائے توبہ کرلیا کرو انشاء اللہ ایک دن وہ آئے گا کہ گناہ کا مادہ بالکل مغلوب ہوجائے گا۔

دیکھئے کہاں مجاہدات اور کہاں یہ آسان نسخہ کہ جب گناہ ہو توبہ کرلو۔ یہ حکیم الامتؒ کا کمال ہے۔ دیکھئے ہرگز ناقدری نہ کیجئے گا۔ یہ مضمون قرآن کا ہے۔ اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ بار بار توبہ کرنے کا جو حکم قرآن میں ہے اس میں یہی مصلحت ہے کہ گناہ چھوٹ جائے۔ ﴿تُوۡبُوۡۤا اِلَی اللّٰہِ﴾ کئی جگہ پر آیا ہے۔ افسوس ہے کہ بعض لوگ اس کی قدر نہیں کرتے۔

صاحبو! اس علاج کا اثر یہ ہے کہ وہ گناہ ساری عمر چلے گا ہی نہیں کیونکہ ہرگز ممکن نہیں کہ آدمی بار بار توبہ کرے اور پھر گناہ کرتا رہے اور بار بار توبہ کی نسبت حق تعالیٰ

۶۔ کیا ہم عجب میں گرفتار ہیں؟

خطبہ ماثورہ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ . (سورۃ التوبہ آیت ۲۵)

تم کو خدا تعالیٰ نے لڑائی کے بہت موقعوں میں کفار پر غلبہ دیا اور حنین کے دن بھی جبکہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت ہونا بھلا معلوم ہوا پھر وہ کثرت تمہارے لئے کچھ کارآمد ثابت نہ ہوئی اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی پھر آخر تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

بیان القرآن میں سے اس آیت کا ترجمہ عرض کردیا ہے اور جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا کہ کلام پاک میں شفاء ہے اور حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ کلام پاک کی ہر آیت میں تمام امراض سے شفاء ہے اس لئے بیان سے پہلے کسی آیت کا انتخاب مشکل ہے، برکت کے لئے پڑھی جاتی ہے، کوئی سی بھی آیت پڑھی جائے تمام امراض کے لئے شفاء ہے، حق تعالیٰ کا کلام کوئی معمولی چیز ہے؟ ہر آیت میں شفاء ہے لیکن کچھ موضوع کا تعین مقصود ہوتا ہے کچھ ذوق ہے اپنا تفسیر مقصود نہیں، یہ علماء کا کام ہے میں جاہل آدمی ہوں تفسیر بالکل مقصود نہیں۔

اور دیکھئے ترجمے کے بارے میں ایک بات عرض کروں آپ نے بارہا اس طرح کا ترجمہ سنا ہوگا خدا تعالیٰ کا لفظ خدا کا لفظ، حکیم الامتؒ کثرت سے استعمال کرتے ہیں اور آج بعض لوگ خدا کا نام لینے کو گناہ قرار دیتے ہیں۔ سمجھ لیجئے کہ خدا کے لفظ پر

اعتراض کرنا بے ادبی ہے، بے ادبی اسلئے ہے کہ جب ہمارے اکابر نے استعمال کیا ہے خدا کا لفظ تو ہم آپ کون ہیں ان سے بڑھ کر؟ حکیم الامتؒ کے بعد سے لے کر اب تک ان جیسا متقی نہ کوئی پیدا ہوا ہے نہ دیکھا ہے نہ سنا ہے، ان کے بعد سے ابھی تک کوئی عالم اتنا بڑا نہ پیدا ہوا ہے نہ دیکھا ہے نہ سنا ہے، نہ کوئی اللہ کا ذکر کرنے والا حکیم الامتؒ سے بڑھ کر ان کے بعد سے اب تک نہ پیدا ہوا ہے نہ دیکھا ہے نہ سنا ہے، ہے تو لائیے دلائل، لائیے دیکھیں کون ہے۔ تو وہ جب اتنے بڑے تھے اور انہوں نے خدا کا لفظ استعمال کیا تو آج ہم خدا کہنے سے کیوں گھبراتے ہیں۔ گویا ان اعتراض کرنے والوں کے نزدیک حکیم الامتؒ غلط کہتے تھے غلط کرتے تھے اور یہی سازش ہے، وہ لوگ یہی چاہتے ہیں کہ ہمارے اکابر اور حکیم الامتؒ سے لوگوں کو بددل کردیا جائے چنانچہ کہتے ہیں کہ اللہ حافظ کہو خدا حافظ مت کہو۔ بدتمیزی والی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نام ہر جگہ پر ضروری نہیں ہے اور بعض جگہوں پر تو بے ادبی ہے، اگر دنیا کے لئے اللہ کا ذکر کیا جائے تو گناہ ہے اور حرام ہے اور اس میں اگر اجر و ثواب سمجھا جائے تو بدعت ہے کیونکہ مسنون طریقہ میں ہی اجر ہوتا ہے اور وہ ہے السلام علیکم کہنا۔ یہ جو ہم خدا حافظ کہہ رہے ہیں یہ تو دنیا کے لئے ہے، کونسا دین ہے، اگر دین ہی مقصود ہے تو السلام علیکم کہیں۔ با ادب با نصیب بے ادب بے نصیب۔ ادب سے کام لینا چاہئے۔

بہرحال یہ قصہ حنین کا کلام پاک میں جو آیا ہے ہمارے لئے اس میں بہت سے سبق ہیں۔ یہ قصہ یوں ہوا ہے کہ حنین ایک مقام ہے مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان، یہاں پر فتح مکہ کے دو ہفتے بعد مسلمانوں کی لڑائی ہوئی۔ مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار تھی اور مشرکین چار ہزار تھے تو بعض مسلمان اپنا مجمع دیکھ کر کچھ ایسی باتیں کرنے لگے کہ اس سے پندار اور خود پسندی یعنی عجب ظاہر ہوتا تھا۔ اب اس سے آپ سمجھ جائیے کہ

آج جو بیان ہوگا عجب ہی کے بارے میں ہوگا کیونکہ اس آیت کا لب لباب ہی یہی ہے کہ عجب کا انجام کیا ہوا۔ مسلمان بارہ ہزار اور کفار چار ہزار اور مسلمانوں کو تو اللہ تعالیٰ نے بہت کم کے ساتھ بھی فتح دی تھی لیکن چونکہ بعض نومسلم خود پسندی کے طور سے یوں کہنے لگے کہ آج ہم کسی طرح مغلوب نہیں ہوسکتے آج ہم مغلوب نہیں ہوں گے، ہم تو بارہ ہزار ہیں وہ تو تین چار ہزار ہی ہیں اسلئے جب مقابلہ ہوا تو شروع میں کفار کو شکست ہوئی اور کفار جب بھاگے تو مسلمانوں نے مال غنیمت جمع کرنا بھی شروع کردیا۔ جس وقت مسلمان مال غنیمت جمع کر رہے تھے اس وقت کفار ٹوٹ پڑے اور انہوں نے تیراندازی شروع کی۔ چونکہ تیراندازی میں کفار بہت اچھے تھے اور مسلمان تیار نہیں تھے بلکہ مال غنیمت جمع کرنے میں لگے ہوئے تھے اس لئے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ قرآن پاک کی آیت میں اسے یوں بیان کیا گیا ہے کہ زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی اور بالآخر تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اب آپ اندازہ کیجئے کہ یہ جو دعویٰ ہے اللہ تعالیٰ کو کس قدر ناپسند ہوا۔ یہ دعویٰ کیا گیا کہ آج ہماری تعداد چونکہ بارہ ہزار ہے اس لئے ہم مغلوب نہیں ہوں گے، بس اس دعوے پر پکڑ ہوئی۔ دعویٰ علامت ہے عجب کا۔ چنانچہ انجام کیا ہوا؟ سب سے بڑی جو عبرت کی بات ہے، صحابہؓ کا مجمع تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ تھے لیکن عجب اور دعویٰ ایسی چیز ہے کہ اس کے باوجود پکڑ ہوگئی۔ حالانکہ سارے صحابہ نے ایسا نہیں کیا ہوگا تھوڑے سے صحابہ نے ایسا کیا ہوگا سارے صحابہ تو ایسے نہیں تھے۔ بڑے کرامات اور عجائبات بیان ہوئے ہیں صحابہؓ کے کہ دریا پر گھوڑے دوڑا دیئے، آپ لوگوں نے سنا ہوگا وہ قصہ، اس کے بارے میں لکھا ہے کہ اگر اس لشکر میں ایک بھی شخص ایسا ہوتا جو رذائل نفس کا شکار ہوتا تو ہرگز یہ نہ ہوتا۔ یہ کرامات یوں ہی نہیں ہوتیں یہ کرامات اس وقت ہوتی ہیں جب لشکر میں ایک بھی شخص ایسا نہ ہو جو

امراض نفس میں مبتلا ہو۔ چنانچہ ایک بزرگ چلے جارہے تھے اوپر سے کسی نے کوڑا پھینکا، کسی ایسی عورت نے کوڑا پھینکا جو بغض رکھتی تھی تو ان بزرگ نے الحمدللہ کہا۔ مرید جو تھے انہوں نے کہا کہ حضرت یہ الحمدللہ آپ نے کیوں کہا۔ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے ہر صورت میں۔ بعض مریدوں نے کہا کہ حضرت اگر آپ فرمائیں تو ہم انتقام لیں۔ اس بات پر ان بزرگ نے ناراضگی کا اظہار کیا کہ تم ہمارے ساتھ رہنے کے قابل نہیں ہو تم انتقام کی باتیں کرتے ہو۔ ایسے آدمی کا ساتھ بھی گوارا نہیں کیا جو ایسی باتیں کرے انتقام کی۔ بزرگوں سے تعلق بھی رکھیں اور نازیبا حرکتیں بھی کریں، حسد کریں اور دوسروں کی خرابی چاہیں۔ ارے صاحب کوئی ہمارے ساتھ ظلم بھی کرے ہم اس کی خرابی کیوں چاہیں کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی سنت تھی؟ تم جو آج کہتے ہو کہ دنیا میں اسلامی حکومت قائم ہو جائے تو پہلے ان سنتوں پر عمل کرنا تو سیکھو۔ خالی اوپر اوپر کی باتیں ہیں اندر سے تو رذائل ہی رذائل بھرے ہوئے ہیں اندر تو گُو ہی گُو ہے۔ تم دوسروں کے خلاف ہو رہے ہو تم تو دشمنی پر اترے ہوئے ہو نفرت تمہارے دلوں میں بھری ہوئی ہے تم کہاں سے اپنے آپ کو ان لوگوں میں شمار کرتے ہو؟ اس لئے تمہاری ٹھکائی ہوتی ہے۔

چنانچہ جب یہ قصہ ہوا حنین کا، مسلمانوں پر اس وقت سخت وقت آ گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تنہا اور غالباً چند صحابہؓ ساتھ تھے اور اوپر سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم استقامت کا پہاڑ تھے جمے رہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف جس کی نظر ہو، سردار الانبیاء ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسلمانوں کو آواز دلوائی تو سب لوٹ کر دوبارہ کفار سے مقابل ہوئے، اب دیکھئے ہوا یہ کہ ہزیمت تو ہوئی لیکن یہ تو صحابہ تھے یہ تو اللہ تعالیٰ کے خاص الخاص مقبول بندے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص الخاص صحابہ تھے ان کا علاج کیا گیا،

ان کو ہزیمت کرائی گئی، یہ علاج تھا۔ یہ تھوڑی سی تنبیہ تھی تم نے عجب کیوں کیا تم نے دعویٰ کیوں کیا؟ چنانچہ تنبیہ ہوئی اور اس تنبیہ کے دوران ان کا علاج ہو گیا فوراً۔ یہ تنبیہ ہوئی ہی اس لئے کہ قلوب میں جو ایک بات تھی عجب کی وہ ختم کر دی جائے۔ چنانچہ عجب ختم ہو گیا اور جیسے ہی ختم ہوا ویسے ہی فرشتوں کی فوج پہنچی۔ چنانچہ آگے آیت ہے ﴿**ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا**﴾، بس اسی وقت سکینہ بھی نازل کر دیا گیا مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط بھی کر دیا گیا اور اوپر سے ایسے فرشتے نازل کئے گئے جن کو کفار دیکھتے نہیں تھے، آخر کفار بھاگے اور اس بھاگنے میں بہت سے قتل ہوئے اور بہت سے گرفتار کر لئے گئے۔ پھر ان قبائل کے بہت سے آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور مشرف بہ اسلام ہو گئے اور آپ نے ان کے اہل وعیال کو جنہیں گرفتار کیا تھا ان کو واپس بھی کر دیا۔

مقصود یہ بتانا ہے اس آیت کے پڑھنے سے کہ عجب ایسی چیز ہے جس پر صحابہ کو بھی نہیں بخشا گیا تو ہم آپ کیا چیز ہیں؟ عجب تو ایسا گندہ رذیلہ ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے اصلاح کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کیونکہ عجب تو ساری برائیوں کو چھپا دینے والا رذیلہ ہے۔ اتنا گندہ رذیلہ ہے اس کا لازمی نتیجہ عذاب الٰہی ہے اس سے جلد چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

ایک چیز اور اس میں سمجھنے کی ہے دیکھئے یہ کفار تھے اور انہوں نے اتنا ظلم کیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف اس لئے لڑے کہ یہ کلمہ توحید کیوں کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ایک لفظ بھی نہیں کہتے تھے۔ بس ایک ہی بات تھی کہ بُت پرستی چھوڑو مگر کفار ناحق ظلم کرتے اور جنگ کرتے مگر اس کے باوجود وہ مشرف بہ اسلام بھی ہوئے اور صحابی ہو گئے، تو آجکل ہمارا جو ایک نظریہ ہو گیا ہے کہ کفار سے بالذات نفرت کرتے ہیں یہ غلط ہے۔ کفار کے کفر سے تو نفرت کرو نا کہ ہم

ایسا نہ کریں۔ ارے یہی کفار تو بعد میں صحابی بنے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ کون ہو سکتا ہے جو نبی کو قتل کرنے جا رہا ہو ان کے بارے میں بعد اسلام کہا جا رہا ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے۔ تو یہ کہہ دینا کہ کافر کو مارو پیٹو ختم کر دو، یہ کوئی طریقہ ہے؟ آخر یہی کافر تو مسلمان ہو کر بڑے بنے یہ کیوں بھول جاتے ہو؟ اپنے اعمال تو صحیح کرتے نہیں۔ خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی جو عرض کر دی۔

اصل بات جو آج عرض کرنی ہے وہ یہ ہے کہ دیکھئے صاحب یہ بات تو صاف ہے کہ عجب کو اللہ تعالیٰ برداشت نہیں کرتے، تو اگر آپ اللہ تعالیٰ کے مقبولین میں ہیں اور اصلاح میں لگے ہوئے ہیں، مقبولین میں ہوں تبھی تو اصلاح کی توفیق ہو گی، جن پر اللہ کا قہر ہوتا ہے اصلاح کی طرف ان کا دماغ آتا ہی نہیں وہ تو چاہتے ہی نہیں کہ ان کی اصلاح ہو، اللہ تعالیٰ کے قہر کا ایک مظہر ہوتے ہیں اللہ کی رحمت کا مظہر یہ ہوتا ہے کہ اپنی اصلاح کی طلب میں لگ جاتا ہے طالب بن جاتا ہے اسی طرح سے جو اللہ کے قہر کا مظہر ہوتا ہے اس کو جیسے اللہ تعالیٰ سے عداوت ہو چنانچہ وہ اصلاح کا قصد بھی نہیں کرتا اصلاح کا ارادہ بھی نہیں کرتا اصلاح کو پسند بھی نہیں کرتا۔ یہ مضمون کہ عجب کیسی خراب چیز ہے، کلام پاک میں بہت جگہوں پر ہے تو آج پہلے تو کچھ نقل کر دوں گا کلام پاک سے پھر حدیث شریف سے، اندازہ ہو جائے گا کہ یہ عجب کیسی خراب چیز ہے اور اس کے بعد عجب کا علاج عرض کر دیا جائے گا۔

کلام پاک میں ہے ﴿**قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۔ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا**﴾ آپ ان سے کہئے کہ ہم انکو ایسے لوگوں کی خبر دیں جو اعمال کے اعتبار سے بالکل خسارے میں ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کی کرائی محنت سب گئی گزری ہوگئی اور وہ بوجہ جہل کے اس خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہ عجب ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے کام تو بڑے اچھے ہیں، یہ کفار کی صفت ہے، کفار کی صفت ہی سب سے بڑی

یہی ہے کہ کفار کو کفر کے ساتھ بت پرستی کے ساتھ یہ گمان بھی نہیں گزرتا کہ ان کا کام خراب ہے وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا کام اچھا ہے۔ یہی صفت مسلمان کی ہو جاتی ہے جب وہ عجب میں مبتلا ہو جاتا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ ہمارے کام تو بڑے اچھے ہیں اس کو تو اپنے عیب نظر نہیں آتے۔ اور قرآن میں ایک اور جگہ ہے بلقیسؑ کے قصے میں ﴿وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ﴾۔ بڑی سخت وعید ہے ان لوگوں کے لئے جو عجب کرتے ہیں اور میں نے اس کو اور اس عورت کی قوم کو دیکھا کہ وہ خدا کی عبادت کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال کفریہ کو ان کی نظر میں مرغوب کر رکھا ہے، یہ اعمال اچھے لگتے ہیں بھلے معلوم ہوتے ہیں یہی تو عجب ہے کہ ہماری چیز کوئی ہم کو بھلی معلوم ہو ہمارا عمل بھلا معلوم ہو اسی کو تو عجب کہتے ہیں اور کس چیز کو عجب کہا جائے گا؟ عجب کے معنی ہی عربی زبان میں پسند کرنے کے ہیں اسی کو اعجاب النفس کہتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے آخر یہ آیات نازل کس کے لئے کی ہیں؟ یہ کیا کفار کے لئے نازل کی ہیں؟ ہمارے لئے نازل کی ہیں۔ کیا کفار قرآن پڑھتے ہیں؟ کفار تو قرآن کبھی پڑھتے نہیں ہم پڑھتے ہیں روزانہ۔ ہمارے لئے ہیں یہ آیات۔ ان کا اثر بتایا جا رہا ہے کہ تم کو اگر اعمال تمہارے اپنے مرغوب ہوئے تو یہ شیطان کی حرکت ہے وہ تمہارا راستہ ہدایت سے روک دے گا اور انجام کیا ہوگا، ﴿فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ﴾، اور ان کو ہدایت نہیں ملے گی۔ عجب کا ایک اثر یہ ہے کہ وہ ہدایت سے دور ہو جاتا ہے وجہ یہ ہے کہ اس کو اپنی خرابیاں ہی نظر نہیں آتیں وہ اپنے گناہوں کو بھی اچھا سمجھتا ہے۔ پس جب اپنے اعمال اچھے معلوم ہوں تو یہ شیطان کی طرف سے ہے تاکہ راہ مسدود ہو جائے اللہ تعالیٰ کا راستہ رک جائے، ایسے لوگوں کو ہدایت نہیں ملتی۔ اور حق تعالیٰ کلام پاک میں اور جگہ پر فرماتے ہیں، ترجمہ ہے کہ نفس کو اچھا پاک صاف نہ سمجھا کرو، تم اپنے نفس کو کیا اچھا سمجھتے ہو یہ تو کافروں کی خصلت ہے

کہ اپنے اعمال کو اور اپنے آپ کو اچھا سمجھیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو اچھا سمجھتا ہے اور اتراتا ہوا چلتا ہے، (اترانا، دیکھئے آپ بہشتی زیور میں پڑھئے عجب کا بیان نہیں ملے گا وہاں آپ کو اترانے کا بیان ملے گا کیونکہ عجب کا ترجمہ آسان زبان میں اترانا ہے، اترانے کے معنی تو خوب معلوم ہیں آپ کو) اردو زبان بھی ختم ہوتی جا رہی ہے الفاظ کے معنی گم ہوتے جا رہے ہیں، اب تو اردو بولنے والے بھی بچوں کو Apple سکھاتے ہیں Mango سکھاتے ہیں Chair سکھاتے ہیں، بعض بچوں کو پتہ ہی نہیں کرسی کیا چیز ہوتی ہے، یہ کونسی تم نے خدمت کردی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس کو اترانا کہتے ہیں۔ اپنی انگریزی دانی پسند ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اتراتا ہوا چلے گا وہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر سخت غضبناک ہوں گے۔ حق تعالیٰ عجب والے کو کیوں پسند کریں گے؟ اگر حق تعالیٰ عجب والے کو پسند کریں گے تو یہ تو عیب ہوا، اللہ تعالیٰ تو عیب سے پاک ہیں۔ یہ آپ نے کیسے سمجھ لیا کہ عجب کریں تو بھی ہم بڑے دیندار بڑے پارسا ہیں، تسبیح لینے سے کیا کام بن جائے گا؟ کیا نصف ساق (پنڈلی) تک پاجامہ کرلیا ایک سنت پر شدت سے عمل کرلیا، کیا یہ کافی ہو گیا اور دل کے اندر عجب ہی عجب! اپنی ہر چیز پسند ہے، چنانچہ اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دوسرے کی ہر چیز ناپسند ہوتی ہے، دوسرے کی ہر چیز میں کیڑے نکلتے ہیں اعتراضات نکلتے ہیں۔ بھئی اپنی ہی ذات پسند ہوگئی جب اپنے ہی ہر کام پسند ہوگئے تو ظاہر ہے دوسروں کے کام اچھے نہیں لگیں گے۔ ایک نیام میں ایک ہی تلوار رہ سکتی ہے دو تلواریں تو نہیں رہ سکتیں یا خود کو پسند کرو یا دوسروں کو پسند کرو۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وَاَمَّا الْمُهْلِكَاتُ، اس کا ترجمہ بتا رہا ہوں، مہلکات یعنی ہلاک کرنے والی چیزیں ہیں تو وہ خواہش ہے ہوائے نفس ہے جس کی

پیروی کی جائے اور بخل ہے جس کے موافق عمل کیا جائے اور آدمی کا اپنے آپ کو اچھا سمجھنا، اور یہ سب سے بڑھ کر ہے یعنی عجب۔ ہلاک کرنے والی چیزیں کون بتا رہا ہے؟ سردار دو عالم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بتا رہے ہیں کہ یہ مہلکات ہیں اور مہلکات میں سب سے پہلے بتایا کہ وہ خواہش نفس ہے جس کی اتباع کی جائے، یعنی خواہش نفس کا خود ہونا بری بات نہیں ہے وہ تو ہوگی فطری بات ہے، اگر اس کی اتباع کی گئی تو یہ مہلکات میں سے ہے تم کو یہ ہلاک کردے گی تم کبھی بھی خواہشات کا اتباع نہ کرنا۔ اور جہاں پر خرچ کرنے کا حکم ہے وہاں پر خرچ نہیں کرتے یعنی وہ بخل جس کے موافق عمل کیا جائے۔ اگر دل ہی دل میں بخل ہو رہا ہے دل نہیں چاہ رہا ہے لیکن فطرہ بھی دے دیتا ہے زکوٰۃ بھی دیتا ہے اور جہاں پر صلہ رحمی ہے وہاں پر صلہ رحمی بھی کر دیتا ہے تو یہ بخیل نہیں ہے حالانکہ دل میں مادہ تو ہے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آدمی کا اپنے آپ کو اچھا سمجھنا یہ سب سے بڑھ کر ہے۔ تین مہلکات میں سب سے زیادہ شدید یہ ہے کہ اپنے آپ کو اچھا سمجھو۔ اور یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں ﴿وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي﴾۔ اپنے نفس کو تم نے اچھا سمجھا ہوا ہے؟ یوسف علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ میں تو اپنے نفس کو اچھا نہیں بتاتا پھر ہم اپنے آپ کو کہاں سے اچھا سمجھنے لگے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خود پسندی تباہ کر دیتی ہے، ہلاک کر دیتی ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تم لوگ گناہ نہ کرو تو بھی مجھے تم سے ایسی چیز کا خوف ہے جو گناہ سے بدتر ہے، یعنی عجب۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے لوگوں نے پوچھا کہ آدمی بدکار کب ہوتا ہے، فرمایا کہ جب وہ اپنے آپ کو اچھا سمجھنے لگے وہ بدکار ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص نماز کے سبب ناز کرتا ہے، ناز یعنی عجب، اکڑ رہے ہیں کہ بڑے اچھے ہیں ہم، یہی ناز ہے، رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص نماز کے سبب ناز کرتا ہے اسکی نماز

اس کے سر سے آگے نہیں بڑھتی۔ ایسی نماز سر سے آگے نہیں بڑھتی۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کوئی شخص اپنے اعمال کے سبب جنت میں نہ جائے گا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ بھی؟ اب دیکھئے یہ تھے صحابہ، ہمارے لئے بڑا راستہ کھول گئے سوال ضروری تھا نہ کیا جاتا تو بہت بڑی چیز رہ جاتی، یہ سوال معمولی نہیں تھا یعنی جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ کوئی شخص اپنے اعمال کے سبب جنت میں نہ جائے گا تو فوراً سوال پیدا ہوا کہ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی؟ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال تو کامل تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال تو نمونہ تھے، نمونہ تو وہ ہوتا ہے جو نقص سے خالی ہو اور دوسروں کے اعمال میں تو نقص ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال تو اللہ تعالیٰ کے سکھلائے ہوئے ہیں۔ خاص طریقے سے بالکل نمونہ بنا کر جس چیز کو پیش کیا جائے، نمونہ میں تو نقص نہیں ہوتا، اس لئے یہ سوال ضروری پیدا ہو گیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ ہاں، میں بھی۔ اعمال جنت میں نہیں لے کے جائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ جن اعمال پر ہم ناز کرنے لگ جائیں وہ اعمال ہی نہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی ہیں فرماتے ہیں کہ تباہی دو چیزوں میں ہے، خود پسندی میں اور ناامیدی میں۔ نہ تو خود پسندی کرو کہ اپنے اعمال کو اچھا سمجھ کے ان کو پسند کرنے لگ جاؤ، اس کو بے شک اللہ کی توفیق سمجھ کے شکر تو ضرور ادا کرو مگر اس پر اتراؤ یا اس کو اپنا کمال سمجھو یا اس کو اپنی طرف منسوب کرو تو یہ خود پسندی ہے۔ دوسری چیز ناامیدی ہے یعنی اپنے اعمال کو اتنا خراب سمجھا کہ ناامید ہی ہو گئے، صاحب میرا کیا ہوگا۔ یہ بھی ہلاک کرنے والی چیز ہے۔ ناامید تو وہی ہوگا جس کو اپنے اعمال پر نظر ہوگی کیونکہ جس کو اللہ کی رحمت پر نظر ہوگی وہ کیوں اپنے اعمال کی خرابی سے ناامید ہوگا؟ وہ تو کہے گا بہر حال اللہ کی رحمت سے ہی جب ہمیں معاملہ کرنا ہے تو ہم اپنے اعمال کی وجہ سے ناامید کیوں ہوں؟ اس لئے خود پسندی اور ناامیدی دونوں

میں ایک ہی عنصر ہے یعنی اپنے اعمال پر نظر ہو۔خود پسندی میں بھی اپنے اعمال پر نظر ہوتی ہے اور ناامیدی میں بھی ۔ایک بزرگ حضرت مطرف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر میں تمام رات سوؤں اور صبح کو ڈرتا ہوا اٹھوں، یعنی تہجد بھی نہیں پڑھی صرف فرض نماز ادا کی، صبح کو ڈرتا ہوا اور شکستہ دل اٹھوں تو اس ڈرتے ہوے اٹھنے کو اس بات سے زیادہ دوست رکھتا ہوں کہ رات بھر نماز پڑھوں اور صبح کو اس کے اوپر خود پسندی کروں یعنی عجب میں مبتلا ہو جاؤں ۔رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے نسب کے ذریعے سے فخر کرنے کو منع فرمایا ہے کیونکہ یہ بھی عجب ہے کہ ہم سید ہیں ہم فلاں ہیں ہم فاروقی ہیں ہم صدیقی ہیں ہمارا باپ ایسا تھا ہمارے والد ایسے تھے ہمارے خاندان میں ایسے ایسے لوگ ہیں، جہاں دماغ میں خناس آیا عجب کا شکار ہو گئے ۔ارے تم کو تو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عجب سے منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام خاک سے بنے تھے۔ بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال ہیں، ان کے انکسار کا یہ حال تھا کہ بعض صحابہؓ یہ کہتے تھے کہ کاش ہم مٹی ہوتے، بعض صحابہ کا قول ہے کہ کاش ہم ہوتے ہی نہیں، کاش میں ایک کھجور کی شاخ ہوتا۔

وہم میں اپنے تھے بہت کچھ لیکن
خوب دیکھا تو کچھ بھی نہیں ہیں ہم

غور سے دیکھو تو سہی! اپنے آپ میں عیب ہی عیب نظر آئیں گے پھر بھی وہم ہے کہ ہم بڑے اچھے ہیں ۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے عزیز جان تو! یعنی تو معلوم کر لے، سمجھ لے، کہ خود پسندی سے بہت سی آفتیں پیدا ہوتی ہیں ان میں سے ایک آفت تکبر ہے ۔تکبر بھی خود پسندی سے پیدا ہوتا ہے ۔اصل میں تکبر کے یا کبر کے دو جزو ہیں، عجب یعنی اپنے اعمال کو اچھا سمجھنا اور دوسروں کو حقیر سمجھنا جب یہ دونوں چیزیں پیدا ہوتی ہیں تو تکبر کہلاتا ہے اور جب ان میں سے ایک موجود ہو یعنی اپنے کو

اچھا سمجھ رہے ہیں اپنے اعمال کو پسند کر رہے ہیں مگر دوسروں کو حقیر نہیں سمجھ رہے تو عجب ہے۔دوسری آفت یہ ہے کہ اپنے گناہ یاد نہیں کرتا، عجب ہیں جو مبتلا ہے وہ شخص اپنے گناہ یاد نہیں کرتا اور تدارک میں مشغول نہیں ہوتا یعنی اس کو اصلاح نفس سے کوئی مطلب نہیں ہوتا اسکو فکر ہی نہیں ہوتی، کیسے فکر ہوگی۔دیکھئے میں اکثر اپنے دوستوں کو مثال دیتا ہوں کہ آپ یہاں اچھے کپڑے پہنے اور خوشبو لگائے بیٹھے ہیں عورتیں بھی مرد بھی، اگر آپ کے کپڑے پر پاخانہ لگ جائے تو کیا آپ چین سے بیٹھ سکتے ہیں؟ آپ بیٹھ سکتے ہیں مجمع میں سب کے سامنے؟ آپ کو پریشانی خود ہی ہونے لگ جائے گی اور شرم کے مارے ہٹ جائیں گے وہاں سے، جب تک یہ گندگی دور نہ ہو جائے بے چین رہیں گے عجیب پریشانی کا حال ہو جاتا ہے۔کیوں ایسی پریشانی ہوتی ہے؟ اس لئے کہ گندگی نظر آرہی ہے آپ کو ظاہری گندگی نظر آئی لیکن باطنی گندگی آپ کو نظر نہیں آئی ۔ورنہ باطنی گندگی سے بھی آپ کا یہی حال ہوتا۔جیسا کہ پاخانہ کپڑے پر لگ جانے کے بعد آپ کو پریشانی ہوتی ہے ویسی ہی پریشانی ہوتی، عجب سے نجات ملے تو بے اختیار بندہ یہ کہے گا کہ میرے اندر کبر ہے، میرے اندر حسد ہے، بخل ہے سب کچھ نظر آئے گا یہ سارے مادے اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر رکھ دیئے ہیں۔ ﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا﴾ .فجور تو حق تعالیٰ نے ڈالا ہوا ہے ہمارے دلوں میں تم یہ کیسے کہتے ہو کہ ہمارے اندر حسد نہیں تم یہ کیسے دعویٰ کرتے ہو کہ ہمارے اندر کبر نہیں بخل نہیں، ارے یہ تو فطری تقاضے ہیں جو اٹھتے ہیں عجب بھی ایک فطری تقاضا ہے جو تمہارے اندر اٹھے گا یہ فطری چیز ہے اس کا اٹھنا گناہ نہیں ہے، اس سے کیوں انکار کرتے ہو کہ یہ اٹھتا ہے۔ہاں اس کے اقتضاء یعنی تقاضے پر عمل نہ کرو جیسے، غصہ ایک فطری تقاضا ہے جو کسی گناہ پر انسان کو پیدا ہو جاتا ہے اور یہ فطری تقاضا ضروری ہے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جس کو غصہ دلایا جائے اور اس

کوغصہ نہ آئے وہ حمار (گدھا) ہے۔گدھا ہی ہوگا جس کوغصہ دلایا جائے اس کوغصہ نہ آئے،تو غصہ آنا تو فطری چیز ہے۔اب آجکل یہ چاہتے ہیں خاص کرعورتیں تو یہ چاہتی ہیں کہ ان کے شوہر حمار بن جائیں ان کوغصہ آیا ہی نہ کرے۔بھئی ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ جب کوئی بات گناہ کی ہوگی غصہ تو آئے گا،ہاں غصے کے تقاضے پر عمل نہ کریں ضبط کرجائیں کاظمین الغیظ بن جائیں غصے کو پی جانے والے بن جائیں،یہ ضروری ہے۔اور جب تکبر اور حب جاہ دل سے ختم ہوگا تو ذاتی نفسانی سبب یعنی اپنے نفس کے لئے ناگواری بھی نہ ہوگی۔تو جس طرح آپ غصے کے تقاضے کو سمجھتے ہیں جب کوئی دوسرا آپ پر غصہ کرتا ہے تو آپ خوب سمجھتے ہیں کہ یہ غصہ کا تقاضا ہے اسی طرح سے عجب کے بھی تقاضے اٹھیں گے کیسے نہیں اٹھیں گے۔﴿**فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا**﴾۔ہاں چونکہ تم اس رذیلۂ خبیثہ کے گٹر کے اندر گر چکے ہو اس کے اوپر عمل کرتے ہو چونکہ تم نعمتوں کو اپنی طرف منسوب کرتے ہو اپنے کمالات کو خود اپنی طرف منسوب کرتے ہو اپنے اعمال چونکہ تمہیں بھلے معلوم ہوتے ہیں اور تم اس طرح سے سوچنے کو پسند کرتے ہو اب تمہاری عادت بن گئی ہے عادت بن کے تمہارے اندر ایک گندے حال کے درجے میں آگئی ہے اسوجہ سے تم محسوس نہیں کرتے۔بزرگوں کی صحبت میں بیٹھو گے رفتہ رفتہ محسوس ہونے لگے گا۔مثلاً حسد ہے،کہتے ہیں کہ ہمارے اندر حسد نہیں ہے،حسد کیسے نہیں ہے؟ ضرور ہے اس کے تقاضے ضرور اٹھیں گے،ایسا کیسے ہوسکتا ہے،ہاں محرک نہ ہو اس کو حرکت دینے والی کوئی چیز نہ ہو تو پتہ نہیں چلے گا۔دفتروں میں آپ کا کوئی ساتھی ہو آپ سے کم ہو اور اس کو ترقی مل جائے اور آپ رہ جائیں تو دیکھیں آپ کا دل کیسا جل بھن جاتا ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ بزرگوں سے آپ کا تعلق ہو تو حسد کے اس تقاضے کے اوپر آپ عمل پھر بھی نہیں کریں گے آپ کا دل جو ہے جل بھن کے کباب بے شک ہوجائے حسد کی وجہ

سے لیکن آپ اس شخص کے خلاف کوئی کام نہیں کریں گے اس کی ترقی کی راہ میں روڑے نہیں اٹکائیں گے یا کوئی ایسا کام نہیں کریں گے جس سے اس کو کوئی نقصان پہنچ جائے۔پھر بے شک آپ کامل ہیں اگر ایسا ہے کہ آپ حسد کے تقاضے کو روک لیتے ہیں۔لیکن آپ یہ کہیں کہ حسد کا تقاضا ہی نہیں اٹھے گا تو یہ بات غلط ہے ایک شوہر کی دو بیویاں ہوں،ایک بیوی کو دوسری بیوی سے کیسا حسد ہوتا ہے،محرک نہیں ہے اس لئے محسوس نہیں ہوتا ورنہ حسد کا مادہ تو موجود ہے۔تو ایسا شخص جس کو عجب کی بیماری ہو عجب کے تقاضوں پر قصداً عمل کرتا ہو وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں تو بخشا ہوا ہوں وہ عبادت میں شکر گزار نہیں ہوتا عبادت کو اپنا کمال سمجھتا ہے عبادت کی آفتیں نہیں جانتا اور نہ تحقیق کرتا ہے اور جانتا ہے کہ خود بے آفت ہے اور اس کے دل سے خوف وہراس جاتا رہتا ہے۔ارے نعمت سلب ہوجائے گی تو کیا کرو گے؟ بڑی آنکھ پہ اپنی ناز کرتے ہو،کپڑوں پہ ناز کرتے ہو،شکل پہ ناز کرتے ہو،گھر پہ ناز کرتے ہو! کبھی خوف آیا ہے کہ اگر نعمت سلب ہوگئی تو کیا ہوگا؟ اگر خوف آتا تو کبھی عجب کرسکتے تھے؟ ڈرتے،اللہ میاں سے دعا میں لگ جاتے۔جو شخص عجب کرتا ہے وہ حق تعالیٰ کے مکر سے نڈر رہتا ہے اور عبادت کے سبب سے حق تعالیٰ پر اپنا حق جانتا ہے۔
صاحب میں تو عبادت کرتا ہوں ضرور میری دعا قبول ہونی چاہئے ضرور مجھ کو ایسا ملنا چاہئے،تو عبادت کرکے حق تعالیٰ پر اپنا حق جانتا ہے۔دیکھئے یہ سب عجب کے نقصانات ہیں۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عجب کا مریض عبادت کو اپنا حق جانتا ہے کہ عبادت خود اس پر نعمت الٰہی ہے اور اپنی تعریف کرتا ہے اور حق سمجھتا ہے اور اپنے تئیں پاک جانتا ہے اور کسی سے کچھ پوچھتا نہیں اور اگر کوئی اس کے خلاف کوئی بات کہے تو سنتا نہیں اور کسی کی نصیحت نہیں سنتا۔

ناصحا مت کر نصیحت دل مرا گھبرائے ہے
میں اسے سمجھوں ہوں دشمن جو مجھے سمجھائے ہے

یہی ہے علامت خود پسندی کی۔ بقول شخصے:

نصیحت کا بُرا لگنا یہی تو خود پسندی ہے
ہلاکت کا ذریعہ ہے یہ حالت حد سے گندی ہے

جو عجب کا شکار ہوگا شیخ کے ساتھ نہیں چل پائے گا۔ ساری باتیں قبول نہیں کرپائے گا، کچھ قبول کرے گا کچھ نہیں قبول کرپائے گا۔ یہ تو اس لئے عرض کیا گیا کہ اس کی خرابی معلوم ہوجائے، ایک خرابی اور سمجھ لیجئے، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ہم کراچی چھٹی میں آئے تو سوچا کہ یہاں گھر میں تصاویر کی البم ہیں ان کو جلادیں کیونکہ تصاویر حرام ہیں چنانچہ حضرت سے مشورہ ہوا۔ حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب قدس سرہٗ سے نیا نیا تعلق تھا ان کے مشورہ سے ساری تصاویر جلادیں، اللہ تعالیٰ نے توفیق دی۔ جلانے کے بعد حضرت کو لکھا کہ حضرت وہ ساری تصاویر جلادیں تو حضرت نے اس جملے کے آگے لکھا کہ عجب سے کوسوں دور بھاگو، فوراً حضرت کو لکھا کہ حضرت عجب کا علاج ارشاد فرمادیجئے، اس کا علاج کیسے کیا جائے، تو حضرتؒ نے حقیقت عجب کی تحریر فرمائی اور علاج بتایا۔ اسی زمانے میں ایک کتاب مل گئی جس میں حضرتؒ کے خطوط تھے اُن کے شیخ مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام۔ اتفاق سے ایک خط ملا جس میں حضرت کا کوئی جملہ تھا جس پر مفتی محمد حسن صاحبؒ نے بالکل یہی جملہ تحریر فرمایا ہوا تھا کہ ''عجب سے کوسوں دور بھاگیں۔'' تو بندہ کو بھی وہی جملہ حضرتؒ نے تحریر فرمایا تھا حضرتؒ نے اس کے بعد کے خط میں استفسار کیا اپنے شیخ سے کہ حضرت اس سے کیسے دور بھاگوں کوئی ترکیب بتایئے وہ گُر بتایئے جس سے اس سے کوسوں دور بھاگا جاسکے، تو مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ گُر یہ ہے کہ یہ یاد رکھو کہ یہ عذاب الٰہی کا ذریعہ ہے یعنی یہ یاد رکھو کہ عُجب کروگے تو عذاب الٰہی کا شکار ہوجاؤ گے۔

اب عجب کی حقیقت سمجھ لیجئے، یہ جو نقصانات ابھی تک بیان کئے گئے ہیں یہ سب آثار عجب ہیں، عجب کی حقیقت کیا ہے؟ ظاہر ہے یہ جو آثار پیدا ہوتے ہیں ہمارے ایک اختیاری عمل سے پیدا ہوتے ہیں ایک اختیاری سوچ جو قصداً کی جائے اس سے پیدا ہوتے ہیں جسے Intentional Thinking (IT) کہتا ہوں اس کے بغیر یہ سب چیزیں عجب وغیرہ کچھ پیدا نہیں ہوسکتیں۔ حقیقتاً عجب کی جڑ تو غلط سوچ ہے۔ اس غلط سوچ کو کو دور کرنا ہے وہ دور ہوگا تو سب کچھ دور ہوجائے گا۔ حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ عجب یہ ہے کہ اپنے کمال کو اپنی طرف منسوب کرنا اور اس کا خوف نہ ہونا کہ شاید سلب ہوجائے۔ کوئی کمال ہے، کوئی کام کیا، کوئی چیز آپ نے بنائی، کوئی چیز لکھی یا کہی، کچھ بھی ہو، آپ کا گھر ہو گاڑی ہو جس کا جس چیز میں بھی دل الجھا ہوا ہو۔ اب قصداً دل ہی دل میں سوچا کہ یہ بہت عمدہ ہوگیا یہ گھر بہت عمدہ ہوگیا، کھانا بڑا اچھا پک گیا، واہ صاحب، دل ہی دل میں آپ سوچ رہے ہیں منہ سے نہیں کہہ رہے۔ منہ سے کہنا عجب کے ہونے یا نہ ہونے کی علامت نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے آپ منہ سے کہہ رہے ہوں لیکن دل میں عجب نہ ہو کیونکہ بعض اوقات ضرورتاً کہنا پڑتا ہے۔ آپ کا افسر پوچھے آپ نے کیا کام کیا ہے تو بتانا پڑتا ہے اور افسر کو معلوم ہونا چاہئے اس وقت عجب نہیں ہوگا۔ ٹھیک ہے بتائیں لیکن عجب یہ ہے کہ اس چیز کو، اس کام کو اپنی طرف منسوب کرے یعنی اپنی طرف دل ہی دل میں منسوب کرے کہ یہ تو میرا کمال ہے اور اس کا خوف نہ ہو کہ یہ سلب ہوجائے گا۔ اللہ تعالیٰ جب چاہیں لے لیں۔ اگر یہ خوف ہوگا تو اپنی طرف منسوب ہی نہیں کرے گا۔ حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ یہ نفس کا چھپا ہوا کید ہے۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ ممتاز ہوکر رہے سب سے اچھا بنے سب سے بڑا بنے اور اس میں اس کو مزہ آتا ہے تو یہ عجب ہے۔ کوئی شخص جب اپنی نظر میں پسندیدہ ہوتا ہے اس وقت اللہ کی نظر میں ناپسندیدہ ہوجاتا ہے البتہ اگر اللہ کی نعمت پر خوش ہو اور اس کے چھن جانے کا خوف بھی دل میں

رکھے اور اتنا ہی سمجھے کہ یہ نعمت اللہ تعالیٰ نے فلاں علم یا عمل کے سبب حق تعالیٰ نے مرحمت فرمادی ہے اور وہی مالک ومختار ہے جس وقت چاہیں وہ مجھ سے لے لیں تو یہ خود پسندی اور عجب نہیں ہے کیونکہ خود پسند شخص نعمت کا اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب کرنا ہی بھول جاتا ہے۔ جہاں عجب ہو وہاں ذکر اللہ نہیں ہوگا عجب کی علامت یہی ہے پسندیدگی اور بھلا معلوم ہونا جو کفار کی خاصیت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بڑی احتیاط فرمائی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک کرتا پہنا ان کو اچھا معلوم ہوا جس وقت اچھا معلوم ہوا سمجھ گئیں کہ یہ معاملہ کتنا خطرناک ہے چنانچہ فوراً اس کرتے کو خیرات ہی کر دیا۔ اس کو رکھا ہی نہیں اپنے پاس جو اچھا معلوم ہو اور ہم آپ تو ہر وقت اسی دھن میں ہیں کہ ہم اچھے معلوم ہوں! لاحول ولا قوۃ جس کو ہر وقت یہ دھن لگی ہوئی ہو اور وہ کہے کہ صاحب ہمارے اندر تو عجب نہیں میں تو عجب نہیں کرتا اور ہر وقت یہی دھن ہے ایک ہی دھن لگی ہوئی ہے گھر ہے تو اس کا انداز وہی، کپڑے ہیں تو اس کا انداز وہی، اور پوچھو تو نہیں صاحب ہم کہاں عجب کرتے ہیں ہم کہاں اتراتے ہیں۔ یہ عرض کر رہا تھا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اتنی احتیاط کی اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قمیص پہنی اچھی لگی فوراً قینچی منگوائی اور ایک آستین کاٹ دی اب عیب ہوگیا اب کون اچھا کہہ سکتا ہے؟ ہمارا آپ کا کیا حال ہے درزی سے کپڑا آئے اگر نقص ذرا بھی ہو تو پیچھے پڑ جاتے ہیں درزی کے۔ ارے بھئی اس میں تھوڑا بہت نقص ہے تو کیا حرج ہے پہن لو۔ صحابہؓ کا تو یہ طریقہ تھا اب یہ اتنا واضح عجب نظر نہیں آتا اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا ارے بھئی کوئی معمولی عجب تھوڑا ہی ہم لئے بیٹھے ہیں اس وقت کا اس صدی کا اس زمانے کا یہ سب سے بڑا مرض ہے جو مسلمانوں میں اس قدر شدت سے ہے جس کی انتہا نہیں۔ چنانچہ جس مسلمان کو پوچھئے تمہارے اندر کوئی عیب ہے، نہیں جی کوئی عیب نہیں، نہیں جی ایسا کیسے ہوسکتا ہے، جیسے ہو ہی نہیں سکتا ایسا، میں اور جھوٹ بول سکتا ہوں؟ حالانکہ

جھوٹ بولتے ہیں ہر وقت اور کہیں گے کہ میں اور جھوٹ بول سکتا ہوں؟ یہ عجب نہیں تو اور کیا ہے؟

اگر یہاں تک نوبت پہنچ جائے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک اپنے آپ کو ذی مرتبہ اور باوقعت سمجھنے لگے کہ اب صبح کو اٹھ جاتے ہیں اور تسبیح بھی پڑھ لیتے ہیں اور دو چار رکعتیں بھی پڑھ لیتے ہیں بزرگوں سے بھی تعلق کر رکھا ہے کسی کے مرید بھی ہوگئے ہیں سبحان اللہ، اپنے آپ کو ذی مرتبہ اور باوقعت سمجھنے لگے تو یہ ناز کہلاتا ہے یہ عجب کا ایک خراب درجہ ہے اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اپنی دعا کے قبول نہ ہونے کا تعجب اور اپنے موذی دشمن کو سزا وعذاب نہ ملنے پر اس کو حیرت ہوتی ہے کہ ارے ہم جیسوں کی دعا قبول نہ ہو اور ہمارے دشمن پامال نہ ہوں۔ ہم کو تو نے تنگ کیا دیکھ تیرا کیا انجام ہوگا؟ یہ عجب نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ ارے آپ ہیں کون؟ ارے انبیاء علیہم السلام کو تو کیسی کیسی ایذاء دی گئی آپ کیسے حکم لگاتے ہیں کہ دیکھ تو نے مجھ اللہ والے کو دکھ پہنچایا ہے دیکھ تیرا کیا انجام ہوگا۔ سبحان اللہ اول تو اپنے آپ کو اللہ والا کہہ رہے ہیں اللہ والا کہیں ایسی باتیں کہے گا؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو کیسی کیسی ایذاء دی جائے اور اس کے بعد وہی ایذاء دینے والے لوگ صحابی بن کے بڑے بڑے مرتبے کو پہنچ جائیں اور آپ کہہ رہے ہیں دیکھ تو نے دُکھایا ہے میرے دل کو تو نے مجھے فلاں تکلیف دی ہے دیکھنا تیرا کیا انجام ہوگا۔ سبحان اللہ! پھر بھی عجب نہیں ہے؟ یاد رکھو اپنی عبادت پر نازاں ہونا اور اپنے آپ کو مقبول خدا اور کسی قابل سمجھنا بڑی حماقت ہے البتہ اگر اللہ کی نعمت پر خوش ہو اور اس کے چھن جانے کا بھی خوف دل میں رکھو اور اتنا ہی سمجھو کہ یہ نعمت حق تعالیٰ نے فلاں علم کے سبب مجھ کو مرحمت فرمادی ہے یا فلاں کی دعاء سے مجھے عطاء فرمادی ہے اور وہ مالک مختار ہے جس وقت چاہے مجھ سے لے لے، تو پھر خود پسندی نہیں ہے کیونکہ خود پسند شخص نعمت کا منعم حقیقی کی جانب منسوب کرنا بھول جاتا ہے۔ عجب میں اور کبر میں ایک فرق عرض کیا تھا وہ یہی ہے کہ عجب میں اپنے آپ

کو اچھا سمجھنا ہے اور دوسروں کو حقیر نہیں سمجھنا اور کبر میں دونوں چیزیں شامل ہوتی ہیں، کبر کا علاج دونوں چیزوں کے علاج سے ہوتا ہے۔

اب اس کا علاج سمجھ لیجئے۔ علاج تو اصل میں ہوگا کسی شیخ کے سامنے پامال ہونے سے اور اپنا حال سچا سچا لکھنے سے۔ لیکن ایک عام بات بتا رہا ہوں تا کہ اصول سمجھ میں آجائے۔ شیخ سے سوال کرنا آسان ہو اور شیخ کو اپنا حال لکھنا آسان ہو۔ طریقہ علاج یہ ہے کہ جو بھی آپ کو اچھائی نظر آئے اپنے اندر، جو بھی کمال نظر آئے، اس کو اللہ تعالیٰ کی عطا سمجھو۔ سوچو، سوچنا ہی ہے اس کا علاج۔ عجب سوچنے کا مرض ہے اس کا تعلق سوچ سے ہے تو اس کا علاج بھی سوچ سے ہی ہوگا۔ باقی بہت گھٹی میں بیٹھ گیا ہے تو اور دوسرے علاج بھی کئے جاتے ہیں لیکن اصل یہی ہے کہ سوچ خراب ہے تو سوچ سے علاج ہوگا۔ دیکھئے آپ کو دوا بتادی گئی اب اور کیا کیا جائے؟ بہت بڑے لاؤڈ اسپیکر سے بتادیا جائے! یا کس طرح سے بتایا جائے! دوا تو یہی ہے۔ استعمال کریں گے تو فائدہ ہوگا۔ یہ سوچو کہ جو بھی کام کیا، کھانا پکایا، لیکچر دے دیا، علاج کردیا مریض اچھا ہوگیا، آدمی جو بھی ہو جس پیشہ سے بھی ہو مثلاً طالب علم ہیں، پڑھا، نمبر اچھے آگئے یہ سمجھو کہ یہ عطائے خداوندی ہے، سوچو یا اللہ آپ کا شکر آپ نے نعمت دی ہے مجھے۔ قصداً اختیار سے سوچو۔ اس کی عادت ڈالو۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پہلے ہی دن سے عجب ختم ہوجائے گا۔ اس کا مادہ تو فنا نہیں ہوگا ہاں رفتہ رفتہ سوچنے سے یہ مغلوب ہوجائیگا۔ ہر وقت یہی استحضار رکھو یہ مت سمجھ لو کہ دو چار بار ہم نے کرلیا تو بس صاحب ہم جنید بغدادی بن گئے، جنید بغدادی اتنی آسانی سے نہیں بنتے، سالہا سال، سالہا سال محنت کرنی پڑتی ہے، یہ ایک دن کا کام نہیں ہے۔

بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

لمبا سفر ہے، شروع تو کرو آج شروع کرو گے تو کچھ عرصے کے بعد کام بن جائے گا۔ اب ایک دوسرا علاج بھی سمجھ لیجئے، وہ یہ ہے کہ کمال کا اعلیٰ درجہ پیش نظر رکھو آپ نے کہا

ٹھیک ہے نمبر لے آئے امتحان میں۔ آپ کے نمبر آگئے اسّی، سمجھ گئے؟ غور سے سنو، اسّی نمبر آگئے عجب ہوا کہ واہ کیا تیر مارا! تو سوچو کہ اسّی نمبر ہی کی صلاحیت ہے پچاسی تو نہیں لاسکا، کچھ کے نوے بھی آئے ہیں، یہ خیال بھی عجب کو کم کردے گا۔ آپ نے نماز پڑھی سوچا کہ بڑی اچھی نماز پڑھی واہ خوش ہوئے، سوچو کہ اس کا اعلیٰ درجہ بھی ہے کیا؟ تو پھر نماز جیسی بھی ہے ناقص ہی ہے۔ اس طرح کمال کو معلوم کرکے آپ کی نظر ہٹ کر اپنے نفس کے نقص پر آجائے گی، یعنی اپنے عیبوں کو سوچو، غور سے اپنی لغزش اور کوتاہی ظاہری اور باطنی کو دیکھو تا کہ اپنی بزرگی اور کمال کا گمان بھی پیدا نہ ہو۔ یاد رکھو جب اپنا کوئی کام، کوئی تقریر، کوئی تحریر، کوئی خیال، دل ہی دل میں تم کو پسند آئے اور تم اس کو اپنی طرف منسوب کرو تو یہی خودپسندی ہے۔ یہی عجب ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے کام کے عیب پیش نظر نہیں ہیں۔ اس صورت میں اکثر نظر دوسروں کے عیبوں پر ہوتی ہے:

نہ تھی حال کی جب تلک اپنے خبر
رہے دیکھتے اوروں کے عیب وہنر
پڑی اپنے عیبوں پہ جب نظر
تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

جب اپنے عیبوں کا استحضار ہوگا تو پھر دوسرے سب لوگ تم کو اچھے لگیں گے اور خود اپنے آپ کو تم برے لگو گے تو سمجھو خودپسندی کا علاج ہوگیا۔ عیبوں سے پاک ذات صرف اللہ کی ہے یا نہیں؟ عیبوں سے پاک تو صرف اللہ تعالیٰ ہیں تو ہم آپ جو بھی کریں گے اس میں عیب ہوگا کہ نہیں؟ ہوگا۔ چاہے ہم کو نظر نہ آئے۔ یہ بات بھی سوچ لو اس خیال سے بھی عجب سے حفاظت ہوجائے گی۔ آپ نے کچھ بھی کیا ہے کسی قسم کا کام انجینئرنگ کا ڈاکٹری کا کیا، پڑھائی کا کیا، کھانے پکانے کا کیا، لیکن کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ آپ کا کام عیبوں سے خالی ہو؟ یقیناً عیب ہوں گے جب یقیناً عیب ہیں

پھر کس بات پر آپ اتراتے ہیں؟ شکر کریں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو توفیق دی۔ اور اگر تم کہتے ہو کہ عیب نہیں تو گویا اللہ تعالیٰ کے تم ہم پلہ ہو تم نے اپنے آپ کو خدا ثابت کرنا چاہا کہ تم بھی عیبوں سے پاک ہو۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

دعا کرلیں اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے، عجب سے نجات عطا فرمائے۔

۷۔ مجاہدہ کیا ہے؟

خطبۂ ماثورہ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۶۹﴾.

(سورۃ العنکبوت آیت ۶۹)

جو لوگ ہمارے راستے میں ہمارے لئے مجاہدہ کرتے ہیں مشقت اٹھاتے ہیں ہم ان کو ضرور بالضرور اپنے قرب وثواب یعنی جنت کے راستے کی ہدایت کردیں گے اور بے شک اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت ایسے خلوص والوں کے ساتھ ہے، محسنین وہ خلوص والے لوگ ہیں جو اچھی طرح سے عبادت کو اس طرح سے کرتے ہیں کہ جیسے حق تعالیٰ کو وہ دیکھتے ہیں۔

اس آیت میں مجاہدے کا بیان ہے۔ اس کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے دین اسلام کی روح مجاہدہ ہے۔ مجاہدہ ہی وہ طریق ہے جس کو آپ تصوف کہیں اصلاح نفس کا نام دیں یا تزکیۂ نفس کہیں یا جس کو آپ انسانیت کہہ لیں سنت کہہ لیں جس نام سے بھی پکاریں اصطلاح سے حقیقت نہیں بدلتی۔ حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ مجاہدہ تمام عبادات بلکہ تمام شریعت کی روح ہے۔ شریعت کی روح مجاہدہ ہے کیونکہ سارے دین کا خلاصہ ہی مجاہدہ ہے۔ مجاہدہ کے معنی لغت میں تو مشقت کے ہوتے ہیں لیکن اصطلاح میں اس کے معنی ہیں مخالفت نفس کے۔ اور مخالفت نفس کا حاصل بھی مشقت ہے جب مخالفت نفس ہوگی تو کچھ نہ کچھ مشقت ضرور ہوگی۔ یہاں یہ سمجھ لیجئے کہ ایک مشقت جسمانی ہے اور ایک مشقت مخالفت نفس ہے، دونوں میں فرق ہے۔ جس مجاہدہ کا مطالبہ اس آیت میں ہے وہ مشقت جسمانی کا مجاہدہ نہیں ہے۔ مشقت جسمانی کا اگر مطالبہ ہو تو بعض لوگ تو ایسی مشقت کرہی

نہیں پائیں گے، بلکہ اس آیت میں اُس مشقت کا مطالبہ ہے جو نفس کی مخالفت میں پیش آتی ہے۔ مخالفت نفس میں جو مشقت ہوتی ہے اس کو وہ لوگ خوب جانتے ہیں جو مخالفت نفس کے مجاہدہ میں مشغول ہیں۔ مثال کے طور پر کوئی نامحرم سامنے ہے اور آپ کے دل میں اسے دیکھنے کا تقاضا ہے۔ فطرتاً ایسا تقاضا ہوگا اگر آپ فرشتے نہیں ہیں آدمی ہی ہیں کوئی دیوار اور پتھر نہیں ہیں۔ بوڑھے کو بھی تقاضا ہوتا ہے۔ فطرتاً تقاضا ہوگا نامحرم کو دیکھنے کا، اس کی مخالفت کرنے کا حکم ہے، یہ نفس کا تقاضا ہے، اس مخالفت میں جسم کو نہیں بلکہ نفس کو مشقت ہے۔ جو لوگ ایسے تقاضۂ نفس کی مخالفت کرتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ جب نامحرم سامنے ہو اور نگاہ نیچی کرلی جائے تو ضرور نفس کو مشقت ہے۔ عمر بھر مشقت رہے گی۔ یہ مشقت جسمانی تو ہے نہیں۔ کیا یہ کہہ سکتے ہیں آپ کہ جسمانی مشقت ہے؟ یہی وہ مشقت ہے جس کو مجاہدہ کہتے ہیں۔ آپ کا دل چاہ رہا ہے بولنے کا، غیبتیں کرنے کا، لایعنی کلام کرنے کا اور آپ رُک گئے، نفس چاہ رہا ہے اور آپ نے روک دیا، یہ جسم کے لئے تو کوئی مشقت نہیں ہے۔ جسم کے لئے مشقت کہاں ہوئی بلکہ جسم کو تو اور آرام مل گیا کہ زبان بھی نہیں ہلانی پڑی۔ لیکن جو لوگ مشقت اٹھاتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ نفس کی کیسی مشقت ہے۔ اسی طرح نفس کی خواہش ہوتی ہے کہ دوسروں کی حقارت کی باتیں سوچے یا لذت آمیز خیالات لائے۔ اس وقت مجاہدہ یہ ہے کہ اس سوچ کو ترک کرکے ذکر اللہ یا ضروری امور کو سوچے۔ اس میں بھی نفس کو مشقت ہے۔ اس آیت میں اسی مشقت کا، مخالفت نفس کا ذکر ہے۔ فرماتے ہیں حکیم الامتؒ کہ مخالفت نفس میں مشقت اس لئے ہے کہ نفس کے اوپر اس میں پابندی ہے اور نفس کو پابندی گراں لگتی ہے۔ نفس تو طبعی طور پر آزادی کا طالب ہے نفس کی فطرت ہے آزادی کی، آزاد ہو جائے پابندی نہیں چاہتا اسلئے نفس کے لئے اعمال دینیہ شاق ہیں کیونکہ جن اعمال دینیہ کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں مکلّف

بنایا ہے وہ سب وہ ہیں جن میں پابندی ہے۔ آزاد کہیں نہیں چھوڑا۔ یہ نہیں کہا کہ نماز جب چاہے پڑھ لو، بلکہ پابندی لگائی کہ فلاں فلاں وقت پڑھو۔ یہ نہیں کہا کہ جتنی رکعتیں چاہے پڑھ لو بلکہ اتنی رکعتیں فجر میں، اتنی ظہر میں، پابندی لگا دی زیادہ پڑھو گے تو گناہ گار اور کم پڑھو گے تو گناہ گار، بس اس پابندی سے نفس بھاگتا ہے۔ اسی لئے دین کا نام تکلیف ہے یہ تکلیف پڑگئی اور اسی لئے عبد کا نام مکلّف ہے کہ وہ تکلیف دیا گیا ہے۔ لیکن یہ تکلیف اور یہ مجاہدات اللہ والوں کے لئے باعث راحت ہو جاتے ہیں۔ اب یہ عجیب بات ہے کہ جو چیز مشقت کا سبب تھی وہ اللہ والوں کے لئے راحت کا سبب کیسے ہوگئی؟ حکیم الامتؒ اس کا عجیب جواب دیتے ہیں کہ دین پر چلنے سے جو تکلیف ہوتی ہے اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ احکام شرعیہ واقعی میں دشوار ہیں، یہ بات نہیں ہے یا طاقت سے باہر ہیں یہ بھی نہیں ہے احکام دینیہ جتنے بھی ہیں طاقت کے اندر ہیں۔ اگر نماز آپ کھڑے ہوکر نہیں پڑھ سکتے بیٹھ کر پڑھ لیجئے بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتے لیٹ کر پڑھ لیجئے لیٹ کر نہیں پڑھ سکتے اشارے سے پڑھ لیجئے۔ اتنی تو آسانی ہے تو احکام دینیہ جتنے بھی ہیں وہ حقیقت میں دشوار نہیں ہیں اگر یہ حقیقت میں دشوار ہوتے تو یہ جو اہل اللہ اور خواص ہوتے ہیں ان کے لئے آسان کیسے ہو جاتے؟ جو چیز دشوار ہے وہ تو سب کے لئے دشوار ہے، بھئی اتنا بڑا پتھر اٹھا لو بہت دشوار ہے۔ بڑے سے بڑے اہل اللہ ہیں ان کے لئے بھی دشوار ہے۔ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ جو چیز حقیقت میں عام آدمی کو مشکل ہو وہ اہل اللہ کو آسان ہو جائے؟ ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا۔ حقیقی دشواری تو سب کو ہوگی مگر ہم دیکھتے ہیں کہ خواص کے لئے دین پر چلنا ذرا بھی دشوار نہیں۔ جو اہل اللہ ہیں آپ ان کو دیکھیں کہ دین کی کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو وہ چھوڑ دیں۔ کیا مجال کہ چھوٹی سی چیز بھی جو وہ چھوڑ دیں۔ کوئی چھوٹا سا مستحب جو وہ چھوڑ دیں اشراق نہیں چھوڑتے چاشت نہیں چھوڑتے اوابین نہیں چھوڑتے فرض نماز

کی تو بات ہی الگ ہے، بس معلوم ہوا کہ دین فی نفسہ دشوار نہیں بلکہ ایک عارض کی وجہ سے دشوار ہے۔وہ عارض یہ ہے کہ عوام کے نفوس پابندی کے عادی نہیں اور یہ اللہ والے پابندی کے عادی ہیں۔بس یہ فرق ہے۔اگر تم اپنے کو پابندی کا عادی بنالو تو تمہارے لئے بھی دین آسان ہوجائے گا۔بس یہ اتنا سا فرق ہے۔دین حقیقت میں مشکل نہیں ہے لیکن عام طور سے لوگ پابندی کو پسند نہیں کرتے پابندی کے عادی نہیں ہوتے۔پس پتہ چلا کہ دین پر چلنا حقیقتاً دشوار نہیں۔آپ یہ جو کہہ رہے ہیں کہ دین دشوار ہے تو خبردار ذرا سنبھل جایئے اپنے ایمان کی خیر منایئے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ اَلدِّیْنُ یُسْرٌ، یعنی دین آسان ہے۔اس لئے دین کو مشکل سمجھنا ایمان کو خطرہ میں ڈالنے والی بات ہے۔پابندی کی عادت نہ ہونے کی وجہ سے ہم آزاد ہوگئے ہیں بچپن سے ہماری طبیعت فراخ کردی جاتی ہے آزاد کردیا جاتا ہے، ہاں بیٹا یہ لے لو، اس کو بھی توڑ لو، اُس کو بھی توڑ لو، یہاں دیوار پر بھی نشان لگادو، اس قیمتی چیز سے بھی کھیل لو۔خوب بچے کو آزاد کررہے ہیں۔اب یہ بچہ آزاد ہے، اب اس بچے کو دین بھاری ہے آپ تجربہ کرکے دیکھئے، اور جس بچے کو بچپن سے آپ نے پابند بنایا ہے اس کے لئے دین پر عمل کرنا آسان ہے۔آپ تجربہ کرلیجئے دینی ماحول میں بچے کو آزادی سے بچالیجئے۔بچپن سے سکھایئے کہ دیکھو بیٹا یہ کام تمہارے کرنے کے ہیں اور یہ کام کرنے کے نہیں ہیں۔یہ چیزیں کھیلنے کی ہیں، یہ چیزیں کھیلنے کی نہیں ہیں۔اچھی باتیں کرو اور بری باتیں نہ کرو۔اس طرح بچپن سے اسے سمجھ میں آجائے گا کہ وہ پابند ہے۔جب پابند ہوجائے گا، پابندی کا عادی ہوگا تو بچے کے لئے دین پر عمل آسان ہوجائے گا۔آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض بچے صبح کی نماز میں موجود ظہر کی نماز میں موجود، کلام پاک پڑھ رہے ہیں، ایک ہمارے دوست کا بچہ حافظ ہے بعض اوقات بیس پارے ایک روز میں سناتا ہے! وجہ یہ ہے کہ اس کو بچپن سے پابندی

میں رکھا گیا ہے اب آج کسی بچے کو کہئے کہ دس منٹ چپ چاپ بیٹھ جاؤ تو نہیں بیٹھ سکتا۔ہم نے اس کو آزاد بنادیا ہے۔بعد میں ماں باپ روتے ہیں بچہ کہنا نہیں مانتا۔ ارے بھئی آزاد تو آپ نے بنایا ہے۔جس وقت وہ چھوٹا سا تھا آپ کی گود میں تھا آپ نے کیوں آزاد بنایا اسوقت کیوں آپ نے آزادی دی جو چاہے کرو جدھر چاہے ہاتھ مارو، جس چیز کو چاہے توڑو، جو منہ میں آئے بولو۔ایک جدید گمراہ کُن فلسفہ ہے کہ بچے کو ٹوکو مت۔بچے کو ٹوکے بغیر اس کی تربیت کیسے ہوگی؟

فرماتے ہیں حکیم الامتؒ کہ جب تک آپ آزادی کے عادی ہیں اسوقت تک دین بھاری ہے اور جب پابندی کے عادی ہوں گے اسوقت آپ خود کہیں گے کہ دین پر چلنا تو بہت آسان ہے اور آپ کیا کہیں گے سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بہت واضح فرماگئے ہیں اَلدِّیْنُ یُسْرٌ، اَلدِّیْنُ یُسْرٌ، قیامت تک کے لئے دین آسان ہے اور آسان رہے گا۔اس کو کوئی مشکل نہیں کہہ سکتا لیکن اگر ہماری طبیعت میں آزادی ہے، ہم آزادی پسند کرتے ہیں تو بے شک دین ہمارے لئے مشکل ہے۔اور پھر فرماتے ہیں حکیم الامتؒ کو پابندی کا اگر آپ نے اپنے کو عادی بنالیا تو انہی احکام شرعیہ میں آپ کو لذت آنے لگے گی اسوقت تو آپ پابندی کے ایسے عادی ہوں گے کہ آزادی کے نام سے نفرت ہونے لگے گی۔چنانچہ اہل اللہ کو کہیں کہ آزاد ہوجاؤ، وہ نفرت کریں گے، لاحول ولاقوۃ۔جیسے بچے کو روٹی کا مزہ لگنے کے بعد ماں کے دودھ سے نفرت ہوجاتی ہے۔بچے سے کہو کہ بیٹا دودھ ماں کا چھوڑ دے، نہیں چھوڑنا چاہتا، اب چھڑانے کے بعد روٹی کی عادت پڑ گئی اب اس سے کہو کہ روٹی چھوڑو اور پیو ماں کا دودھ تو کبھی بھی نہیں پیئے گا، اسے نفرت ہوجاتی ہے۔اسی طرح سے جب ہم پابندی کے عادی ہوجاتے ہیں تو پھر آزادی سے نفرت ہوجاتی ہے۔اس لئے اپنے نفس کو مجاہدات کا عادی بنانا چاہئے، آزادی کا عادی نہیں بنانا چاہئے۔

قرآن کہہ رہا ہے ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ تم اپنے کو مقید

تو کرو اپنے کو مجاہدات کا عادی تو بناؤ۔ فرماتے ہیں حکیم الامتؒ کہ تقیید، پابندی اور مجاہدات کے ذریعے نفس کو پابند کرلینا، آزادی سے نکال لینا، یہ ہزاروں لذتوں کا سبب ہے۔ اہل اللہ سے جا کے پوچھو۔ پوچھو تو سہی جا کے ان سے۔ اور یہی حاصل ہے مجاہدے کا۔ تو سارے دین کا خلاصہ مجاہدہ ہوا کوئی دین کا حکم ایسا نہیں ہے جو مجاہدے کے بغیر ہو مجاہدہ ضروری ہے۔ ﴿وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا﴾ میں مجاہدہ کی ترغیب ہے اور بہت بڑا وعدہ ہے کہ بس تمہارے لئے ہدایت کے رستے کھول دیں گے۔ اب آپ دیکھ لیجئے کہ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ بس بیٹھے ہوئے تسبیحیں پڑھ لیں گے اور محض اس سے ہمارے لئے ہدایت کے راستے کھل جائیں گے؟ اسکی کیا دلیل ہے آپ کے پاس؟ دلیلِ شرعی تو اس بات کی ہے کہ اگر تم کو ہدایت چاہیے تو تم مجاہدات کرو، مجاہدات کرو گے تو کھلیں گے راستے۔

کلام پاک میں ہے ﴿فَاَمَّا مَنْ طَغٰی وَ اٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰی﴾ کہ جس نے بغاوت کی یعنی نافرمانی کی (نافرمانی تو ہے ہی نفس کی موافقت) اور دنیا کو ترجیح دی تو ﴿فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰی﴾ جہنم میں اس کا گھر ہے۔ کتنی بڑی وعید ہے مجاہدات اور مخالفتِ نفس نہ کرنے پر۔ اور آگے مجاہدہ کا حکم بالکل صاف ہے۔ ﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ﴾ اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا ﴿وَنَهَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی﴾ اور جس نے اپنے نفس کو اپنی خواہش سے روکا، یعنی مخالفت کی یعنی مجاہدہ کیا، ﴿فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰی﴾ بس اس کا تو یقیناً جنت ہی ٹھکانہ ہے۔ دیکھئے جنت اور جہنم کا دارومدار اس کے اوپر ہے کہ بندہ مجاہدہ کرتا ہے یا نہیں۔ تو مجاہدہ کتنی اہم چیز ہوئی مگر ہمارا نفس مجاہدے سے بھاگتا ہے۔ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تیرا سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے بیچ میں ہے یعنی نفس۔ ہم اس کو دشمن سمجھتے ہیں اُس کو دشمن سمجھتے ہیں اور یہ دشمن تمہارا نفس تمہارے دونوں پہلوؤں کے درمیان بیٹھا ہوا ہے! یہی تو

سارے گناہ کراتا ہے۔ آپ اندازہ کیجئے آپ نے جتنے گناہ زندگی بھر کئے ہیں، ہر شخص نے کئے ہیں۔ کُلُّکُمْ خَطَّاؤن تم سب خطا کار ہو بہتر وہ ہے جو گناہ کرکے توبہ کرلے۔ اتنے گناہ جو ہم نے کئے ہیں یہ بتایئے کس نے کرائے ہیں؟ غور کیجئے، آپ کو کہنا پڑے کہ ہمارے نفس نے گناہ کرائے ہیں۔ اگر ہم اپنے نفس کی مخالفت کرتے تو کبھی گناہ نہ ہوتا۔ جب بھی گناہ ہوا ہے نفس کی مخالفت یا مجاہدہ نہ کرنے کی وجہ سے، ہوا۔ اگر مجاہدہ ہوتا تو کبھی بھی گناہ نہ ہوتے۔

اب ایک عبرت کا مضمون ہے یہ تو آپ سمجھ گئے کہ مجاہدہ بہت ضروری ہے یہ بھی آپ سمجھ گئے کہ مجاہدہ کسے کہتے ہیں؟ مخالفت نفس کو، جتنے بھی اعمال شرعیہ ہیں سب میں مخالفت نفس ہے اور سارے مجاہدات حقیقتاً باطنی ہیں قلب کے اندر مخالفت کرنی پڑتی ہے۔ جتنے تقاضے گناہ کے ہوتے ہیں سب سے پہلے قلب میں پیدا ہوتے ہیں یعنی سوچ میں ہوتے ہیں۔ نامحرم کو دیکھیں، غیبت کریں تو تقاضا تو قلب میں پیدا ہوا آپ کو قلب میں مخالفت کرنی ہے نفس کی۔ ہمارے بزرگوں کا طریقہ یہ ہے کہ معمولات کا اپنے آپ کو پابند کیا ہوا ہے اور جو ان سے اصلاح طلب کرتا ہے ان کو بھی معمولات کا پابند کرتے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی حال ہے۔ معمولات کا اپنے وقت پر بجالانا یہ خود مجاہدہ ہے، یہ اسی لئے ہے کہ نفس پابند ہوجائے، کسی وقت آزاد نہ ہو، مجاہدہ اسی میں ہے کہ معمول کو اپنے وقت پر کیا جائے اپنی مرضی پر نہ چھوڑا جائے، کبھی صبح کرلیا کبھی شام کرلیا، بلکہ جو وقت مقرر ہے اسی وقت پر کیا جائے، ہاں کبھی مجبوری میں ایسا ہو وہ اور بات ہے۔ تو حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ مجاہدات چھوڑ دیئے جائیں تو کیا حالت انسان کی ہوجاتی ہے، ذرا غور فرمایئے یہ بڑا عبرت کا مضمون ہے، فرمایا کہ حالت یہ ہوجاتی ہے کہ طاعت سے دل گھبرانے لگتا ہے۔ آپ تجربہ کرکے دیکھ لیجئے جہاں مجاہدات چھوڑیں گے اللہ تعالیٰ کی طاعت سے گھبراہٹ ہونے لگے گی، کسی کا دل گھبراتا ہو مسجد میں بیٹھنے سے نمازیں

پڑھنے سے دین کی باتیں سننے سے کسی بھی ایسی مجلس میں جانے سے یا کسی بھی دین کے کام کو کرنے سے دل گھبراتا ہے یقین کیجئے کہ مجاہدات چھوڑ چکا ہے اگر پہلے کرتا تھا اور اب چھوڑ دیا تو اب یہ حالت ہو جائے گی۔ تو مجاہدے پر ہی سارا دارومدار ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ طاعت میں دل لگنے لگے تو اپنے نفس کو مجاہدات کا عادی بنائیے۔ جس وقت آپ کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوگا کہ میں مجاہدہ کروں گا انشاءاللہ اسی وقت بات آسان ہو جائے گی آپ آزما کے دیکھیں۔ فرماتے ہیں کہ حالت یہ ہوتی ہے کہ طاعت سے دل گھبرانے لگتا ہے حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے سے وحشت سی ہوتی ہے پھر حق تعالیٰ سے ابعاد و اعراض اور انقباض پیدا ہو جاتا ہے یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ چنانچہ جو لوگ آزاد ہیں جدھر چاہیں چلے جائیں جیسی چاہیں رقص و موسیقی اور تصاویر کشی کی پارٹیوں میں چلے جائیں دعوتوں میں چلے جائیں خوب گھومتے پھریں جدھر چاہیں بیٹھ جائیں عورتیں ہیں آزاد ہیں شریعت کہتی ہے گھر میں رہو باہر نکل جاتی ہیں ان کا یہی حال ہے۔ رفتہ رفتہ یہ مرض اتنا بڑھتا ہے فرماتے ہیں حکیم الامتؒ کہ یہاں تک اس مرض میں ترقی ہوتی ہے کہ اس کے بعد شدہ شدہ حق تعالیٰ سے عداوت پیدا ہو جاتی ہے اور خدا کو اپنے سے اور اپنے کو خدا سے ناخوش پاتا ہے بس یہ سرحد ہے کفر کی۔ مجاہدہ کا نہ ہونا کفر کی سرحد ہے۔ نعوذ باللہ! یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا حکیم الامتؒ کہہ رہے ہیں۔ حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب فوائد الفوائد میں لکھا ہے کہ حجابات کے سات درجے ہیں۔ جب مجاہدہ نہیں ہوگا حجابات ہوں گے۔ حجابات کے سات درجے ہیں ان میں ایک درجہ اللہ تعالیٰ سے عداوت ہے، اولاً طبعی ہوتا ہے اور طبعی کے بعد پھر آخری درجہ کفر ہے۔ عداوت طبعی جس وقت عداوت عقلی میں بدل جاتی ہے کفر ہے۔ اور آزاد بناؤ اپنے آپ کو۔ دیکھئے عبرت کی بات ہے ہمارے لئے۔ حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ اختیاری اور ادنیٰ درجہ حجاب کا معمولات کا اختلال ہے۔ معمولات میں خلل آ گیا۔ یہ ادنیٰ درجہ حجاب کا

شروع ہو گیا۔ مجاہدہ چھوڑا، آپ نے کیا کیا! بہت سے معمولات بنا تو لئے بہت شوق سے اور پھر اس کے بعد خلل ڈال دیا کہ خدا کے ساتھ جو برتاؤ اور تعلق چلا آ رہا ہے اس میں کمی کر دی، یہ معمولات جسے ہم لوگ معمولی سمجھتے ہیں یہ معمولات ہی تو تعلق مع اللہ ہیں یہی تو ہمارا باغ ہے جس کو ہم لگائے بیٹھے ہیں اسی کو جلاتے ہو۔ فرمایا کہ یہ ادنیٰ حجاب ہے اس سے بڑھتے بڑھتے حجابات کثیرہ پیدا ہو جاتے ہیں اس لئے اس ادنیٰ سے بھی بچنا چاہئے۔ اسی واسطے حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، اے عبداللہ ایسے مت ہو جانا جیسے فلاں شخص ہے کہ اول تہجد کی نماز پڑھتا تھا پھر چھوڑ دی۔ اگر معمولات بنا لئے پھر اس کے بعد چھوڑ دیا تو دیکھئے یہ ادنیٰ درجہ حجاب کا ہے اور حجاب کے سات درجے ہیں اور آخری درجہ عداوت اللہ تعالیٰ سے ہے۔ یہ وہ وحشت ناک بات ہے جو میں نے ابھی کل ہی پڑھی مجھ پر بڑا اثر ہوا۔ دیکھو معمولات کو معمولی مت سمجھو ان کو بہت احتیاط کے ساتھ اپنے وقت کے اوپر کرو چاہے اس میں کچھ بھی مشقت ہو جائے۔ ہاں ضرر اگر پہنچ رہا ہے کسی وجہ سے مثلاً کوئی مصروف آدمی ہے اور کوئی ایسی چیز آ گئی مثلاً مہمانوں کی خاطر کرنی ہے تو بھی اپنے معمولات کو ختم نہ کرو، مہمانوں کی راحت کا بندوبست کر دو اگر وقت ہے ان سے اجازت لے لو کہ میں پندرہ منٹ میں حاضر ہوتا ہوں۔ ہمارے معمولات ہی کیا ہیں پندرہ منٹ بیس منٹ آدھا گھنٹہ، کر کے آ گئے، وقت کم ہے تو سو بار کی جگہ تینتیس بار کر دو گیارہ بار کر دو ناغہ نہ ہونے دو اور یہ تینتیس بار گیارہ بار کبھی کبھار کے لئے ہے یاد رکھو۔ جو معمول ہے اس پر قائم رہو۔ بغیر مجاہدے کے تو کچھ بھی نہیں ہے۔

صوفی نہ شود صافی تا در نہ کشد جامے
بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

صوفی کے صاف ہونے کے لئے ایک جام کی اور پختہ ہونے کے لئے بہت سفر کی ضرورت ہوتی ہے۔ دو باتیں ہیں، بہت مجاہدات کی ضرورت ہے تب جا کے پختگی آتی ہے لیکن اس

سے پہلے ایک جام پینا پڑتا ہے۔یعنی جام محبت۔صوفی جب تک جام محبت حق پی کر بہت سے مجاہدات نہ کرے ناقص ہی رہتا ہے۔اس شعر کا لفظی مطلب تو وہ ہے جو ابھی عرض کیا حکیم الامتؒ یوں لکھتے ہیں۔

آپ اللہ تعالیٰ کے عاشق بننا چاہتے ہیں آپ اللہ تعالیٰ کو پانا چاہتے ہیں آپ شریعت چاہتے ہیں آپ اللہ کو راضی کرنا چاہتے ہیں؟ طلب پیدا ہوئی تو آپ نے کسی شیخ سے تعلق قائم کیا، اس سے اصلاح لینی شروع کی، رفتہ رفتہ شیخ سے مناسبت ومحبت بڑھتی چلی گئی، مناسبت ومحبت پوری ہوگئی شیخ سے مناسبت کیا ہوئی، حقیقتاً یہ مناسبت شریعت سے ہوئی طریقت سے ہوئی دین سے ہوئی اللہ تعالیٰ سے ہوئی کیونکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی باتیں بتانے والا ہے، شیخ کچھ بھی نہیں ہے۔وہ شیخ ہی نہیں ڈاکو ہے جو اللہ تعالیٰ کی باتیں نہ بتائے جو شریعت کی باتیں نہ بتائے۔اس وقت طالب یہ وعدہ کرتا ہے کہ اپنی رائے کو فنا کردونگا، میں اپنی رائے سے کوئی کام نہیں کروں گا میں تم سے پوچھ کے کروں گا یہ وعدہ ہے اور ایک یہ وعدہ ہے کہ میں اپنی جان اور اپنے مال کو شیخ کے سپرد کرتا ہوں آپ جو چاہیں تصرف میری جان ومال میں کریں آپ میری مگر للہ اصلاح فرمادیں آپ میرے اس قلب کی خراب حالت کو دور فرمادیجئے اس قلب کے خناس کو دور فرمادیجئے، میرے اندر رذائل ہیں میرے اندر عجب ہے میرے اندر حُبّ جاہ ہے میرے اندر حب مال ہے میرے اندر یہ سب برائیاں ہیں آپ للہ ان کو دور فرمادیجئے۔جس وقت شیخ سے یہ وعدہ کیا اسوقت کیا ہوتا ہے؟ اس وقت وہ توبہ کرتا ہے اور ہمیشہ شریعت کے اوپر عمل کرنے کا وعدہ کرتا ہے اور شیخ یہ وعدہ کرتا ہے کہ ہاں تم پوچھوگے تو میں ضرور بتاؤں گا تمہیں۔وہ ایک وقت خاص ہوتا ہے حق تعالیٰ کے فضل کا۔محض اللہ کے لئے یہ بھی بیٹھا ہوا ہوتا ہے محض اللہ کے لئے شیخ بھی بیٹھا ہوا ہوتا ہے اپنی غرض کسی کی نہیں ہوتی۔دیکھیے سورہ یٰسں شریف میں ہے ﴿اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾، دو شرطیں بتائیں عجیب بات ہے

اور یہی خصوصیات شیخ کی ہیں کہ وہ تم سے اجر نہیں چاہتے اس ہدایت کا۔یہ جو تم کو راستہ بتارہے ہیں اس کا کوئی بدلہ نہیں چاہتے پیسہ نہیں چاہتے مال نہیں چاہتے۔کچھ نہیں چاہتے۔اور وہ مُهْتَدُوْنَ ہیں ہدایت یافتہ ہیں۔وہ تو مجاہدات کرکے اپنے نفس کو پابند کئے ہوئے لوگوں میں سے ہیں۔مجاہدے کے بغیر نہیں بنتا مُهْتَدُوْنَ۔اور فرمایا وہ اجر نہیں لیتے۔یہاں اس تعلیم وتلقین کا کوئی بدلہ شیخ طلب نہیں کرتا، محض اللہ کرتا ہے، پھر دونوں شیخ ومرید محض للہ بیٹھے اور انہوں نے وعدہ کیا، اس وقت اندازہ کریں کیا حق تعالیٰ کا فضل نہیں ہوگا وہاں پر؟ اللہ کے لئے اور صرف اللہ کے لئے بیٹھے ہیں۔چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے پھر چاہے کوئی سنسناہٹ ہو یا نہ ہو کوئی کیفیت ہو یا نہ ہو لیکن حق تعالیٰ نسبت باطنی کو یعنی اپنے تعلق خاص کو اپنے فضل سے طالب کے دل کے اندر القاء کردیتے ہیں۔دونوں اللہ کے لئے بیٹھے ہوئے ہیں۔شیخ توبہ کی اور شریعت پر عمل کی تلقین کررہا ہے مرید تمام گناہوں سے صدق دل سے توبہ اور شریعت کے مطابق زندگی گزارنے کا وعدہ اور عہد کررہا ہے۔یہ وہ جام ہے جس جام کا تذکرہ ہے۔اب جام محبت پی لیا، اب کرو مجاہدہ، اب مجاہدہ کا وقت شروع ہوگیا جام تو پی لیا آپ نے، نسبت باطنی القاء کردی گئی کیونکہ تم اخلاص سے آئے تھے تم نے اخلاص سے وعدہ کیا تھا اب طالب کا کام ہے مجاہدات کرنا۔

اب ان لوگوں کے لئے جو کام میں لگے ہوئے ہیں کہ فرماتے ہیں حکیم الامتؒ اپنی حالت پر کبھی اعتماد نہ کریں، آپ بہت دنوں سے مجاہدات کررہے ہیں شیخ سے تعلق بھی قائم کیا ہوا ہے ممکن ہے آپ کو درجات بھی مل گئے لیکن کیا آپ خوش ہوگئے؟ آپ نے اعتماد کرکے مجاہدات چھوڑ دیئے۔معمولات میں خلل آیا چنانچہ وہی حال ہوگیا جو ابھی عرض کیا گیا کہ حجابات قائم ہونا شروع ہوگئے اور نتیجہ کہاں تک پہنچے گا؟ حکیم الامتؒ نے ایک مثال دی کہ کسی نے پھول کا ایک درخت لگایا اسے خوب پانی دیا اور بڑھ گیا اور اس پر کثرت سے پھول بھی

کرو گے بار بار کرو گے تو یقیناً تمہارے دل کے کسی کونے میں اس کے گناہ ہونے کا احساس ختم ہو جائے گا تو بتایئے جب حالت یہ ہوئی تو ایمان رہا باقی؟ ایمان کہاں رہا۔ بلکہ اس کو ضروری سمجھ لیا ہے کہ صاحب اتنی چیزوں کی لسٹ میں کہاں سنبھالتا پھروں گا بیوی کو لے جاؤ بیوی اسی کام کے لئے رہ گئی ہے دکانوں میں مردوں کے درمیان گھومے اور چیزیں اٹھا اٹھا کر لائے۔

اب بہشتی زیور سے بھی سن لیجئے، بہشتی زیور وہ کتاب ہے کہ کوئی ایک بات بھی اس کی غلط نہیں، حالانکہ اس کے دشمن تو بہت ہیں کئی لوگوں نے کوشش کی کہ اس کتاب کو بلا دلیل بدنام کریں، کوئی عالم ایسا نہیں ہوا ہے جو واقعی علماء حق میں سے ہو اور تقویٰ اس میں ہو اور وہ بہشتی زیور کی کسی بات کو غلط بتاتا ہو۔ حکیم الامتؒ نے خود ہی ایسے علماء کی خدمت حاصل کی کہ کوئی بات اس کتاب میں کہیں غلط ہو تو اس کو ڈھونڈ کر نکالیں اور یہ سو سال سے اردو زبان کی سب سے مقبول اور سب سے زیادہ چھپنے والی دینی کتاب ہے۔ کوئی بات اس میں غلط نہیں ہے، اردو زبان میں قرآن وحدیث کی اتنی مستند کتاب کوئی اور نہیں ہے مگر حق کڑوا ہوتا ہے۔ لباس اور پردے کے بیان میں حکیم الامتؒ فرماتے ہیں، عورت کو سارا بدن سر سے لیکر پیر تک چھپائے رکھنے کا حکم ہے غیر محرم کے سامنے کچھ کھولنے کا حکم نہیں البتہ بوڑھی عورت کو صرف منہ اور ہتھیلی اور ٹخنے سے نیچے پیر کھولنا درست ہے باقی اور بدن کا کھولنا کسی طرح بھی درست نہیں۔ ماتھے پر سے اکثر دوپٹہ سرک جاتا ہے اور اسی طرح سے غیر محرم کے سامنے آجاتی ہیں یہ جائز نہیں۔ غیر محرم کے سامنے ایک بال بھی نہ کھولنا چاہئے بلکہ جو بال کنگھی میں ٹوٹتے ہیں اور کٹے ہوئے ناخن بھی کسی ایسی جگہ ڈالیں کہ کسی غیر محرم کی نگاہ نہ پڑے نہیں تو گناہ گار ہوگی۔ اور جوان عورت کو غیر محرم کے سامنے اپنا منہ کھولنا درست نہیں نہ وہ ایسی جگہ کھڑی ہو جہاں کوئی دوسرا دیکھ سکے۔ اس سے سمجھ لیجئے، اسی سے معلوم ہو گیا کہ نئی دلہن کا جو منہ دکھائی کا دستور ہے کہ کنبے کے سارے مرد آ کر منہ

دیکھتے ہیں یہ ہرگز جائز نہیں بڑا گناہ ہے۔ یہ بے حیائی کی بات ہے اپنی بیوی کو سب نامحرموں کے سامنے کر دیا۔ اور جس طرح خود مردوں کے سامنے آنا اور پردہ کھولنا درست نہیں اسی طرح تانک جھانک کے مردوں کو بھی دیکھنا درست نہیں۔ عورتیں یوں سمجھتی ہیں کہ مرد ہم کو نہ دیکھیں ہم ان کو دیکھ لیں تو کچھ حرج نہیں، یہ بالکل غلط ہے۔ کواڑ کی راہ یا کوٹھے پر سے مردوں کو دیکھنا، دولہا کے سامنے آجانا یا کسی طرح سے دولہا کو دیکھنا یہ سب ناجائز ہے۔ جب بڑھیا تک کو یہ اجازت نہیں کہ جوان دولہا کو دیکھتی پھریں تو جوانوں کو کیسے اجازت ہو سکتی ہے اور اپنے پیر کے سامنے آنا ایسا ہی ہے جیسے کسی غیر محرم کے سامنے آنا، یہ بھی جائز نہیں۔ اسی طرح سے لے پالک لڑکا یہ بالکل غیر ہوتا ہے لڑکا بنانے سے لڑکا نہیں بن جاتا سب کو اس سے وہی برتاؤ کرنا چاہئے جو غیروں کے ساتھ ہوتا ہے۔ جیسے ہی وہ لڑکا ایسی عمر میں آئے یعنی بارہ سال تیرہ سال کہ سمجھنے لگ جائے، یہ نہیں حکم کہ وہ بالغ ہوا کہ نہیں ہوا، جہاں بچے کی ایسی عقل ہو گئی کہ وہ ان باتوں کو سمجھنے لگ گیا ہے بس اب اس سے پردہ کرو چاہے آپ کا بیٹا بنایا ہوا ہے چاہے آپ اسکی چچی یا ممانی ہوں، نامحرم ہیں۔ اسی طرح جو آپ کے نامحرم رشتہ دار ہیں دیور جیٹھ بہنوئی نندوئی چچازاد پھوپھی زاد ماموں زاد بھائی وغیرہ یہ سب غیر ہیں ان سب سے گہرا پردہ ہونا چاہئے۔ ہیجڑے خوجے اندھے کے سامنے آنا بھی جائز نہیں۔ اور اگر کسی شخص نے ان میں سے کسی سے پردے کی بات کو معیوب سمجھا تو ایمان ختم ہو گیا کافر ہو گیا وہ۔ اس میں سب متفق علیہ ہیں اور ہم لوگ اسی میں بہت چھوٹ دیئے چلے جا رہے ہیں۔

اس سلسلے میں ایک مضمون کتاب ''تحفۂ خواتین'' میں ہے کہ کلام پاک کی آیت ہے کہ ''اے نبی کی بیویو!'' یہاں حکم تو نبی کی بیویوں سے شروع ہوا ہے لیکن تمام علماء متفق ہیں کہ سب عورتوں کے لئے ہے۔ تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو پس اگر تم تقویٰ اختیار کرو اور نامحرم سے بولنے میں جبکہ ضرورتاً بولنا پڑے، نزاکت مت کرو۔

لگنے لگے اور اب یہ سمجھ کر پانی دینا چھوڑ دیا کہ اب تو یہ مکمل ہو گیا مگر اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پہلے تو پھول جھڑ جائیں گے پھر پھول لگنا بھی بند ہو جائیں گے اور اس کے بعد درخت مرجھا کر خشک ہو جائے گا۔ ہاں منتہی اور مبتدی کے مجاہدات میں فرق ہوتا ہے منتہی کی شان عوام الناس کی سی ہو جاتی ہے اس کی عبادت بھی ایسی ہوتی ہے کہ دوسرا ادراک نہیں کر سکتا۔ نہ وہ نفلیں بہت پڑھتا ہے نہ تلاوت بہت کرتا ہے بلکہ وہ خدمت خلق اللہ میں مشغول رہتا ہے اس کو دیکھ کر بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کو وعظ و تقریر میں خوب مزہ آتا ہے خوب حظ نفس ہوتا ہے حالانکہ وہ جو کچھ کر رہا ہے محض خدمت کے خیال سے کر رہا ہے اس میں اسے کچھ نفسانی مزہ نہیں ہوتا بلکہ وہ زبان سے تو بات چیت کر رہا ہے اور دل منقبض ہو رہا ہے مگر دوسرے کی مصلحت کے واسطے سب کچھ برداشت کر رہا ہے۔ کلام پاک کی ایک آیت سے اس کیفیت کا پتہ چلتا ہے ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾ اپنے نفس کو ضبط کرو ان لوگوں کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کو صبح و شام پکارتے ہیں ایسے لوگ جو تمہارے احباب میں ہیں جو خلوص والے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں حالانکہ تم چاہتے ہو خود بیٹھ کر ذکر کرو حالانکہ تم چاہتے ہو کہ تم براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہو۔ مگر نہیں ان کے ساتھ بیٹھنے کا حکم ہے، یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ اپنے نفس کو ضبط کر کے گھونٹ کر کے بیٹھیں۔ پس پتہ چل گیا کہ حق تعالیٰ نے یہاں صبر کا لفظ جو فرمایا ہے اور صبر کے معنی ہی یہی ہیں، مجاہدہ صبر میں بھی ہے کہ نفس کو ایسی حالت کا پابند کرنا جو اس کو ناگوار ہو یہی مجاہدہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجمع سے گھبراتے تھے مگر لوگوں کی مصلحت کے لئے مجمع میں بیٹھتے تھے۔ ہمارا مجاہدہ یہ ہے کہ ہم مجمع کو چھوڑیں کیونکہ ہمارا مجمع میں دل لگتا ہے، ہمارا اختلاط میں دل لگتا ہے ہم تو بیٹھے باتیں بناتے ہیں لوگوں کی نقلیں اڑاتے ہیں مزاح

کرتے ہیں تا کہ لوگوں میں مقبولیت ہو، واہ واہ ہو۔ ڈرنا چاہئے، صاحبو! ہمیں تو دوستوں میں بیٹھ کر مزہ آتا ہے مگر اہل اللہ کو پریشانی ہوتی ہے کیونکہ ان کی نظر تو اور ہی طرف ہے وہ تو ہر وقت اپنے محبوب کے وصال کے متمنی رہتے ہیں ان کو یہ گوارا نہیں کہ وہ اپنے رب کو چھوڑ کر لوگوں کے ساتھ بیٹھیں لیکن حکم یہی ہے کہ بیٹھو! ان اہل اللہ کو تو خود اپنا نفس حجاب معلوم ہوتا ہے تو دوست احباب کیوں نہ موجب پریشانی ہوں۔ ارے صاحب اپنا نفس بھی موجب پریشانی ہے۔ آنکھیں بند کر لیتے ہیں شرم آتی ہے کہ میری آنکھ اٹھے، لوگ ان کو تعظیم و تکریم کی شان میں دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ بڑے چین میں ہیں مگر کوئی ان کے دل سے پوچھے کہ ان پر کیا گزرتی ہے۔

تمہارے پاؤں میں کانٹا بھی تو نہیں لگا تم ان لوگوں کی حالت کو کیا سمجھ سکتے ہو جن کے سروں پر بلا اور مصیبت کی تلوار چل رہی ہے۔ کسی کو کیا خبر ہے وہ ان مصائب کو یعنی مخلوق کے ساتھ ہی مخالفت نفس کو برداشت کر رہے ہیں۔ یہ حال ہوتا ہے جناب! ہمیں تو بڑا مزہ آتا ہے گپ لگانے میں، انہیں بے حد انقباض ہوتا ہے دوستوں سے اور وہ اسقدر پریشان ہوتے ہیں کہ آپ کو اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا مگر باوجود اسکے وہ ظاہر میں اس شخص سے بولتے بھی ہیں اور ہنستے بھی ہیں وہ اس لئے ہنستے ہیں کہ مخلوق ناامید نہ ہو جائے ان کی ہنسی لوگوں کی مصلحت سے ہوتی ہے، تو صاحبو! ان کی عبادت اس طرح کی ہوتی ہے کہ لوگ اسے لذت اور حظ نفس سمجھتے ہیں حالانکہ حقیقت میں وہ مجاہدات ہیں۔ یہ منتہی کے مجاہدات ہیں، مجاہدات سے چھٹکارا کبھی نہیں ہوگا چاہے منتہی ہو چاہے مبتدی ہو۔ چاہے شیخ ہو یا مرید۔ یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم سے زیادہ کبھی ہنسی نہیں فرمائی ہمیشہ غم میں اور دائماً فکر میں ہوتے تھے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ کی حکایت لکھی ہے کہ ان کے سامنے ایک جماعت بے فکروں کی گزری۔ لایعنی مزاح میں بس ہنستے

ہنساتے چلے جارہے تھے۔کیا غفلت تھی! بزرگ نے کہا کہ تم کو پل صراط پر چڑھنے کا تو معلوم ہے اترنے کی خبر نہیں۔جہنم پر سے گزرنا کیا ہے اس کی فکر ہے؟

حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ اپنی حالت کا جائزہ لو اور جائزہ لے کر مجاہدات میں لگو۔جس قدر مجاہدات کیئے جائیں اسی قدر نفس کے اندر صلاحیتیں بڑھتی جائیں گی اور اتنی ہی اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اطاعت کا جذبہ بڑھتا جائے گا پھر رفتہ رفتہ عادت پڑ جاتی ہے اس میں لذت آنے لگتی ہے اور اگر مجاہدات چھوڑ دیئے تو کبھی ایسا نہ ہونے پائے گا کہ احکام میں لذت آئے تو یہ بہت ہی ضروری بات ہے کہ کبھی ایسا نہ کریں کہ معمولات بلاعذر چھوڑ دیں بس اس لئے کہ دل گھبراتا ہے، دل گھبرائے گا۔مجاہدہ ہے کہ دل گھبراتا ہے مگر بیٹھے ہیں اور اصل مجاہدہ تو گناہ سے بچنا ہے نامحرموں کو نہ دیکھو غیبت نہ کرو غصہ نہ کرو خوش خلقی سے پیش آؤ اگر نہیں بن پڑتا کسی سے اپنا علاج کراؤ۔یہ امراض نفس ہیں بغیر علاج کے نہیں جا سکتے اور علاج کا حاصل یہی ہے کہ نفس کے خلاف کرو مگر خود رائی سے نہیں بلکہ اپنے شیخ سے پوچھ کر کرو۔دعا کریں اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

۸۔خواتین-ہمارے ایمان کا امتحان

خطبۂ ماثورہ

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾

(الآیۃ۔سورۃ الحشر آیت ۷)

اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم کو جو کچھ دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز کے لینے سے تم کو روک دیں، اور بالعموم الفاظ یہی حکم ہے افعال واحکام میں بھی کہ تم رک جایا کرو۔چنانچہ کتاب ''اسوۂ رسول اکرم'' میں عورتوں کے متعلق جو احکام ہیں اس کے بارے میں جو پہلی کلام پاک کی آیت نقل کی ہے وہ یہی ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ کسی مومن مرد اور مومن عورت کے لئے گنجائش نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام کا حکم دیں تو ان کو اس کام میں کوئی اختیار باقی رہے اور جو شخص اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا نہ مانے گا تو وہ صریحاً گمراہ ہو گیا۔اب ایک بات میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ عقائد ہم سب کے متزلزل ہو رہے ہیں مسلمان مردوں کے بھی مسلمان عورتوں کے بھی۔ہم سب کے عقائد خراب ہوتے چلے جارہے ہیں عقائد کا حال یہ ہے کہ گناہ کو حلال کی حد تک سمجھتے ہیں اور گناہ کو حلال سمجھنے میں آپ کو پتہ ہے کہ بہشتی زیور میں مسئلہ دیا ہوا ہے، یہ مسئلہ صرف بہشتی زیور کا نہیں بلکہ تمام علماء کے نزدیک متفق علیہ بات ہے، اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ گناہ کو حلال سمجھنے سے ایمان جاتا رہتا ہے۔چاہے ہمارا نام محمد اور عبداللہ اور مسلمان خاندان کے ہوں لیکن اگر ہم نے گناہ کو حلال سمجھا ہوا ہے تو ہمارا ایمان نہیں رہا۔ایک خط آیا ہے کسی کا، اس نے مجھ سے پوچھا موسیقی کے بارے میں کہ موسیقی قرآن کی کس آیت سے حرام ہے وہ آیت بتایئے، ایک دو سوال اور بھی پہلے ایسے ہی کیئے تھے۔میں عرض کر دیا لکھ دیا اس خط کے جواب میں کہ سردار دو عالم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

نرمی سے بہت اچھی آواز بنا کر نامحرم سے بولنا جائز نہیں ہے۔ میں آپ کو بالیقین کہتا ہوں کہ ضرور ہمارے نفس بہت گندے ہیں کوئی دعویٰ کرسکتا ہے نفس کی پاکی کا؟ یہ ممکن نہیں ہے کہ نرمی سے کوئی ٹیلیفون پر بات کرے اور دوسرے شخص کے جو نامحرم ہے دل میں کوئی فتور نہیں ہو برے خیالات پیدا نہ ہوں، یہ ممکن نہیں ہے۔ اسی لئے ہمارے ایک بزرگ کا دستور تھا کہ گھر میں کوئی فون آتا اگر گھر میں کوئی مرد نہیں ہے عورت ہی کو فون اٹھانا ہوتا تو وہ اٹھا کر صرف ریسیور لگا لیتیں کان سے۔ پھر جب دوسری طرف سے آواز آتی تو وہ سمجھ جاتیں کہ مرد ہے یا عورت ہے، اتنی احتیاط کرتیں۔ پھر فون کرنے والا اگر نامحرم مرد ہوتا تو فون رکھ دیتیں تھیں بات نہیں کرتی تھیں۔ اللہ سے تعلق اگر چاہئے تو احتیاط کرنی پڑے گی یہ نہ سمجھو کہ ساری دنیا جدھر جارہی ہے وہ حق کا راستہ ہے۔ ہر گھر میں اگر ٹی وی ہے تو کیا ٹی وی جائز ہوجائے گا؟ ہر گھر میں نامحرم کا پردہ نہیں ہے تو کیا نامحرم سے پردہ کے بارے میں قرآن کی آیت وغیرہ باطل ہوجائیں گی؟ حکم تو وہی رہے گا۔ نامحرم سے نرمی سے بات کی تو اُس نامحرم کو میلان قلبی ہوجائے گا جس کے دل میں روگ ہو۔ قرآن یہ کہہ رہا ہے۔ روگ کس کے دل میں نہیں ہے؟ کتنوں کے قلب کی اصلاح ہوچکی ہے؟ تم قاعدے کے موافق بات کرو جیسے پاکباز عورتیں کرتی ہیں اور اپنے گھر میں رہو۔ دیکھئے قرآن کی آیت ہے ﴿وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ﴾ تم اپنے گھروں میں قرار پکڑے بیٹھی رہو، اور زمانہ قدیم کے جہالت کے دستور کے موافق مت پھرو اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی فرمانبرداری کرو۔ یہ حکم فرمایا کہ اپنے گھروں میں رہو، اس سے معلوم ہوا کہ عورت کے لئے شب و روز گزارنے کی اصل جگہ ان کے اپنے گھر میں ہے شرعاً جن ضرورتوں کے لئے گھر سے نکلنا جائز ہے پردے کے خوب اہتمام کے ساتھ بقدر ضرورت نکل سکتی ہیں۔ یہاں بعض لوگ اعتراض اٹھاتے ہیں کہ آیت بالا میں امہات المؤمنینؓ کو خطاب ہے پھر آپ دوسری مسلمان عورتوں پر اس قانون کو کیوں

لاگو کرتے ہیں؟ یہ لچر سوال شریعت کا بھرپور علم نہ ہونے کے باعث اٹھایا جاتا ہے اگر قرآن کے مزاج سے یہ لوگ واقف ہوتے اور اس کو جان لیتے کہ قرآن کا خطاب خاص اور مورد عام ہوا کرتا ہے تو ایسا سوال نہ کرتے۔ کلام پاک تو تمام احکام سے بھرا ہوا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے لیکن پوری امت کے لئے ہے، تو پھر سارے ہی احکام نکال دو۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، خلفائے راشدینؓ، ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ یہی کہتے آئے ہیں کہ گو ان آیات میں ازواج مطہراتؓ کو مخاطب کیا گیا ہے لیکن یہ احکام تمام عورتوں کے لئے عام ہیں۔ اجماع امت اور احادیث نبویہ سے یہ امر ثابت شدہ ہے کہ ان آیات کا حکم امت کی تمام ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کے لئے عام ہے۔ بس تو سمجھ لیجئے کہ ہم میں جو یہ غلطی پیدا ہوگئی ہے کہ ہم نے یہ سمجھا ہوا ہے کہ بلا ضرورت شرعی گھر سے باہر نکلنا ہمارا جائز ہے، یاد رکھو جائز نہیں ہے، اگر کبھی نکلنا پڑے استغفار کرتے ہوئے جائیں استغفار کرتے ہوئے واپس آئیں تو بڑا استغفار کریں، کم سے کم درجہ یہ ہے کہ گناہ کو حلال نہ سمجھیں۔ یہ تو آپ کی مرضی ہے جو چاہیں کریں۔ آپکی عاقبت آپ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن اس کو گناہ تو سمجھو، اس کو تم نے سمجھا ہوا ہے حلال۔ کچھ خوف کرو! ایمان چلا جائے گا ایمان ختم ہوجائے گا۔ یہ غلطی عام ہورہی ہے حتیٰ کہ اب یہ ہورہا ہے بعض جگہ یونیورسٹیوں میں برقعہ پوش لڑکیاں ہیں اور وہ بڑے کروفر سے یہ سمجھتی ہیں کہ ہم تو جائز کام کررہے ہیں۔ جائز کام کہاں کررہی ہیں آپ؟ یہ تو مردوں سے اختلاط ہے، تمہارا تو بہت زیادہ برا حال ہے۔ یونیورسٹیوں اور کالجوں میں لڑکیوں کا بھیجنا مخلوط تعلیم میں چاہے برقعے میں ہو کیا اس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پسند فرماتے؟ سوچئے۔ کسی عورت کو گھر سے نکلنا ہی جائز نہیں ہے۔ اس ضرورت کو شریعت تسلیم کرتی ہی نہیں ہے، شرعی ضرورت نہیں ہے یہ تعلیم۔ اور دوسرے یہ ہے کہ جب آپ جائیں گی یونیورسٹیوں میں، مخلوط تعلیم ہوگی، تو یقیناً مردوں کے اوپر نظر پڑے گی یقیناً مرد

فرمایا ہے کہ میں موسیقی کو مٹانے کے لئے بھیجا گیا ہوں اور ان کے فرمان مبارک سے موسیقی اور تصاویر بالکل حرام ہیں اب اس کے بعد اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ مجھے قرآن کی آیت پیش کرو جس سے یہ پتہ چلے کہ موسیقی حرام ہے، تصاویر حرام ہیں تو گویا کہ آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان مبارک سے تسلی نہیں ہوئی۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے خلاف مضمون بتاتے تھے؟ گویا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی بات قرآن کے مطابق نہیں ہے، ایسا شخص ملعون ہے کمبخت، اسلام سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے جب حضور اکرم صلی اللہ کا فرمان مبارک مستند اور معتبر حدیث صحیح میں موجود ہے تو پھر قرآن کی آیت تلاش کرنے کے کیا معنٰی؟ تم قرآن کو کیا سمجھو گے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اور کون کلام پاک کے مطابق احکام بتا سکتا ہے؟ بس ایسی باتوں سے بہت دور رہنا چاہئے۔ اور ہمارے بزرگوں کا طرز فکر تو یہ ہے کہ جب صحابہؓ متفق ہو کر ایک بات کہہ دیں تو اسکے بعد ہماری ہمت نہیں ہو سکتی کہ یہ کہیں کہ حدیث شریف لاؤ، کیونکہ حدیث شریف کو سمجھنے والے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بڑھ کر اور کون ہو سکتے تھے؟ اپنے ایمان کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

اس وقت حالت یہ ہے کہ ہم سب ہیں تو بظاہر دیندار کہ وضع قطع سب سنت کے مطابق ہے، بعض صوفی بھی ہیں بعض تسبیح والے بھی ہیں بعض تہجد والے بھی ہیں لیکن اپنے ایمان کی بھی تو خبر لو۔ دیکھئے عورتیں بھی یہاں صرف اس لئے آتی ہیں کہ وہ یہ چاہتی ہیں کہ ان کو ہدایت حاصل ہو جائے اسکے علاوہ کوئی وجہ نہیں ہے یہاں پر آکے بیان سننے کی۔ آپ سب اس نیت سے آتے ہیں کہ اللہ تعالٰی راضی ہو جائیں تو بات چاہے کڑوی ہو یا میٹھی ہو اگر اللہ تعالٰی کو راضی کرنا ہے اور اپنے ایمان کو سلامت رکھنا ہے تو بات ماننی پڑے گی۔

پہلے کتاب ''اسوۂ رسول اکرم'' سے پڑھ کے سنا دیتا ہوں پھر بعد میں بتاؤں گا کہ کیا عرض کرنا چاہتا ہوں اچھی طرح سے سمجھ لیں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے

مروی ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھیں اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالٰی عنہا بھی آپ کے پاس تھیں کہ حضرت عبداللہ ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ تعالٰی عنہ آ گئے۔ یہ صحابی مسجد نبوی میں تشریف لا رہے ہیں۔ یہ نابینا صحابی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنے کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔ آپ سے میں پوچھتا ہوں عورتیں بھی سوچ لیں مرد بھی سوچ لیں کہ اسوقت یہ نابینا صحابی کس حلیے میں اور کس حالت میں ہوں گے؟ کیا ان کا بدن ننگا ہوگا؟ کیا ان کا سینہ کھلا ہوا ہوگا؟ کیا ان کے پیر کھلے ہوئے ہوں گے؟ ظاہر ہے کہ سر سے پیر تک لباس میں ہوں گے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کو مسجد نبوی میں حاضر ہو رہے ہیں صرف چہرہ اور ہاتھ ہی تو کھلے ہوئے ہوں گے اور کیا کھلے ہوئے ہو سکتے ہیں ان صحابی کے؟ تو جب یہ تشریف لائے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ابن اُمّ مکتوم سے پردہ کرو۔ عورت سے کہا جا رہا ہے کہ ان مرد سے پردہ کرو۔ تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا، ہم سب مسلمانوں کی ماں ہیں، کہتی ہیں کہ یا رسول اللہ (ﷺ) کیا یہ نابینا نہیں ہیں، وہ تو ہمیں نہیں دیکھ سکتے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تم دونوں بھی نابینا ہو کیا تم دونوں بھی انہیں نہیں دیکھ سکتیں؟ اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق پر غور کریں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ازواج سے جو طرز عمل تھا خوش خلقی کا اس طرز عمل پر غور کریں اور پھر اس جملے پر غور کریں کس قدر سخت جملہ ہے کہ کیا تم بھی نابینا ہو کیا تم انہیں نہیں دیکھ سکتیں؟ تو دیکھئے ہماری ماں ہیں تمام امت کی مائیں ہیں جب ان کو منع کیا گیا کہ خبردار تم ایک نامحرم جو نابینا ہی ہیں، صحابی بھی ہیں، مسجد میں بھی ہیں پھر بھی ان کے چہرے کو بھی نہ دیکھو۔ تو کیسے جائز ہو سکتا عورت کو کہ کسی مرد کے چہرے کو دیکھے اور کسی مرد کو کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ کسی عورت کے چہرے کو دیکھے، ہو سکتا ہے جائز؟ سوچ لیجئے اچھی طرح سے غور کر لیجئے۔

اور سنا دیتا ہوں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما حضور اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ عورتوں کے لئے گھر سے باہر نکلنے میں کوئی حصہ نہیں مگر بحالت اضطراری مجبوری۔ اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ عورتوں کے لئے راستے میں چلنے کا کوئی حق نہیں سوائے کناروں کے۔یعنی بحالت مجبوری بھی نکلے تو راستے میں نہ چلے تا کہ مردوں سے اختلاط نہ ہو۔یعنی سخت پردے میں بھی اگر گھر سے نکلنا پڑے اور مثال اس کی یہ ہے کہ اگر گھر میں کبھی کھانا پکانے کی چیزیں نہ ہوں یا اور کوئی ایسی شدید ضرورت پیش آجائے تو اسوقت شریعت اجازت دیتی ہے کہ خوب پردے میں ہو کر سڑک کے کنارے کنارے جا کر ضرورت کی چیزیں لے آئے اسوقت محرم کی بھی ضرورت نہیں وہ تنہا جاسکتی ہے یہ اجازت دی ہے شریعت نے۔لیکن شریعت نے اسے بلاضرورت شرعی گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں دی ہے۔اب آپ اور ہم سب دیکھ لیں۔

ایمان کو قوت پہنچانے والی چیز صرف ایک ہے وہ اعمال صالحہ ہیں اور ایمان کو ضعیف کرنے والی صرف ایک چیز ہے وہ گناہ ہے جتنا گناہ کیا جائے گا اتنا ہی ایمان ضعیف ہوتا جائے گا حتیٰ کہ ایمان ختم ہو جائے گا۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ بار بار فرماتے تھے کہ گناہ سے مانوس ہو جانے سے ایمان ختم ہو جاتا ہے۔اب آپ اور ہم اپنی عورتوں کو دیکھ لیں ہم تسبیح خواں بھی ہیں سب کچھ ہے لیکن عورتوں کو اگر ہم بلاضرورت شرعی باہر نکالتے ہیں تو رفتہ رفتہ ہم اس فعل قبیح سے مانوس ہو کر اس کو گناہ سمجھنا چھوڑ دیتے ہیں۔اب یہ حالت ہماری ہوگئی ہے ہمارے اچھے اچھے لوگوں کی یہ کہتے ہیں کہ بھئی کیا ہے وہ کہہ رہی ہے ٹھیک ہے چلی جائیں۔ رفتہ رفتہ چونکہ یہ گناہ ہوتا رہا اور اس گناہ کو کرتے کرتے اس سے مانوس ایسے ہو گئے کہ اب دماغ میں وہم بھی نہیں آتا کہ یہ گناہ ہے اور یہ بھول گئے کہ گناہ کو حلال سمجھنے سے ایمان چلا جاتا ہے۔یہ بڑے ڈرنے کی بات ہے۔کیا یہ ڈرنے کی بات نہیں ہے؟ شریعت نے بہت مجبوری میں عورتوں کو سخت پردے میں گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی

ہے لیکن ہماری عورتیں کہنے لگی ہیں کہ ہم علی الاعلان باہر جائیں گے بازار میں جہاں مرد بھی ہیں۔باہر تو نکلنا ہی جائز نہیں، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں کلام پاک ارشاد فرمائے پھر کیا گنجائش ہے۔

اب عورتوں کو اس سے وحشت ہوتی ہے کہ گھر میں بند رہیں، بازار نہ جائیں، ہم گھٹ جائیں۔بے شک عورتوں کی ایک ضرورت ہے، اور ضرورت یہ ہے کہ ایک سے زیادہ عورتیں مل کے بیٹھ جائیں یہ ان کی فطری ضرورت ہے چنانچہ عورتوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ دوسری عورتوں سے مل لیا کریں ایسی دینی مجالس میں بھی جانے کی اجازت ہے جہاں صحیح باتیں بتائی جائیں لیکن مسجد جانے کی اجازت نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع فرمادیا ہے عورتوں کو مسجد جانے سے۔ دیکھئے قبرستان سے زیادہ عبرت کی کون سی جگہ ہوگی جہاں جانے کی اتنی ہمت افزائی کی گئی لیکن عورتوں کو منع کر دیا گیا عورتیں قبرستان نہ جائیں۔تو ان کو باہر نکلنا جائز نہیں۔اب ہم اپنے ایمان کا جائزہ لیں کہ رفتہ رفتہ کیا ہم اس نظریہ کو اپناتے نہیں جا رہے ہیں کہ جیسے عورتوں کا بلاضرورت شرعی باہر نکلنا کوئی گناہ ہی نہیں؟ چنانچہ یہی ہوا میرے پاس ایک خط آیا ہے اس کے اندر اسی طرح کی بات لکھی ہے کہ صاحب اس میں کیا گناہ ہے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔گناہ کہتے کس کو ہیں؟ جب اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم صاف صاف کہیں کہ یہ منع ہے اس کے بعد گناہ نہ ہونے کا کیا مطلب ہے؟ ہر وقت تو ہم اسلام کا دعویٰ کرتے رہتے ہیں جب دیکھو اسلام کی باتیں اور جب اسلام پر عمل کرنے کا معاملہ آئے گا تو اپنی من مانی کرتے ہیں۔اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ اس پر سب متفق ہیں۔بعض مسائل ایسے ہیں کہ شیعہ ہو کہ سنی ہو، بریلوی ہو کہ دیوبندی ہو سب متفق ہیں، یہاں تو سب متفق ہیں یہاں تو کوئی اختلاف ہی نہیں ہے۔عورتوں کو بھی شوق ہے کہ بازار جائیں مردوں کو بھی شوق ہے کہ وہ جب جائیں گے تو عورتوں کو ضرور ساتھ لے کے جائیں گے۔اور سمجھتے ہیں کہ یہ کوئی گناہ نہیں، یقیناً جب تم گناہ

پروفیسروں سے واسطہ ہوگا، تو یہ اختلاط تو بالکل حرام ہے برقعہ اور پردہ تو بعد کی چیز ہے برقعہ اور پردہ تو اس لئے ہے کہ اختلاط سے بچا جائے۔آپ برقعے میں بیٹھ کر نامحرم مرد سے باتیں کررہی ہیں، کتنا بڑا گناہ ہے، کتنا سخت فتنہ ہے، عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ گھر سے نکلنا جائز ہے حالانکہ جائز نہیں ہے۔تو یہ کرنا چاہئے استغفار کرنا چاہئیے اپنے ایمان کا ہر وقت جائزہ لیتے رہنا چاہئے۔یہ اس لئے عرض کردیا کہ بہت ہی حالات خراب ہیں اچھے اچھے لوگوں کے ہاں حالات خراب ہیں ایمان ختم ہوا جارہا ہے اور ہم باتیں کررہے ہیں پتہ نہیں کہاں کہاں کی، بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں اور یہاں اپنے گھر کی خبر نہیں ہے۔بازار کے بارے میں آپ سمجھ لیجئے، بازار کے بارے میں سن لیجئے کہ دنیا کی بدترین جگہ بازار ہیں اور بہترین جگہ مسجد۔اس بدترین جگہ میں اپنی عورتوں کو لے کے جاتے ہیں ہر وقت بلاضرورت۔ ارے چھوٹی موٹی چیزیں تو تم خود بھی لاسکتے ہو، بھلے پیسے زیادہ لگ جائیں اور سستی کہاں ہوتیں ہیں۔سستی ایک چیز خریدی تو دو چار بے کار چیزیں لے لیتے ہو۔بات تو وہی ہوگئی۔ہزار بار کا تجربہ ہے پھر وہی دھوکہ اپنے آپ کو دیتے ہو۔

دل نے ہم کو ایک ہی دھوکہ دیا تھا زیست میں
بارہا دیتے ہیں دھوکہ دل کے بہلانے کو ہم

ارے بھئی معلوم ہو چکا ہے کہ جب تم جاتے ہو بازار سستی چیز کے لئے دو چار دس چیزیں ایسے ہی لے آتے ہو جو کہ ساری تلافی اس سستی کی کردیتی ہیں پھر تم اپنے آپ کو وہی دھوکہ دیتے ہو۔

بارہا دیتے ہیں دھوکہ دل کے بہلانے کو ہم

حکیم الامتؒ فرماتے ہیں، گناہ چاہے صغیرہ ہو یا کبیرہ سخت اجتناب کے قابل ہے۔اب گناہ سمجھو تو اجتناب کرو۔آنکھ کا گناہ، کان کا گناہ، قلب کا گناہ، ان سب سے نہایت اہتمام کے ساتھ بچنا چاہئے۔اصلی قلق کی چیزیں یہی گناہ ہیں۔کیا ہمیں

قلق ہوتا ہے؟ ہم نے گناہ کیا بازار چلے گئے بیوی کو بلاضرورت شرعی لے کے چلے گئے گناہ تو ہوا، گناہ نہیں ہوا تو ثابت کیجئے، کوئی عالم کہہ دے کہ گناہ نہیں ہے، پوچھ لیجئے آپ کسی سے۔دیکھئے بعض چیزیں ہیں جیسے زیور خریدنا ہے۔اب جو گھر والوں کی پسند کی چیز ہے وہ لے آیئے ورنہ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ ایسی صورت میں جب ان کا اصرار ہو کہ خود پسند کرکے انتخاب کرینگی تو سخت پردے میں لے کے جاؤ۔تو یہ واستغفار پھر بھی کرو لیکن گنجائش اس لئے دی جاتی ہے کہ فتنہ وفساد سے بچنے کے لئے۔یہ سمجھ لیجئے، گھر کے اندر کون فتنہ وفساد چاہے گا؟ ہمارے بزرگوں میں سے جتنوں نے عورتوں کو رعایتیں دی ہیں سب اَهْوَنَ الْبَلِيَّتَيْن کے قاعدے کی وجہ سے یعنی دو بلاؤں میں سے جو ہلکی بلا ہو اس کو اختیار کرلیا جائے تا کہ چھوٹا گناہ کرکے بڑے گناہ اور فتنہ سے بچ جایا جائے۔کون فتنہ وفساد چاہے گا؟ فتنہ وفساد اس سے بڑھ کر ہے۔لیکن ان عورتوں سے عرض کرتا ہوں جو کہ دیندار بننا چاہتی ہیں کہ تم تو فتنہ وفساد نہیں کروگی تم تو دین پر عمل کروگی۔

دعا کیجئے اللہ تعالیٰ گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

۹۔ کیا ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے؟

خطبۂ ماثورہ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

﴿لَقَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُفٌ رَّحِیْمٌ﴾. (سورۃ توبہ آیت ۱۲۸)

اے لوگو! تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) جو تمہاری جنس سے ہیں، یعنی بشر ہیں، جن کو تمہاری مضرت کی، یعنی تمہیں نقصان پہنچانے والی باتیں، نہایت گراں گزرتی ہیں اور جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں۔ (یہ حالت تو سب کے ساتھ ہے چاہے وہ کافر ہوں یا مسلمان) ایمان والوں کے ساتھ تو بہت ہی شفیق اور مہربان ہیں۔

کلام پاک کی آیت ہے غور کیجئے اچھی طرح سے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں مسلمانوں کی منفعت کے یعنی مسلمانوں کے فائدے کے خواہشمند رہے ہمیشہ وہاں کفار کے بھی فائدے کے خواہشمند رہے وہ چاہتے تھے کہ کفار کو بھی فائدہ پہنچ جائے ان کو بھی نقصان نہ پہنچے تبھی تو اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ یہ حال جو کلام پاک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان کیا گیا یہ تو سب کے ساتھ ہے چاہے وہ کافر ہو یا مسلمان۔ رحمۃ للعالمین تھے، سارے عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے صرف مسلمانوں کے لئے ہی نہیں تھا یہ معاملہ۔ اور مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا وہ آگے اسی آیت میں ہے ﴿بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُفٌ الرَّحِیْمٌ﴾، ایمان والوں کے ساتھ تو بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔ ایمانداروں کے ساتھ وشفقت اور مہربانی کا ایک عجیب حال تھا۔ دیکھئے ایسی ذات سے محبت کیجئے۔ یہ وہ ذات ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو اس قدر شفیق ہو اس قدر محبت کرنے والی ہو، رات کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ اٹھ کر

تہجد میں اپنی اُمت کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ عرفات کا میدان ہو مزدلفہ ہو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لئے دعاء کر رہے ہیں، کیسی فکر ہے انہیں ہماری! تو ہمیں کیا اُن سے محبت نہیں کرنی چاہیئے؟ بلاشبہ بے انتہاء محبت کرنی چاہیئے۔ شرافت کا کیا تقاضا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق تو محبت کے علاوہ بھی ہیں۔ آپ کے حقوق کا خلاصہ بتانے کے لئے یہ فرمایا گیا ہے کہ ایک حق تو محبت ہے اور ایک حق ان کی عظمت ہے کہ ان کی عظمت دل کے اندر ہو۔ محبت دو طرح سے ہوتی ہے ایک محبت بغیر عظمت کے بھی ہوسکتی ہے آپ چھوٹے بچے سے بھی محبت کرتے ہیں، اور ایک محبت ہوتی ہے عظمت کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عظمت والا نہ کوئی ہوسکتا ہے نہ کوئی ہوگا۔ کوئی بھی مخلوق اللہ کی اس سے زیادہ عظمت والی ہوسکتی نہیں ہے۔ اور تیسرا حق ان کا اتباع ہے۔ تو حقوق میں محبت کے بھی دو تقاضے ہیں۔ اتباع جو ہے وہ حقیقت میں محبت کا تقاضا ہے۔ اس کو تھوڑا بیان کرنا مقصود ہے۔ اصل مقصود تو تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہو جائے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک میں بھی بڑی برکات ہیں لیکن یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جو ہمارے اندر ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کا ذکر کیا جائے ان کی اتباع کی جائے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت مسلمان کو کیسی ہونی چاہیئے؟ بخاری اور مسلم نے اپنی صحیحین میں نقل کیا ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہ ہوگا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والد اور اولاد اور تمام آدمیوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ اب اندازہ کیجئے، اب اپنی محبت کا ذرا جائزہ لیجئے، ایک طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور ایک طرف ہمارا بیٹا ہے، والدین ہیں بیوی ہے بچے ہیں ان کے تقاضے ہیں اور ایک طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت

کے تقاضے ہیں، کیا چیز عزیز ہے؟ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تم میں سے کوئی مومن ہو گا ہی نہیں جب تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے نزدیک سب سے زیادہ عزیز نہیں سب سے زیادہ محبوب نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری تمام امت جنت میں داخل ہوگی مگر جس نے میرا کہنا قبول نہ کیا۔ اندازہ کیجئے۔ عرض کیا گیا، کون ایسا شخص ہے جو جنت میں جانا قبول نہیں کرے گا؟ فرمایا، جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے قبول نہیں کیا۔ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کریں تو یہ کیا محبت کی علامت شمار ہو سکتی ہے؟ کیا حدیث شریف واضح نہیں ہے؟ اس وقت ہمارا حال یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہم سب کو معلوم ہے اور ہم علی الاعلان مخالفت کرتے ہیں۔ ہم دوسروں کی بات نہیں کر رہے، جو لوگ اپنے کو دیندار کہتے ہیں انہوں نے کیا رہن سہن بنایا ہوا ہے؟ بچوں کو کیسا لباس پہنایا ہوا ہے؟ کیسی معاشرت اپنائی ہوئی ہے؟ شادیاں کس انداز کی ہیں؟ غمی کس طرز سے ہے؟ کیا انداز ہے؟ کیا ارادے ہیں؟ کیا تمنائیں لے کے بیٹھے ہوئے ہیں؟ کیا یہی طریقہ تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا؟ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن ہشام سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یا رسول اللہ آپ میرے نزدیک سب چیز سے محبوب ہیں بجز میرے نفس کے جو میرے پہلو میں ہے، یعنی وہ بہت ہی محبوب ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کے نفس سے بھی زیادہ اس کو میں محبوب نہ ہوں۔ کہاں بھائی کہاں بیٹا کہاں ماں، اپنے نفس سے بھی زیادہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں محبوب ہونے چاہئیں۔ آج ایک جگہ پڑھا ہے، ہلا دینے والی بات ہے کہ مسلمان کی تو شان یہ ہے اگر ساری اس کی دولت اور سارا مال و متاع اور ساری جائداد اسے کوئی یہ کہے کہ اپنی مجھے دے دو تو میں تمہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم کی زیارت کراؤں گا، تو وہ تیار ہو جائے گا۔ اب قلب پر ہاتھ رکھ لیجئے، اپنی محبت کا جائزہ لے لیجئے۔ غریب ہم سے اچھے ہیں تمنا تو کر لیتے ہیں۔ ہے محبت ایسی؟ صاحب یہ مت سوچئے گا کہ میں ان لوگوں سے مخاطب ہوں جو ٹیلی ویژن اور بے حیائی اور عریانی اور فحاشی میں لگے ہوئے ہیں، میں اپنے آپ سے مخاطب ہوں اور اپنے دوستوں سے مخاطب ہوں جو دینداری کا دعویٰ کرتے ہیں، کہ ہم دیندار ہیں کوئی کہتا ہے ہم سالک ہیں کوئی کہتا ہے ہم اللہ کے طالب ہیں کوئی کہتا ہے ہم مرید ہیں کوئی کہتا ہے فلاں سے ہمارا تعلق ہے حکیم الامتؒ کے سلسلے سے ہم فلاں ہیں، اُن سے مخاطب ہوں اُن سے کہنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کے نفس سے بھی زیادہ اس کو میں محبوب نہ ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی کہ آپ میرے نزدیک میرے اس نفس سے بھی زیادہ محبوب ہیں جو میرے پہلو میں ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں اب بات ٹھیک ہوئی۔ اور اس سلسلے میں دوسرے صحابہؓ کی بھی حکایات عجیب و غریب ہیں، صحابہؓ کی بھی اولیاء کی بھی۔ جو محبت مطلوب ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ ایسی محبت ہے یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی محبت ہو جو اپنی جان سے بھی زیادہ مال سے بھی زیادہ ہو، بچوں سے بھی زیادہ ہو ماں باپ سے بھی زیادہ ہو، بھائی بہنوں سے بھی زیادہ ہو۔ مگر افسوس ہے ہم اپنے عزیزوں، رشتہ داروں، بال بچوں سے ایسی محبت لے کے بیٹھے ہوئے ہیں کہ ذرا سی بات پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑ دیتے ہیں، افسوس یہ ہماری محبت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے! صاحب ہم ایسی گندگی میں ہیں کہ ہمیں اندازہ نہیں ہے۔ یہ چیز جو ہے ملے گی کہاں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جو مطلوب ہے کہاں ملے گی؟ ان کے پاس ملے گی جو ایسے اہل دل ہوں جن کو محبت ہو ایسی۔ ان کے پاس جاؤ جا کے ان کی جوتیاں سیدھی کرو۔ یہ محبت اور

کہیں نہیں ملے گی۔ ہڑتالیں کرنے والے، دوسروں کے مال کو تباہ کرنے والے، شریعت کو پامال کرنے والے، سنت کو پامال کرنے والوں کے پاس کہیں یہ دولت محبت ملے گی؟ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینے سے صرف کام بن جاتا ہے؟ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا محض نام لینا محبت ہے؟ حکیم الامت ؒ نے ایک واقعہ بیان فرمایا ہے کہ ایک شخص بیمار تھے اور بیماری میں کبھی مجھ کو بلاتے اور کبھی میں خود جاتا تھا کیونکہ ان سے محبت تھی۔ یعنی حکیم الامت ؒ کو ان سے محبت تھی۔ تو اس محبت کی وجہ سے سامنے کہنے میں جھجک ہوئی تو حکیم الامت ؒ نے تحریراً لکھ کر ان کو حقوق العباد کی ادائیگی کی طرف توجہ دلائی کہ اب آپ کا وقت ایسا ہے کہ آپ مرنے والے ہیں ایسا انداز ہے بیماری اتنی شدید ہے بڑھاپا بھی ہے سب کچھ ہے تو آپ کے ذمہ لوگوں کے حقوق جو ہیں ان کی ادائیگی کی فکر کریں۔ لوگوں کی زمینیں کچھ انہوں نے قبضے میں کر رکھی تھیں جو ورثاء کو دیتے نہیں تھے، بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ماں باپ کا انتقال ہوا اس کے بعد چیزیں لے کے بیٹھ جاتے ہیں پھر وقت گزر جاتا ہے پھر کہاں دینے کا دل کرتا ہے۔ وراثت کے بارے میں ہے جب کوئی مر جائے تین دن کے اندر ترکہ تقسیم کرواور بعض لوگوں نے کر کے دکھایا ہے۔ وہ وقت ہوتا ہے جب شریعت کے احکام کی فکر کرنے کا، وہ وقت اس کا نہیں ہوتا کہ بس غم میں اپنے آپ کو لگا دو، آنسو تو خود آئیں گے، آنے دو مگر وہ وقت ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کے احکام پر توجہ دو تا کہ اللہ کا فضل ہو۔ دیکھئے ہمارے ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب قدس سرہٗ ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی، وہ تھے ایسے سچے عاشق رسول۔ چنانچہ جب حضرت ؒ کے گھر والوں کا انتقال ہو رہا تھا، انتقال تو مغرب کے بعد ہوا یا اس سے بھی پہلے کا وقت تھا حضرت کو اندازہ ہو گیا، اب حضرت کو فکر اس کی ہوئی کہ احکام کیا ہیں اب کیا ہوگا حضرت کو فکر اس کی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کیا ہیں اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ جیسے ہی انتقال ہو ویسے ہی جنازہ کی فکر کرو جلد از جلد دیر نہ کرو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا پہلے سے انتظام کیا گیا۔

حضرت کا ایک عجیب انداز تھا کہ جب کوئی شریعت کا حکم آنے والا ہوتا تھا اس کو پہلے سے سوچتے تھے کہ میرے اوپر حکم آئے گا تو مجھے کیا کرنا ہوگا، پہلے سے تیار ہوتے تھے حق تعالیٰ کے مستعد غلام کی طرح۔ چنانچہ اس حالت میں بھی کہ بیوی کا انتقال ہو رہا ہے ابھی ہوا بھی نہیں ہے، اس کی فکر میں ہیں کہ اب جو اللہ تعالیٰ کے احکام پیش آنے والے ہیں ان پر کیسے عمل ہوگا؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ محبوب ہیں ان کی باتیں بتائی ہوئی محبوب ہیں ان کی باتوں پر ہمیں عمل کرنا ہے۔

یہ عرض کر رہا تھا کہ حکیم الامت ؒ نے اپنے اس دوست کو ترکہ کی تقسیم کی طرف مرض الموت میں توجہ دلائی ایک تو توجہ تحریر سے دلائی پھر ایک آدمی کو بھیج دیا کہ دیکھو ان کو ذرا سمجھا دینا خط پڑھ کے سنا بھی دینا ایسا نہ ہو کہ پڑھنے سے رہ جائے۔ چنانچہ ان کے سامنے خط پڑھا گیا۔ جواب انہوں نے یہ دیا کہ یہ آپ جو فرما رہے ہیں یہ سچ ہے مگر اپنے اہل وعیال کے لئے کیا چھوڑوں؟ یہ قصہ ہوا۔ فرماتے ہیں حکیم الامت ؒ کہ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کا قلق ساری عمر دل سے نہیں جائے گا۔ فرماتے ہیں کیوں صاحبو! کیا خدا کا ڈر یہی ہے؟ یقینی معلوم ہے کہ مرنے والا ہوں مگر اہل وعیال کے لئے جائداد چھوڑنے کی فکر اور وہ بھی غیروں کے حقوق سے۔ پس دیکھ لیا آپ نے، چار بیگھے زمین کے واسطے سارا عشق ختم ہو گیا۔ یہ محبت کس کام کی؟ زبانی بتانے کو سب سے آگے مگر اتباع سے جان چُراتے ہیں۔

محبت کی علامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک کیا جائے۔ ذکر کس کو کہتے ہیں؟ کیا وہ ذکر ہے جس کو میلاد کہتے ہیں؟ اس بارے میں حکیم الامت ؒ نے ایک وعظ میں بہت کچھ بیان کیا بعض باتیں عرض کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بتا رہا ہے کہ یہ اضافت ہے رسول کی طرف یعنی رسول کا ذکر، ذکر محمد کبھی نہ سنا ہوگا ذکر رسول ہی سنا ہوگا آپ نے۔ یہ جو اضافت ہے رسول کی طرف اس کا مقصد ہی یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کی شان رسالت کا لحاظ رکھ کر ذکر کیا جائے۔ یہ ان کی سلطنت کا ذکر نہیں ہے بلکہ یہ ذکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شان کے لحاظ سے ہونا چاہئے ان کے رسول ہونے کی حیثیت سے ذکر کرنا چاہئے وہ ذکر مطلوب ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح وہ ہے جس میں شان رسالت کا بیان ہو اور شان سلطنت اس کے تابع ہے اور وہ منصب نبوت کو مکمل کرنے والی ہے کیونکہ اصلاح خلق میں جو کہ منصب نبوت ہے، لوگوں کے مزاحم ہونے کی نوبت آجاتی ہے لوگ مقابلہ کرنے لگتے ہیں لوگ مخالفت کرنے لگتے ہیں اس لئے سلطنت کی ضرورت ہے۔ سلطنت بذات خود مقصود نہیں ہے اسلام میں سلطنت اس لئے مقصود ہے کہ اصلاح ہو جائے لوگوں کی اور ہم دین کا کام آسانی سے کر سکیں۔ پس سلطنت تابع ہوئی۔ اور فرماتے ہیں شجاعت اور انتظام اور فتوحات ملک کے جو خلفائے راشدین نے کئے یہ ان کے اصلی کمالات نہیں ہیں بلکہ اصلی کمال وہ ہے جس کی بناء پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا **لو کان بعدی نبیًا لکان عمر** ۔ میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے۔ ابھی تو سلطنت ملی بھی نہیں ہے ابھی خلیفہ کہاں ہوئے ابھی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود حیات ہیں لیکن فرما رہے ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے۔ آج کل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان کمالات کا ذکر کرتے ہیں کہ صاحب ایسی سلطنت تھی ایسا انتظام تھا ایسی پولیس رکھی وغیرہ وغیرہ۔ حکیم الامتؒ کہتے ہیں یہ تو وہ کمال ہی نہیں۔ وہ کیا کمال تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جس کی بناء پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم **فرماتے ہیں کہ اگر** میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے؟ اسی طرح فرماتے ہیں کہ ابو بکر اور عمر جنت میں ہیں۔ ابھی تو سلطنت سے اور خلافت سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ وہ کون سے کمالات تھے؟ کمال یہ تھا کہ اللہ کا ڈر اور خوف تھا جو سب سے بڑھ کر تھا خودرائی کا نام تک نہیں تھا۔ ہمارا اور آپ کا مرض کیا ہے، چاہے آپ کچھ بھی ہوں چاہے آپ کیسے ہی مرید ہوں کسی کے خلیفہ ہوں جو مرض عام ہے اور گھسا ہوا ہے سب

کے دلوں کے اندر ہے وہ خودرائی ہے یہ امت پوری کی پوری خودرائی میں تباہ ہو رہی ہے ذلیل و رسوا ہو رہی ہے پٹ رہی ہے جس کو جو دل میں آئے وہ کرتا ہے۔ اب بائیکاٹ کر دو اب ہڑتال کر دو اب ہنگامے کر دو جو چاہے کر دو۔ آپ نے خود اپنی رائے پر عمل کیا۔ بزرگوں نے کہا کہ ذکر اللہ بھی تم اپنی رائے سے کرو گے تو اس میں برکت نہیں ہوگی تو تم کہاں سے اپنی رائے سے بائیکاٹ وغیرہ کر رہے ہو؟ خناس دلوں میں تمہارے بھرا ہوا ہے تم سمجھتے ہو کہ ہم سب کچھ ہیں ہم فیصلہ کرنے والے ہیں ہم جانتے ہیں دین کو، یہ تکبر اور خودرائی کا خناس نہیں تو اور کیا ہے؟ اور پھر ایک بات اور عرض کر دوں کہ یہ جو رَوَیّہ ہے مسلمانوں کا یہ ڈبونے والا ہے کیونکہ ہر شخص اپنے آپ کو یا تو امیر المؤمنین سمجھتا ہے یا موسیٰ علیہ السلام سمجھتا ہے۔ اب جسکو دیکھو وہ یہ سمجھتا ہے کہ گویا اسے وحی آئی ہے ﴿**اذھب الی فرعون انه طغٰی**﴾، جاؤ فرعون کے پاس وہ سرکشی کر رہا ہے۔ قرآن میں یہ وحی تو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی ہم سمجھتے ہیں کہ ہم پر ہی آگئی حالانکہ ہم شکست کھا کھا کے سر اٹھانے کے قابل نہیں مگر پھر بھی اپنے آپ کو امیر المؤمنین سمجھے بیٹھے ہیں۔ چنانچہ عورتوں میں بھی یہ مرض خودرائی کا گھس گیا مردوں میں بھی یہ مرض گھس گیا عجیب بات ہے کہ بعض عورتیں تو اتنا بڑھ گئی ہیں کہ پوچھئے مت۔ خودرائی ایسی ہے کہ کسی سے پوچھنا جانتی ہی نہیں ہیں، اور مردوں کا بھی یہی حال ہے۔ عام وبا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے جن کمالات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں یہ تو ان میں خلافت سے پہلے موجود تھے خلیفہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوئے۔ چنانچہ حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک جو مقصود ہے وہ من حیث الرسول ہونا چاہئے البتہ چونکہ محبوب کا ہر ذکر محبوب ہوتا ہے اس لئے آپ کے تمام حالات و کمالات کا ذکر بھی محبوب ہے۔ یہ بھی صحیح ہے یہ بھی اچھا لگتا ہے لیکن اصل ذکر جو ہے وہ تو وہ ہے جو ہماری اصلاح کرا دے جو ہمیں اللہ کے احکام

بتادے۔قرآن وحدیث اور فقہ میں جو احکام ہیں وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ذکر ہے چاہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی نہ آئے۔تو ہم لوگوں کو بھی چاہئے کہ یہ جو اصلاح کی باتیں اہل اللہ کرتے ہیں کہ صاحب اصلاح نفس کے یہ طریقے ہیں اور یہ حکم ہے اور نماز یوں پڑھی جائے اور روزہ یوں رکھا جائے اور حج یوں کیا جائے وغیرہ وغیرہ تو یہ اس لئے کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں دین کے طالب کو پہنچائیں چنانچہ یہ بھی ذکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ہے، حکیم الامت فرمارہے ہیں کہ یہ بھی ذکر رسول ہے بلکہ یہ اصل مقصود ہے، یہی اصل ذکر رسول ہے۔فرمایا کہ بعض اوقات محبوب کا نام لئے بغیر ذکر کرنے میں بھی ایک خاص شان ظاہر ہوتی ہے مگر ہاں اس کا پتہ ہر شخص کو نہیں چلتا بلکہ اس کا پتہ تو عاشق کو لگتا ہے۔

جب کوئی بولا صدا کانوں میں آئی آپ کی

جو بھی بولے عاشق یہ سمجھتا ہے کہ میرا محبوب بول رہا ہے۔جو آواز آرہی ہے محبوب کی آواز ہے۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے گزرے ہیں ان سے کسی نے کہا کہ تصوف پر آپ کی کوئی تصنیف نہیں؟ آپ نے تصوف پر کوئی کتاب نہیں لکھی؟ ان کی کتابوں کی تعداد ۹۹۹ ہے۔ ہمارے حکیم الامتؒ کی بھی ایک ہزار کے قریب تصانیف ہیں۔حکیم الامتؒ کو معمولی سمجھتے ہیں آپ؟ بہشتی زیوران کی لکھی ہوئی ہے۔ اب تو بہشتی زیور کی قدر ہی نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ دقیانوسی ہوگئے مسائل اسکے اس میں جو باتیں کہی ہیں بے کار ہوگئیں۔اب نئی نئی چیزیں نکال لیں، نیا دین ایجاد کرلیں، آپ کو مبارک! تو خیر حکیم الامتؒ کی بھی ایک ہزار کے قریب تصانیف ہیں لیکن یہ جو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ تھے ان کی بھی ۹۹۹ تصانیف تھیں تو ان سے پوچھا کہ آپ نے اتنی کتابیں لکھیں ہیں مگر تصوف پر کوئی کتاب نہیں لکھی؟ کہنے لگے کہ نہیں میں نے کتاب لکھی ہے جامع صغیر تصوف کی ہی تو ہے۔کہا گیا کہ یہ کتاب جس کا آپ نام لے رہے ہیں آپ نے لکھی تو ہے لیکن اس میں تو خرید وفروخت اور

معاملات کے مسائل ہیں، اس میں تو کوئی تصوف نہیں ہے؟ فرمایا کہ جب تک یہ معاملات درست نہیں ہوں گے نفس میں وہ چیزیں پیدا ہی نہیں ہوں گی جو تصوف میں درکار ہیں تو یہ تصوف ہی ہے۔تصوف میں دل جیسا ہونا چاہئے اس کے لئے ضروری ہے کہ معاملات ٹھیک کرو۔مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی صاحب ایک بزرگ تھے ان سے کسی نے کہا کہ آپ ذکر میلاد نہیں کرتے آپ نے فرمایا کہ ہم تو ہمیشہ ذکر میلاد کرتے ہیں۔پھر کلمہ شریف پڑھ لیا یہ ہوگیا میلاد۔پھر فرمایا کہ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا نہ ہوتے تو آپ کا کلمہ کون پڑھتا؟ پیدائش کا ہی تو ذکر ہے۔میلاد کہتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے ذکر کو۔کلمہ پڑھ کے دکھا دیا یہی ہے ذکر رسول، یہی ہے میلاد ہمارا۔اس شخص نے پھر کہا کہ کچھ بلاواسطہ بھی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہونا چاہئے یہ تو آپ نے بالواسطہ کیا۔تو فرمایا اچھا چلو وہ بھی کرتے ہیں، پھر یہ شعر ؎

تر ہوئی باراں سے سوکھی زمین
یعنی آئے رحمۃ للعالمین

چنانچہ حکیم الامتؒ کہتے ہیں کہ اس طرح سے کسی رسم وغیرہ کی قید کے بغیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک کرکے دکھا دیا۔حکیم الامتؒ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا ذکر بھی بہت سی مصلحتوں کی وجہ سے ضروری ہے چنانچہ نشر الطیب جیسی کتاب جو حکیم الامتؒ نے لکھی ہے اس میں شروع میں ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے عجیب وغریب واقعات لکھے ہوئے ہیں۔اس ذکر کے ضروری ہونے کی دو وجہیں لکھی ہیں ایک وجہ تو یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر الوہیت کا شبہ نہ ہوجائے کہ وہ معبود ہیں، اور بشریت ان کی واضح ہوجائے کہ ماں کے پیٹ سے نکلے ہیں۔اسی طرح سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ بھی لکھا ہوا ہے یوں درد ہوا اور یوں ہوا اور یوں کھجوریں گریں سب کچھ قصہ لکھا ہوا ہے

اسلئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کہیں اس کا نہ شبہ ہو جائے کہ ان کا کچھ تعلق الوہیت سے ہے یا یہ کہ بشر نہیں ہیں۔اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا ذکر اس لئے مفید ہے کہ اس سے یہ سمجھ میں آجائے کہ یہ بھی ہماری طرح سے بشر تھے اور دوسرے ان کے ذکر سے محبت بڑھے کیونکہ پیدائش میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور کمالات ظاہر ہوئے۔دوران حمل بھی ظاہر تھے۔چنانچہ ایسے کمالات جب سننے میں آئیں گے تو ایسے کمالات والے سے فطرتاً انسان اگر سلیم الطبع ہے محبت ہو جائے گی چنانچہ سلیم الطبع لوگوں کی محبت بڑھانے کے لئے مفید ہے۔لیکن اس محبت کا مقصد کیا ہے مقصد تو اتباع ہے، یہ تو ذکر ہے، یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر تو ہے لیکن اصل مقصد تو اتباع ہے۔چنانچہ حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ محبت مطلوب ہے جو شان نبوت کی وجہ سے ہو جس کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا اتباع علمی و عملی لازمی ہو۔یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی شخص کہے کہ مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی محبت ہے جیسی مطلوب ہے اور میں اتباع نہیں کرتا۔وہ جھوٹا ہے، بدون اتباع محبت مطلوبہ ہو ہی نہیں سکتی۔ایسی محبت طبعی اگر ہو بھی بالفرض تو اس سے آخرت میں نجات نہیں ہوگی چنانچہ حکیم الامتؒ نے فرمایا بدون اتباع کے محبت کا اعتبار نہیں۔دیکھئے حضرت ابو طالب کو کتنی محبت تھی کہ آپ حضور ﷺ کے خلاف بائیکاٹ میں ساتھ نہ دیا، بائیکاٹ کس نے کیا؟ کفار نے۔یہ کفار کی فطرت ہے ان کا فعل ہے یہودیوں نے بائیکاٹ کیا یہودیوں کی صفت ہے، ارے وہ طریقے جو غیر مسلموں کے لئے ہیں تم اسلام کے لئے اپناتے ہو؟ شریعت کو پامال کردو، شریعت کو منہ نہ لگاؤ، حلال حرام کے مسائل پر توجہ نہ دو، علماء سے مت پوچھو اپنی من مانی کرتے ہو! فرماتے ہیں حکیم الامتؒ یہ بائیکاٹ نہیں بھائی کاٹ ہے بھائی کی تجارت بند کردو، بھائی کا بزنس بند کرا دو بھائی کی دوائیں بند کرا دو بھائی مر رہا ہے اس کو دوا نہ ملے، بھائی کاٹ! ابو طالب کو کتنی محبت تھی کہ بائیکاٹ میں بھتیجے

کے ساتھ رہے اور ایک دو دن نہیں تین سال اور یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ چمڑے کا ایک ٹکڑا مل گیا تو اس کو پانی میں ڈالا پھر اس کو بھونا پھر کھایا۔اندازہ کیجئے، یہ حال تھا بائیکاٹ کا۔گھاس پھوس کے علاوہ کچھ ملتا نہیں تھا، تین سال ایک گھاٹی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب لوگ جو ساتھ تھے، مقید رہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب مسلمان نہیں تھے لیکن محبت اتنی تھی کہ ساتھ رہے اور ساری مشقتیں اٹھائیں لیکن باوجود اسکے ایمان نہیں لائے، کیوں؟ کیونکہ اتباع نہیں کیا۔اسلئے نجات کے لئے وہ محبت کافی نہ ہوئی۔حدیث شریف میں ہے کہ حضرت ابو طالب کو سب سے ہلکا عذاب ہوگا۔پاؤں میں آگ کی جوتیاں پہنائی جائیں گی جس سے دماغ پک رہا ہوگا۔تو کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی محبت کافی ہے کہ اس کے بعد جو چاہے کرتے پھرو؟ اصلی محبت وہی ہے جو اتباع کے ساتھ ہو جو قرآن میں واضح ہے ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِي﴾، اگر تم کہتے ہو ہم کو محبت ہے تو میری اتباع کرو۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع لازم ہے۔ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اور اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے اپنی جان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ نادر بات ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی محبت میں سچا ہوتا تو اسکی اطاعت کرتا اسلئے کہ محبت کرنے والا محبوب کا مطیع ہوتا ہے فرمانبردار ہوتا ہے۔البتہ ایک ضعیف درجہ محبت کا معصیت کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے گناہ کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے لیکن اس کے لئے ایک شرط ہے یہ مت سمجھ لیجئے گا کہ صاحب ہم تو سارے گناہ کریں اور اسکے بعد محبت کا دعویٰ کریں، ہاں ہے محبت۔بے شک ہے۔لیکن اس کی شرط کیا ہے؟ گناہ ہو گئے۔گناہ ہو جاتے ہیں۔انسان ہیں بشر ہیں گناہ ہو جاتے ہیں مگر ایک ضعیف درجہ محبت کا معصیت کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے جس کے لئے شرط یہ ہے کہ معصیت کرکے شرما جائے گناہ کرکے شرما جائے اور اپنے کو خطاکار اور قصوروار سمجھے ایسا ہے تو بیشک محبت اور معصیت جمع ہو سکتی ہے۔

ایک خواب نقل کیا ہے، ایک صاحب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس نے ان کی اصلی صورت میں دیکھا وہ تو یقیناً یقیناً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی دیکھا اس میں شیطان نہیں آسکتا۔ تو دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ہم اس سے زیادہ خوش نہیں جو ہمارا نام زیادہ لے بلکہ اس سے خوش ہوتے ہیں جو ہمارے احکام کو زیادہ مانے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں مَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللهَ، جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی مخالفت کی۔ جو نافرمانی کرتے ہوئے شرماوے گا وہ انتظام تو کرے گا اتباع کا، اہتمام تو کرے گا، لازم سمجھے گا اور اس کو ضروری تو سمجھے گا، کیا دیدہ دلیری کرنے لگے گا اور دوسرے کو جرأت دلائے گا؟ کرلو جی، اسراف بھی کرلو، شادی خلاف سنت طریقے سے کرلو، نمائش کی نیت بھی کرلو، وضع قطع رہن سہن سب کفار کے بنالو، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہی ہر کام کرلو، یہ کوئی طریقہ ہے؟ کیا وہ گناہوں کو لوگوں کی نظر میں ہلکا کر کے پیش کریگا؟ خدا کی پناہ، ان لوگوں کو اپنے ایمان ہی کی خیر منانا چاہئے کیونکہ فقہاء نے گناہ کو ہلکا سمجھنے کو کفر کہا ہے۔ چھوٹا سا بھی گناہ ہو لیکن اگر تم نے اس کو ہلکا سمجھا تو کفر ہے، فقہاء کہتے ہیں کفر ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور تم اس کو کہتے ہو ہلکی سی بات ہے؟ میں اس لئے عرض کررہا ہوں کہ دیکھئے اپنے سارے امور کا جائزہ لے لیں کہ ہم کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی محبت ہے پھر سنت کا اتباع کریں تمام معاملات میں۔ ذرا سے عذر میں سنت کو نہ چھوڑ دیں۔ ہمارا طرز ہمارا رہن سہن ہماری غمی اور شادی سب سنت کے مطابق ہونی چاہئے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصل سعادت یہی ہے کہ تمام حرکات وسکنات میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا جائے اور یہ حرکات وسکنات ہماری جتنی بھی ہیں یہ دو قسم کی ہیں ایک تو عبادات سے تعلق رکھتی ہیں جیسے نماز ہے روزہ ہے حج ہے اور ایک عادات سے تعلق رکھتی ہیں جیسے کھانا ہے پینا ہے

رہنا ہے سہنا ہے شادی ہے غمی ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ دونوں قسم میں حضور ﷺ کی سنت پر عمل کریں۔ سنت کو کیسے چھوڑ دیں، اتباع ہی تو اصل ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ بھی تم کو دیں اسکو لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے باز آجاؤ۔ قرآن میں صاف ہے کلام پاک کی آیت ہے ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے لئے نمونہ بنا کر بھیجا گیا ہے۔ نمونہ کس لئے بنا کر بھیجا جاتا ہے؟ کہ آپ اس کے مطابق اپنے آپ کو بنالیں ظاہراً بھی باطناً بھی۔ اور حکیم الامتؒ نے مثال دی ہے درزی کو آپ ایک کپڑا دیں کہ سی دو ساتھ ساتھ اس کے لئے ایک سلا ہوا کپڑا دیں نمونے کے لئے کہ اس نمونے کا سیو، آجکل عورتوں کو بھی یہی شوق ہے کہ اپنی جیسی بھی پوشاک ہو وہ درزی کو بھجوا دیتی ہیں اس درزی کو سارا آپ کا ناپ پتہ چل جاتا ہے۔ بعض تو ایسی ظالم ہیں کہ جاکے درزی کی دکان پر کھڑے ہوکے اپنا ناپ دے دیتی ہیں، خیر یہ تو ایسے ہی بات آگئی۔ اگر آپ درزی کو ایک کپڑا دیں کہ سی دو اور ساتھ ساتھ ایک سلا ہوا کپڑا دیں کہ بھئی اس کے مطابق سینا، یہ نمونہ ہے۔ پھر وہ آپ کے نمونے کے مطابق سی دے مگر ایک آستین لمبی ہو تو آپ کیا اس کرتے کو پہنیں گے؟ حکیم الامتؒ کہتے ہیں آپ اس کے منہ پر دے ماریں گے حالانکہ وہ درزی یہ کہے گا کہ صاحب ہر چیز تو ٹھیک ہے آپ بس ایک آستین کی وجہ سے خفا ہورہے ہیں۔ آپ اس کو کیا جواب دیں گے؟ اسی طرح سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو کلام پاک میں ہے کہ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ وہ تمہارے لئے نمونہ ہیں تم ان کے جیسے کیوں نہیں بنتے؟، کیا نمونہ کے خلاف قصداً کرنا قابل قبول ہوگا؟ جب ہم درزی کا سلا ہوا ایسا کپڑا قبول نہیں کرتے تو پھر ہم کیسے امید کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر کانٹ چھانٹ کر عمل کریں کچھ پر عمل کریں کچھ پر عمل نہ کریں اور وہ قبول ہو؟ نصف ساق تک پاجامہ تو آسان ہے اور

جس وقت نکاح کرانا ہوتو اس وقت سنت کے مطابق نکاح اور رخصتی مشکل ہے۔اس وقت ساری مصلحتیں سامنے آجاتی ہیں۔حکیم الامتؒ کہتے ہیں ہمارے ہاں مصالح پیسے جاتے ہیں،مصلحت کی جمع مصالح فرمایا،ہمارے ہاں تو مصالح پیسے جاتے ہیں ہم تو مصلحتوں کو پیس دیتے ہیں،مصلحتوں کی پرواہ نہیں کرتے۔کلام پاک میں ہے کہ ﴿مَنْ یُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ﴾،جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔کلام پاک میں ہے کہ جو لوگ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا مان لیں گے تو ایسے اشخاص بھی ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صلحاء۔آپ کو رفاقت چاہئے ان لوگوں کی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کریں اور اتباع کامل ہونی چاہئے۔ہم چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہوجائیں اور سنتوں کا کوئی اہتمام نہیں جیسے چاہے کھالیا جیسے چاہے پی لیا جو چاہے کرلیا۔اور کلام پاک میں ہے کہ جو شخص اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا نہ مانے گا اور بالکل ہی اس کے ضابطے سے نکل جائے گا ہم اس شخص کو آگ میں داخل کریں گے اس طور سے کہ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور اس کو ایسی سزا ہوگی جس میں ذلت بھی ہے۔اور کلام پاک میں ہے کہ جو شخص اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا سو وہ بڑی کامیابی کو پہنچے گا۔کسی ایک سنت کو بھی قصداً چھوڑ دینا بلا عذر بہت سخت بات ہے معمولی بات نہیں ہے،بھول جائیے آپ کہ سنت کو اپنی مرضی سے چھوڑنے کا ہم اختیار رکھتے ہیں،یہ بالکل غلط ہے یہ قرآن وحدیث کے بالکل خلاف ہے۔اگر تم اللہ کو راضی کرنا چاہتے ہو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع تم کو کرنی ہوگی ہاں جہاں مشکل ہو پوچھو کسی اللہ والے سے کہ یہاں اس حکم میں مجھے مشکل پیش آتی ہے وہ تمہیں راستہ بتائے گا۔

چنانچہ جب امریکہ گیا وہاں پہنچے تو دیکھا کہ باتھ روم میں ہی وضو بھی کرنا ہوگا ہم نے تو ایسا حمام استعمال نہیں کیا تھا۔ہم تو دیہاتی آدمی ہیں جہاں پیشاب پاخانے کی

جگہ الگ اور وضو اور غسل کی جگہ الگ ہوتی تھی اور وہاں عالیشان قسم کے حمام لیکن جناب ایک ہی کمرہ ہے اسی کمرے میں آپ پیشاب بھی کیجئے وضو بھی کیجئے نہایئے بھی۔حمام آج کل تو سارے ایسے ہی ہوگئے ہیں۔تو میں حیران ہوا کہ میں اب حمام میں داخل ہو رہا ہوں تو میں وضو کر رہا ہوں اور حمام میں اللہ کا نام لینا منع ہے جہاں پاخانہ پیشاب کی جگہ ہے وہاں اللہ کا نام لینا منع ہے اور یہاں وضو کی دعائیں پڑھنا سنت ہے،کیا کروں؟ میں نے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خط میں اپنی یہ مشکل لکھی تو حضرتؒ نے جواب تحریر فرمایا کہ جب حمام میں پاخانہ پیشاب کی نیت سے جاؤ تو اس کی دعائیں پڑھ لو،اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔اور جب نکلو غُفْرَانَکَ اللّٰھُمَّ۔سنت کے مطابق دعا پڑھتے ہوئے نکلو۔اور جب وضو کی نیت سے جاؤ تو وضو کی دعائیں پڑھتے ہوئے جاؤ اس وقت وہ وضو خانہ ہے اور جس وقت پیشاب کے لئے جاؤ وہ پیشاب خانہ ہے۔دیکھئے بزرگوں سے پوچھنے سے پتہ چلتا ہے۔

شیخ محمد ابن اسلم رحمۃ اللہ علیہ بزرگ گزرے ہیں،انہوں نے تمام عمر اس وجہ سے تربوز نہیں کھایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربوز کھانے کا انداز ان کو معلوم نہیں تھا۔ہم آپ کبھی سوچتے ہیں؟ بیٹھ گئے کھانے کو جیسے چاہا کھالیا۔ارے اتنا تو کرو کہ اگر کوئی عذر نہیں ہے تو جتنا تم سے ہوسکتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے بیٹھ جاؤ ان کی وضع بناؤ۔کلام پاک کی آیات،احادیث شریفہ اور بزرگوں کے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ اتباع سنت ہی اصل دین ہے۔کیا یہ ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرانے کے لئے کافی نہیں ہیں؟ ایک بزرگ نے ایک مرتبہ سہواً بھول کر موزہ اول بائیں پیر میں پہن لیا تو اس کے کفارے میں جب تک ایک بڑی مقدار گیہوں کی خیرات نہ کر دی اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے کہ میں نے کیوں خلاف سنت یہ کام کیا۔آج ہم بالکل ہی بے حس ہوگئے ہیں۔جب چاہا کھڑے ہوکر

پانی پی لیا جب چاہا بیٹھ کر پانی پی لیا ۔چلو عذر ہے کھڑے ہو کر پانی پیو اس میں بھی نیت کرو سنت کی کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کھڑے ہو کر پانی پینا آیا ہے ۔ایک مرتبہ حج میں ایسا ہی ہوا میں بہت تھکا ہوا تھا میرے ساتھ ایک بزرگ تھے حکیم الامتؒ کے سلسلے کے خلفاء میں سے بڑے نیک آدمی،تو میں نے کہا کہ حضرت اس وقت میری حالت اس طرح کی ہے کہ پیاس بہت ہے گرمی کے دن تھے اور پانی میرے پاس ہے پانی پینا بھی چاہتا ہوں لیکن مجھ کو بیٹھ کر نہیں پینا بیٹھ کر پینے سے دل مخالفت کرتا ہے۔ایسا ہو جاتا ہے،کھڑے ہوئے تھے،بیٹھ جائیں بیٹھ کر پھر اٹھ جائیں،اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کیوں ہو رہا ہے ایسا؟انسان دور سے چل کر تھکا ہوا آ رہا ہے۔ تو انہوں نے بڑی اچھی بات فرمائی کہ آپ کھڑے ہو کر پی لیں لیکن سنت کی نیت سے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر بھی پیا ہے پانی۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کامل اتباع مطلوب ہے۔اگر تم صاحب نسبت بننا چاہتے ہو اگر تم چاہتے ہو کہ وہ تعلق تم کو نصیب ہو جو بزرگوں کو ہوتا ہے جس کے بعد قبر میں ٹھنڈک ہی ٹھنڈک ہے خوشبوئیں ہی خوشبوئیں ہیں ہر طرح کا آرام ہے اور زندگی میں بھی حیات طیبہ کا مزا مل جاتا ہے،اگر تم وہ چاہتے ہو تو کامل اتباع مطلوب ہے۔اور پوری سعادت مندی یہی ہے کہ تمام عادتوں میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا جائے۔اس سے دل کی حالت ٹھیک ہوتی ہے۔

دیکھئے اصل چیز تو دل ہے انسان کا اور انسان کے دل کے بارے میں ہے کہ انسان کا دل جو ہے وہ آئینے کی طرح ہے:

یوں بچا بچا کے نہ رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

تو دیکھئے دل کو آئینہ کہا ہے۔ایک دفعہ حضرت عارفیؒ کے پاس ایک بزرگ آ گئے اور کہا کہ صاحب دیکھئے میں آپ کے قلب کی طرف توجہ کرنا چاہتا ہوں اور

معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کے دل میں کیا ہے۔اب بتائیے اتنی بڑی ہستی کے پاس آ کے یہ کہہ رہے ہیں۔تھے وہ بھی اپنی جگہ پہ صاحب کمال ان کو یہ صلاحیت کشف تھی کہ قلب کے اوپر توجہ کریں تو حال معلوم کر لیں لیکن جب تک حضرت ہاں نہیں کہہ دیں تب تک نہیں ہو سکتا تھا۔عامل اور معمول میں یہ تعلق ضروری ہے کہ عامل جو کرنا چاہے تو معمول اسکے اوپر ہاں کہے اور دل سے قبول کرے ورنہ کچھ نہیں ہوتا۔تو ان بزرگ کو حضرت عارفیؒ نے فرمایا کہ ہاں توجہ فرمایئے مومن کا دل آئینہ ہے جو کچھ نظر آئے گا آپ کو اپنے ہی دل کا حال نظر آئے گا۔بس حضرتؒ کے یہ کہنے سے ختم ہو گیا ان کا سارا کشف۔خلاصہ یہ ہے کہ آئینہ ہے مومن کا دل اور اس آئینے کو ہم نے گندہ کر دیا ہے اس آئینے کو جب تک ہم چمکائیں گے نہیں حق تعالیٰ کی تجلیات کا گزر اس میں نہیں ہو سکتا جو کچھ بھی ہو گا شیطان ہی شیطان ہو گا۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب ہمارے دل میں یہ آیا ہے مگر آپ کو کیا پتہ کہ آپ کے دل میں شیطان نے یہ ڈالا ہو؟ کیا آپ کا دل شیطان کی دسترس کے محفوظ ہے؟ کیا اس کی صفائی ہو چکی ہے؟۔

اب سوال یہ ہے کہ آئینۂ دل صاف کیسے ہوتا ہے؟ آئینے کو صاف کرنے کے لئے چمکدار بنانے کے لئے تین چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ایک تو یہ کہ اسکو صیقل یعنی خوب ہموار کیا جائے کہ چمک اٹھے۔رگڑ رگڑ کر صیقل کرنا دل کا یہ ہے کہ نفس کے خلاف کیا جائے یعنی خواہشات کو ترک کیا جائے۔جتنا آپ نفس کے خلاف کریں گے اور خواہشات کو ترک کریں گے آئینے کی طرح سے دل صیقل ہو گا۔لیکن صرف اسی سے کام نہیں بنتا،آئینہ کا صاف شفاف ہونا بھی ضروری ہے کہ اس کے اندر میل کچیل نہ ہو۔اس کی صفائی کی تدبیر ذکر اللہ کی کثرت ہے۔یہ دو باتیں ہوئیں۔اور تیسری بات یہ ہے کہ اس آئینے میں ٹیڑھا پن نہ ہو اگر اس آئینے کی سطح صحیح نہیں ہے ٹیڑھا آئینہ ہے تو کبھی صورت صحیح نظر نہ آئے گی۔کجی والے دل میں اللہ تعالیٰ کی تجلیات

آپ کو کیا نظر آئیں گی؟ اس دل کے آئینے کی کجی کو دور کرنے کی تدبیر اتباع سنت ہے۔ جس قدر ہماری عادات ہمارا کھانا پینا ہمارا رہنا سہنا ہماری شادی غمی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق ہوگی تمام چیزیں اعتدال پر آجائیں گی اور دل کی کجی دور ہوجائے گی۔ چنانچہ اس دل کی کجی دور کرنے کے لئے ہمارے اولیاء نے اتنا اہتمام کیا ہے کہ ایک چھوٹی سی بھی سنت نہ چھوٹے، چھوٹی سی بھی سنت کے خلاف عمداً بلا عذر اگر کیا دل میں کجی آگئی۔ اور دل میں کجی آگئی تو اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا اس میں ظہور نہیں ہوسکتا۔ تو اس لحاظ سے بھی سنت کے اوپر عمل کرنا ضروری ہے ایسے دل کو لے کر آپ کیا کریں گے جس میں کجی ہو، کج دل میں تو کج باتیں آئیں گی جو کہ آ رہی ہیں آجکل، جو بات بھی جس سے پوچھو الٹی بتاتا ہے۔ دعا کیجئے اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے ہمیں اتباع سنت کی، جو اصل معیار ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا۔

۱۰۔ محبت حق

خطبۂ ماثورہ

أَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾. (الآیۃ۔سورۃ البقرۃ آیت ۱۶۵)

یہ ایک بڑی آیت کا ٹکڑا ہے۔ حکیم الامتؒ نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ جو لوگ ایمان لے آئے ہیں یعنی ایمان والے ہیں، مومنین ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں سب سے زیادہ مضبوط ہیں۔ اشد کا ترجمہ مضبوط کیا ہے۔ اس میں حق تعالیٰ نے ضروری مضمون ایسا بیان فرمایا ہے جس کے جاننے کی ضرورت ہم سب کو ہے۔ حق تعالیٰ نے اس آیت میں بلاتخصیص وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا فرمادیا۔ کوئی تخصیص نہیں ہے نہ متقی نہ غیر متقی کسی قسم کی تخصیص نہیں ہے۔ اس میں مسلمانوں کی یا مومنین کی ایک حالت کو بیان فرمایا ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ، حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ کیا محض حال بیان فرمانا مقصود ہے؟ یہ حال بتانے سے مقصود کیا ہے آخر؟ فرمایا کہ حال بتانے سے مقصود یہ ہے کہ یہ حکم ہے کہ ایسے بنو۔ اس حالت کو بیان کرنے سے مقصود حکم کرنا ہے یعنی ہر مسلمان کو چاہئے کہ خدا تعالیٰ کی محبت میں نہایت مضبوط ہو اور خدا تعالیٰ کے برابر کسی کی محبت اس کے دل میں نہ ہو۔ اور حدیث شریف سے بھی ثابت ہے یہی بات۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ایمان کیا چیز ہے؟ فرمایا یہ کہ بندہ اللہ اور رسول کو اور چیزوں سے سب سے زیادہ محبوب رکھے۔ حق تعالیٰ کی محبت ایسی چیز ہے کہ ساری دنیا ہی سے وحشت ہوجاتی ہے۔

ایک تم سے کیا محبت ہوگئی
ساری دنیا ہی سے وحشت ہوگئی

سوال یہ ہے کہ جو شان مسلمان کی خدا تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے وہ ہم میں پائی جاتی ہے یا نہیں؟ جب ایمان کی شرط اَشَدُّ حُبًّا کو فرما دیا تو اپنے دل کو ہمیں ٹٹولنا پڑے گا۔ بھئی ایمان تو بہت ضروری چیز ہے۔ ہر وقت دعا ہے اللہ تعالیٰ خاتمہ ایمان پر فرما دے ایمان تو سب کچھ ہے ایمان ہی اصل سرمایہ ہے ہمارا۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ ۔ اگر ہم میں ایمان کامل ہوگا تو ہم اللہ تعالیٰ کی محبت میں پوری طرح سے مضبوط ہوں گے اور اگر ایمان کمزور ہے تو یہ محبت مضبوط نہیں کمزور ہوگی۔ فرماتے ہیں حکیم الامتؒ کہ جس درجے کی محبت ہوگی اسی درجے کا ایمان ہوگا۔ مسلمان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت نہ ہو یہ ممکن نہیں ہے۔ یہ آیت یہی بتا رہی ہے۔ تو پتہ یہ چلا کہ جتنے مسلمان ہیں ان سب میں اللہ کی محبت موجود ہے۔ چنانچہ حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ کسی بھی مسلمان کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت نہیں ہے، یہ نہیں کہہ سکتے تھوڑی بہت سب کو ہے۔ پس اگر محبت کی نفی کی جائے گی تو ایمان کی بھی نفی کرنی پڑے گی حالانکہ ایمان اللہ کا شکر ہے ہم سب میں پایا جاتا ہے، ہم سب میں موجود ہے۔ الحمدللہ عورتوں میں بھی مردوں میں بھی ایمان موجود ہے، یہ شک نہیں کرنا چاہئے کہ ہمارے اندر ایمان نہیں ہے، ایمان تو ہے اور کسی نہ کسی درجے کی محبت بھی اسی وجہ سے ہے۔ اسی لئے کسی مسلمان کو منافق کہہ دینا صحیح نہیں ہے۔ صحابہ کرام ؓ میں سے ہر ایک سب سے زیادہ خود اپنے کو خراب سمجھتے تھے اور اپنے کو ہی منافق سمجھتے تھے۔ آج کل کتنی آسانی سے دوسرے کو منافق کہہ دیتے ہو، یہ کتنا برا حال ہے۔ صحابہ کا یہ حال کہ وہ اپنے کو منافق سمجھیں ہمارا یہ حال کہ ہم دوسرے کو منافق سمجھیں۔ تو حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان فاسق گناہ گار شرابی بھی ہے تو نہ صرف یہ کہ اس کے اندر محبت ہے بلکہ اشد محبت ہے کیونکہ یہ ایمان کی شرط بتائی گئی ہے، وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ، تو چاہے کیسا ہی فاسق و فاجر مسلمان ہوگا اس کے اندر محبت بھی ہوگی اور محبت کی مضبوطی بھی ہوگی۔ اشد کا ترجمہ مضبوطی سے کیا ہے۔ دونوں چیزیں

ہوں گی ایمان بھی اور اشد محبت بھی یا ایک بھی نہیں ہوگی۔ اور اس کی دلیل حدیث شریف میں بھی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص تھا جس کا نام عبداللہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو شراب نوشی میں سزا بھی دی تھی، ایک دفعہ وہ پھر لایا گیا اور سزا کا حکم ہوا۔ اس کو سزا دی گئی شراب نوشی کی تو ایک شخص نے کہا اے اللہ اس پر لعنت کر، کس کثرت سے اس کو لایا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر لعنت نہ کرو۔ واللہ میرا یہ علم ہے کہ یہ خدا اور رسول سے محبت کرتا ہے۔ فاسق و فاجر شخص بھی جو ایمان والا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے۔ جب شراب نوشی کے سزا یافتہ کو اور پھر دوبارہ لائے جانے کے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں کہ یہ اللہ اور اسکے رسول سے محبت رکھتا ہے تو ہم آپ کون ہیں جو دوسروں کے اوپر انگلیاں اٹھاتے پھریں؟ ہم آپ کو کیا حق ہے؟ اپنی خیر مناؤ، ہمارے دلوں میں تو خناس بھرا ہوا ہے۔ فرمایا حکیم الامتؒ نے کہ یہ مضبوطی محبت کی فاسق و فاجر مسلمان میں بھی ہوتی ہے۔ امتحان کے موقع پر یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے مثلاً اگر کسی مسلمان کے سامنے کوئی شخص خدا تعالیٰ کی شان میں یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے تو اگرچہ اس مسلمان کا ایمان نہایت کمزور ہو لیکن اس گستاخی کو سن کر اس قدر بے چین ہو جاتا ہے کہ ماں کی گالی سننے سے اس قدر بے چین نہیں ہوتا۔ آپ تجربہ کر لیجئے شرابی کو لے آیئے زنا کار کو لے آیئے کیسے ہی خراب شخص کو لے آیئے خدانخواستہ اس کے سامنے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی گستاخی کرے تو بے چین ہو جاتا ہے۔ کیا چیز ہے یہ؟ یہی محبت ہے۔ اور فرمایا اس درجے کی بے چینی بغیر محبت کی مضبوطی کے نہیں ہو سکتی۔ صرف محبت سے یہ حال نہیں ہوتا بلکہ محبت کی مضبوطی چاہئے تب جا کے یہ ہوتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ ہر مسلمان چاہے وہ کیسا ہی فاسق و فاجر ہو اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت ہے اور مضبوط ہے تب ہی تو وہ مسلمان ہے۔ بھئی کسی مسلمان کو حقیر نہ

سمجھو۔ایک عورت کا قصہ ہے انتقال کے وقت نزاع کے عالم میں یہ کہہ رہی ہے کہ **هٰذان رَجُلانِ يَقُولانِ اُدْخُلِي الجَنَّة**، یہ دو آدمی ہیں یہ مجھے کہتے ہیں کہ جنت میں داخل ہو جا اور یہ کہتے کہتے انتقال ہوا اور وہ بالکل پڑھی لکھی نہیں تھی جاہل تھی اس کو عربی کا بالکل پتہ نہیں تھا مگر صاف فصیح عربی بول رہی تھی **ھذان رجلان يقولان ادخلی الجنة**۔لوگوں کو تو سمجھ میں ہی نہیں آیا۔ایک عربی جاننے والے کو جو پڑھے لکھے تھے ان کو لے کے آئے کہ دیکھو کیا یہ بک رہی ہے۔انہوں نے سنا تو حیران رہ گئے کہ یہ تو بہت فصیح عربی بول رہی ہے۔پھر اس کا انتقال ہو گیا۔انتقال کے بعد لوگوں سے پوچھا گیا کہ بھئی آخر اس کا ایسا کیا عمل تھا،تو جاننے والوں نے کہا کہ یہ تو بڑی لڑاکا تھی اور کوئی ایسا نماز روزہ بھی نہیں کرتی تھی۔بلکہ اتنی لڑاکا تھی کہ جس وقت اذان ہوتی تھی اس وقت اذان کے درمیان میں اگر کوئی کام بھی کرے یا کچھ بولے یا کچھ بھی کرے اس وقت ہنگامہ کر دیتی تھی لڑلڑ کے۔لوگوں نے برائی بیان کی اسکی مگر اسی سے معلوم ہو گیا کہ یہ صفت تھی اس کی جس کی وجہ سے اسکا یہ انجام ہوا کہ اللہ کے نام کا، اور اذان کا اتنا ادب تھا۔جاہل تھی نماز نہیں پڑھتی تھی روزہ نہیں رکھتی تھی لیکن اللہ کے نام کا ایسا ادب کرتی تھی۔حق تعالیٰ کی محبت میں اشد تھی ایسی اشد تھی کہ رحمت کے فرشتے آ گئے اور اس کو جنت میں لے گئے کسی کو حقیر کیا سمجھیں؟

اب سنئے عبرت کی بات ہے۔اگر کوئی کہے کہ ہم تو خود اسلام کے ساتھ مسخرہ پن کرتے ہیں اور استہزاء کرتے ہیں ہمیں ذرا بھی بے چینی نہیں ہوتی تو ایمان کے لئے محبت کی مضبوطی کہاں لازم ہوئی؟ یہ ایک اشکال ہے کہ اگر کوئی شخص خود یہ کہے کہ صاحب آپ تو یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم تو مسلمان ہیں لیکن ہم خود اسلام کے ساتھ مسلمان ہوتے ہوئے مسخرہ پن کرتے ہیں اور اسلامی شعار کا مذاق اڑاتے ہیں اور ہمیں ذرا بھی بے چینی نہیں ہوتی تو اشکال یہ ہے کہ ایمان کے لئے محبت کیسے لازم ہوئی؟ مسلمان ہے مگر اس کو بے چینی نہیں ہو رہی ہے۔وہ خود ہی مذاق اڑاتا ہے۔

شعائر اسلامی کا مذاق اڑاتا ہے تو حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے یہ اشکال پیش کیا تو میں یہ کہوں گا کہ خدا کی قسم اگر کسی شخص کی یہ حالت ہے تو وہ ہرگز مسلمان نہیں ہے اگر چہ وہ اپنی زبان سے اپنے آپ کو مسلمان کہے اور اگر چہ وہ کسی مسلمان کے گھر پیدا ہوا ہو۔عبرت کی بات ہے۔

حکیم الامتؒ ایک قصہ بتاتے ہیں کہ ایک صاحب آئے۔کسی گاؤں کا قصہ ہے۔ وہ داڑھی منڈاتے تھے۔ان سے جب داڑھی رکھنے کو کہا تو کہنے لگے کہ داڑھی تو بکرے کی ہوا کرتی ہے۔نعوذ باللہ۔حکیم الامتؒ نے کہا افسوس! کیا یہ بات کفر نہیں ہے؟ داڑھی نہ رکھنا گناہ ہے لیکن ایسی بات کہنا کفر ہے۔ہوش میں آ جائیں مسلمان۔ شعائر اسلامی کا مذاق نہ اڑائیں۔پھر فرماتے ہیں ایسا شخص جس کو معلوم ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی رکھی تمام پیغمبر علیہم السلام داڑھی رکھتے تھے۔سب صحابہ کرامؓ نے داڑھی رکھی پھر وہ کہے کہ داڑھی تو بکرے کی ہوتی ہے تو کیا آپ لوگ انصاف کی رو سے اس کو مسلمان کہیں گے؟ جس طرح ہر عقلمند جانتا ہے کہ عدالت کی توہین سلطنت کی توہین ہے۔

اسی طرح شریعت کے کسی حکم کی توہین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اللہ کی توہین ہے۔سمجھ لو اچھی طرح سے۔ٹیلی ویژن دیکھتے دیکھتے ہم سب رفتہ رفتہ ایسے مزاح کے عادی ہوتے جا رہے ہیں جو ایمان سوز ہے۔حکیم الامتؒ کے الفاظ پڑھتا ہوں:''پس اگر خدا تعالیٰ کی توہین کرنے کے بعد بھی ایمان نہیں جاتا تو گویا ایمان گوندھ ہے جو کسی طرح چھٹتا ہی نہیں۔صاحبو ایمان اتنا سستا اور اتنا بے غیرت نہیں ہے کہ اس کو دھکے دو اور وہ لٹکا رہے،آجکل اکثر مسلمان توہین والی باتیں کہتے ہیں اور کرتے ہیں اور پھر اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں یہ اچھا اسلام ہے کہ تمسخر اور اہانت سے بھی نہیں جاتا! افسوس ہے کہ اپنی ماں کے متعلق تو دوسروں سے بے موقع الفاظ نہ سن سکے اور اسلام کے متعلق خود خرافات اور مسخرہ پن پر آمادہ ہو! ایسے لوگوں کا نکاح

ٹوٹ جاتا ہے اور اولاد جو بھی بعد میں ہوگی حرامی ہوگی۔ پس یہ شبہ جاتا رہا کہ مسخرے پن کے بعد بھی ہم تو مسلمان ہیں۔"

اسی لئے ایسے مذاقوں سے دور بھاگو۔ بزرگوں نے جو مزاح فرمایا ہے وہ بہت مصلحتوں سے ضرور تا کیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاح الگ تھا بالکل۔ ان کو اپنے اوپر قیاس کرنا لاحول ولاقوۃ، ہم گندے ہیں ہمارا مزاح گندہ ہے کبھی بھی ایسی باتیں مت نکالو مزاح کی کہ کہیں کفر تک بات نہ پہنچ جائے۔ ہم تو عملاً توہین میں بھی مبتلا ہوتے ہیں، ہم مسجدوں میں موسیقی اپنے موبائل پر بجوائیں یہ توہین نہیں ہے کیا؟ کیا اپنے موبائل کی دھن نہیں بدل سکتے؟ کیا عملاً یہ علی الاعلان توہین نہیں ہے؟ ڈرنے کی بات نہیں ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو اسلئے بھیجے گئے تھے کہ وہ ہمارے لئے بہترین نمونہ ہیں۔ ہمیں ان کی نقل کرنا ہے مگر افسوس ہم علی الاعلان ان کی مخالفت کریں؟

بہر حال جو مسلمان ہوگا اس کو خدا کی محبت ضرور ہوگی اور مضبوط ہوگی مگر اس میں درجے مختلف ہوں گے۔ درجے حضرت نے تین بتائے ہیں اب ہمیں اپنے آپ کو ٹٹول کر دیکھنا ہے کہ ہم کہاں ہیں۔ مضبوطی کا ایک درجہ تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی گستاخی سن کر بے چین ہو جائے۔ یہ کم سے کم درجہ ہے۔ کم سے کم درجہ ایمان کا یہ ہے کہ گناہ کو بُرا سمجھے، بے چین ہو جائے۔ یہ بے چینی جو مطلوب ہے وہ عقلی ہے چاہے طبیعت پر اثر نہ ظاہر ہو۔ دوسرا درجہ محبت کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا ذکر ہی سن کر دل میں ایک ولولہ اور جوش پیدا ہو اور نافرمانی کو چھوڑ دے، یہ اس سے اعلیٰ درجہ ہے، اور یہ سوچے کے خدا تعالیٰ کے اس قدر انعامات مجھ پر ہیں اور اس قدر فضل وکرم ہے حالانکہ دنیا میں اگر چار پیسے ہم کو کوئی دیتا ہے اس کی کس قدر اطاعت کی جاتی ہے تو جب چار پیسے دینے والے کی اس قدر اطاعت ہوتی ہے تو خدا تعالیٰ کی اطاعت تو اس سے کہیں زیادہ ہونی چاہئے۔ ہم اپنی ملازمت کے اوپر اپنے افسروں کی کتنی اطاعت کرتے ہیں اور حق

تعالیٰ جو ہمیں سب کچھ دے رہے ہیں ان کی کوئی بھی اطاعت نہ کریں اور پھر انہی سے مانگتے بھی رہیں۔ یہ سوچیں کہ جب انہی سے مانگنا ہے تو پھر کیا ان کی اطاعت نہ کریں بلکہ انہی کی مخالفت کریں؟ غرض خدا تعالیٰ کا نام اور ان کا حکم سن کر یہ خیالات اطاعت کے پیدا ہونے چاہئیں۔ یہ دوسرا درجہ محبت کا ہے اور پہلے درجے سے بہتر ہے۔ تیسرا درجہ محبت کا یہ ہے کہ اس خیال کے ساتھ ہی اس پر عمل بھی شروع کر دیا یعنی جس قدر نافرمانی کا سامان تھا سب کو الگ کر دیا، اگر اپنے پاس جاندار کی تصویریں تھیں ان کو چاک کر ڈالا۔ جاندار کی تصاویر متفق علیہ حرام ہیں یاد رکھئے گا چاہیں تو فتویٰ دیکھ لیجئے گا تمام پرانی کتابوں میں۔ اگر اپنے پاس تصویریں تھیں تو ان کو چاک کر ڈالا اور اگر حرام کی کمائی تھی تو مالک کو واپس کر دیا اگر مالک نہ مل سکے تو مالک کی طرف سے صدقہ کر دیا اگر نماز نہ پڑھتے تھے تو نماز شروع کر دی پاجامہ اگر ٹخنوں سے نیچے تھا اس کو کاٹ کر ٹخنوں سے اوپر کر لیا یہ پختہ قصد کر لیا کہ کوئی حرکت حکم کے خلاف نہ کریں گے اور اس قصد کو نباہ دیا، یہ درجہ سب سے بڑھ کر ہے۔ یہ ہے محبت عقلی، یہ ہے وہ محبت جو مطلوب ہے۔ محبت کے مختلف درجے مزید نکل سکتے ہیں لیکن حکیم الامتؒ نے مختصر کر کے تین درجوں میں بانٹ دیا۔ ایمان کے لئے یہ محبت لازم ہے اور یہی بات حق تعالیٰ نے اس آیت میں ہمیں بتلائی ہے اور مقصود بتلانے سے یہ یاد دلانا ہے کہ تم محبت پکی اختیار کرو جسکی علامت کامل فرمانبرداری ہے اور اس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص اپنے نوکروں سے یہ کہنے لگے کہ جو نوکر ہمارا وفادار ہوگا وہ ہماری اطاعت کرے گا یہ اعلان کر دیا کہ صاحب جو ہمارا وفادار ہے وہ ہماری اطاعت کرے گا۔ کیا اثر ہوگا نوکر پر؟ کیا اثر ہوگا، سوچ لیں اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر۔ جو وفادار ہے ہماری اطاعت کرے گا، اس جملے سے نوکر کیا سمجھے گا؟ یہ سمجھے گا کہ مالک حکم فرما رہا ہے اطاعت کا اور جس قدر اطاعت میں کمی ہوگی اسی قدر وفاداری میں بھی کمی سمجھی جائے گی تو خدا تعالیٰ نے بھی اسی بات کے ذریعے سے ہم کو اطلاع کی ہے کہ تم مضبوط محبت اختیار کرو۔

اپنے قلب کوٹٹول کر دیکھئے کہ اپنے اندر آپ کس درجے کی محبت پاتے ہیں حق تعالٰی کی محبت کا آپ کو کونسا درجہ حاصل ہے یہ پتہ کیسے لگے؟ اس کی ایک کسوٹی ہے۔ پرکھ سکتے ہو، اپنے آپ کو پرکھ سکتے ہو اگر واقعی چاہتے ہو پرکھنا۔ محبت کو پرکھنا چاہتے ہو مجازی محبت کے بارے میں سوچو عشق مجازی کے بارے میں کسی کو کوئی تجربہ ہوا ہو تو وہ خوب جانتا ہے ورنہ قصے تو پڑھے ہوئے ہیں کہ کیا حال ہوتا ہے، ایک حال یہ ہوتا ہے کہ بس اس کا تذکرہ کئے بغیر چین نہیں ملتا، محبت جس سے ہوتی ہے اسکا تذکرہ بار بار آئے گا بار بار آئے گا، محبت کے آثار میں دو باتیں ہیں ایک اس کا ذکر بار بار آئے گا اول تو ہر وقت ہی یاد کہ کوئی وقت ایسا نہیں گزرتا جس میں محبوب کی یاد سے دل پُر نہ ہو۔ چنانچہ ہمارے بعض اہل اللہ کا تو حال ہی یہ ہے، سارے اہل اللہ کا یہی حال ہوتا ہے، کیونکہ اہل اللہ کو محبت ہے۔ ہمیں بھی یہ محبت کا مزہ چکھنے کو مل جائے تو پتہ چل جائے۔

نوک غمزے کی ہو جس دل میں چبھی
اس سے پوچھے چاشنی اس درد کی

اس چاشنی محبت حق کو ہم کیا جانیں۔ عشق الٰہی کی تڑپ کیا ہوتی ہے ہمیں کیا پتہ؟

وہ جانے اس تڑپنے کے مزے کو
گزر جس دل میں حضرت عشق کا ہو

یہ محبت حق ہر ایک کو نہیں ملتی۔

سرمد غم عشق بوالہوس را نہ دہند

سرمد شاعر کا نام ہے، یہ جو عشق ہے محبت ہے اللہ تعالٰی کی یہ بوالہوس کو نہیں ملتی۔ بوالہوس اس کو کہتے ہیں جو اپنی شہوت کے تقاضوں پہ اپنے نفس کے تقاضوں کے اوپر لپکتا ہے۔

سوز غم پروانہ مگس را نہ دہند

پروانے کا سوز کہیں مکھی کو مل سکتا ہے؟ مکھی کی خاصیت ہے کہ جہاں دیکھا بیٹھ گئی،

پاخانہ پر بھی بیٹھ جائے گی کھانے پر بھی بیٹھ جائے گی مٹھائی پر بھی بیٹھ جائے گی۔ مکھی بوالہوس کی مثال ہے کہ نفس کے تقاضے کی مخالفت نہیں کر سکتی۔

محبت کے آثار میں سے ایک تو یہ ہے کہ ہر وقت کی یاد کہ کوئی وقت ایسا نہیں گزرتا جس میں محبوب کی یاد سے دل پُر نہ ہو اور دوسری نہایت خوشی سے اطاعت کرنا اس میں ذرا بھی کلفت نہ ہونا یہاں تک کہ اگر وہ گھر بھی مانگ لے تو دریغ نہ کرے۔ جیسے واقعات ہوئے ہیں آپس کی محبت میں ہو جاتے ہیں دوستوں کی۔

حکیم الامتؒ نے لکھا ہے کہ ایک شخص کا دوست آ گیا رات کو دو بجے انہوں نے کہا میرا دوست مجھے بلا رہا ہے چنانچہ گھر سے اشرفیوں کی تھیلی، گھوڑے، ملازم، کنیزیں جتنی بھی چیزیں اس کے پاس تھیں لے کر نکلا کہ پتہ نہیں دو بجے رات کو وہ آیا ہے کس چیز کی ضرورت ہوگی ساری چیزیں لے کر جو بھی ہے سب حاضر ہے مقابلے پر جانا ہے تو ہم تیار ہیں پیسہ کی ضرورت سے ہو تو پیسے کی تھیلی لے کر آیا۔ ساری پونجی اٹھا کر لے آیا، یہ دوستی یہ محبت ہے۔ کیا اللہ تعالٰی سے ہمیں بھی ایسی محبت ہے؟ دل کو ٹٹولئے۔

فرماتے ہیں حکیم الامتؒ کہ انہی دو چیزوں کو رکھ کر اپنے کو جانچئے اور دیکھ لیجئے کہ چوبیس گھنٹوں میں آپ کتنی دیر خدا تعالٰی کو یاد کرتے ہیں خاص کر جبکہ ہر وقت اس کی نعمتوں میں سر سے پاؤں تک ڈوبے ہوئے ہیں، بھئی نعمتوں کی کوئی انتہاء ہے؟ حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ صاحبو یہ باتیں بھولنے کی نہیں ہیں۔ تم خدا کے دیئے ہوئے مکانوں میں رہتے ہو اس کا دیا ہوا کھانا کھاتے ہو اس کی دی ہوئی اولاد سے فائدہ اٹھاتے ہو لیکن اس کو یاد نہیں کرتے۔ دیکھو اگر کوئی دوست تم کو دو آم بھیج دے تو دل میں اس کا تصور اور خیال ضروری رہتا ہے ذرا انصاف سے بتلایئے خدا تعالٰی کا دیا ہوا کھانا دونوں وقت تمہارے سامنے آتا ہے لیکن تم نے کسی دن بھی کھاتے وقت خدا تعالٰی کو یاد کیا ہے؟ سارا کھا جائیں گے لیکن کسی لقمے پر یہ خیال بھی نہ ہوگا کہ یہ خدا

تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت ہے یہ دوسری بات ہے کہ عقیدہ درست ہونے کے سبب کسی کے پوچھنے پر ہم کہہ دیں کہ یہ خدا تعالیٰ نے ہم کو دیا ہے۔ کیوں صاحب کیا اسی منہ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے پکی محبت ان کی طلب کے موافق ہے اور ہم کامل ایماندار ہیں؟ دیکھ لیجئے کہ اس کی خاصیتیں ہم میں کس حد تک پائی جاتی ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ہم میں محبت کی وہ خاصیتیں موجود ہیں جو ادنیٰ مسلمانوں میں پائی جاتی ہیں جیسے یہی کہ اس کی گستاخی کو سن کر بے چین ہو جانا تو میں کہوں گا کہ آپ کو انہی خاصیتوں پر قناعت ہے؟ یہ جو خاصیت ہے کہ اللہ اور رسول کی گستاخی پر بے چین ہو جانا یہ تو ہمیں حاصل ہے صاحب باقی تو ہمیں حاصل نہیں۔ حق تعالیٰ کی یاد نہیں رہتی اور خوشی خوشی ان کی فرمانبرداری نہیں کرتے۔ صاحبو ذرا غور کر کے دیکھو کے تمہارے پاس سوائے ایمان کی دولت کے اور دھرا کیا ہے؟ پھر اگر اس کے بھی ادنیٰ درجے پر قناعت کر لو تو غضب ہے۔ تو ایمان کے ہی ادنیٰ درجے پر قناعت کرنا چاہتے ہو یہ دھوکہ ہے، دھوکے والا معاملہ ہو رہا ہے، کسی اور چیز میں تو تم ادنیٰ درجے پر قناعت نہیں کر رہے ہو ایک ایمان ہی ہے کہ بس ادنیٰ درجے پر قناعت کر کے بیٹھ گئے کہ صاحب کسی نے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کی ہم بے چین ہو گئے بس یہ کافی ایمان ہمارے پاس ہے۔

اگر کسی کو دنیا کی دولت پر ناز ہو اور اس وجہ سے کامل ایمان کی دولت کا طالب نہ ہو تو یاد رکھو یہ دولت بہت جلد تم سے چھوٹ جانے والی ہے یا تم اس سے بہت جلد چھوٹ جانے والے ہو۔ ظاہر ہے موت آئے گی۔ سب سے بڑا سرمایہ ہمارا ایمان ہے اس ایمان کے درجے کو ہم سب سے کم پر لئے بیٹھے ہوئے ہیں ہر طرح کی منکرات اور خرافات میں ہم آلودہ ہیں۔ اللہ کا ذکر صفر، اللہ کی اطاعت کبھی کرتے بھی ہیں تو انتہائی تکلیف کے ساتھ کراہت کے ساتھ۔ ایمان کے اس کم درجہ پر بھروسہ کیسے کر بیٹھے؟ ایمان ہی تو ہے جو چند روز بعد قبر میں بھی ساتھ دے گا، پھر پل صراط پر بھی

کام آئے گا، اس کے بعد میزان کے تولنے پر بھی کام آئے گا تو اگر اس کے کمال کی طلب نہ ہو تو ستم ہے ظلم ہے۔ پھر سے سن لیجئے کہ بس ایمان ہی وہ دولت ہے جس سے ہماری نجات ہوگی۔ اعمال صالحہ بھی بعد کی بات ہے، اور ہمارے اعمال کیا ہیں؟ کیا ہمارے اعمال، اعمال صالحہ ہیں؟ جب اعمال بھی صفر ہیں اور چند روز بعد یہ ایمان ہی وہ واحد چیز ہے جو قبر میں ساتھ دے گا پھر پل صراط پر کام آئے گا اسکے بعد میزان کے تولنے پر کام آئے گا تو اگر اس کے کمال کی طلب نہ ہو تو ستم ہے اس لئے یہ دیکھنا ضروری ہوا کہ اس کا کمال ہم کو حاصل ہے کہ نہیں۔

صاحبو آپ کو اس کی تکمیل کی طرف توجہ کرنی چاہئے اس طرح سے کہ اس کے آثار یعنی ہر وقت خدا کی یاد اور اسکی اطاعت اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے لیکن یاد اس کو نہیں کہتے کہ محض زبان سے رٹ لیا اور دل میں وہی دنیا کی خرافات بھری ہیں، ہر وقت وہی خرافات، حج پر بھی آئے ہیں تو بھی وہی دنیا کی خرافات! ہر وقت وہی تذکرے لئے بیٹھے ہوئے ہیں۔ مسجدوں میں بھی وہی تذکرے ہیں۔ مجالس میں بزرگوں کی جاتے ہیں تو بھی وہی تذکرے لے کے بیٹھ جاتے ہیں۔ تم بزرگ کی مجلس میں آئے ہو اپنے شیخ کی مجلس میں آئے ہو اپنی اصلاح کرانے آئے ہو تو ہمہ تن متوجہ ہو جاؤ تمہیں کیا ضرورت ہے کسی اور کی طرف متوجہ ہونے کی، فلاں جگہ ایسا حادثہ ہو گیا، فلاں مسئلہ ہو گیا۔ اخبار میں یوں آیا ہے، لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا سے کسی نے مجلس میں دنیا کی مذمت کی یہ دنیا ایسی ہے خراب ہے رابعہ بصریہ نے کہا تمہارے دل میں دنیا بھری ہوئی ہے اسی لئے تم اس کا ذکر کرتے ہو۔ ذکر ہی کیوں آیا تمہارے دل میں؟ مذمت کے ساتھ ہی صحیح مگر کیوں آیا۔ جیسے کسی نے شیطان کو برا بھلا کہا تو فرمایا کہ اتنی دیر تک اپنے اللہ کو نہیں یاد کروں شیطان پر لعنت بھیجنے کی بجائے؟ حق تعالیٰ کی محبت جس کے دل میں ہوگی وہ ان خرافات میں پڑے گا اخباروں کو دیکھے گا انٹرنیٹ کو دیکھے گا اور پھر اس کے اوپر بحث

کرے گا تکرار کرے گا خبروں کو پھیلائے گا؟ ایسی یاد سے کچھ فائدہ نہیں۔ جیسے کوئی طوطے کو نبی جی نبی جی بھیجو یاد کرائے وہ ہر وقت اسی کو رٹا کرے اور جب بلی آ کے دبائے گی تو سوائے ٹاں ٹاں کے کچھ بھی یاد نہ آئے گا یہ ذکر بھی ایسا ہی ذکر ہے۔ ذکر تو وہ ہے کہ دل اور زبان سب اسی میں محو ہو جائیں۔ گو یہ حالت رفتہ رفتہ حاصل ہو مگر اس کا خیال تو رہنا چاہئے۔ پس ایک اثر ایمان اور محبت کا یہ یاد ہے محبت کا دوسرا اثر اطاعت اور بندگی کی آسانی ہے تو اس کو بھی دیکھ لیجئے کہ خدا تعالیٰ اور رسول کا حکم سن کر ہماری کیا حالت ہوتی ہے کیا اکثر لوگوں کو اللہ اور رسول کی فرمانبرداری گراں نہیں ہوتی؟ غور سے سنئے۔ یہ مت سمجھئے کہ ہم پاک ہیں ارے صاحب جب یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں ﴿وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي﴾ کہ میں تو اپنے نفس کو پاک نہیں بتاتا تم کیسے اپنے نفس کو پاک بتاتے ہو کہ ہم تو محبت میں سرشار ہیں؟ صحابہ کرامؓ اپنے کو منافق کہیں اور ہم اپنے آپ کو بڑے پاک بڑے اللہ کی محبت والے بتا رہے ہیں۔ جہاں دعویٰ وہاں غلطی۔ دعوے کے تو الفاظ منہ پر لانے ہی نہیں چاہئیں۔ حکیم الامتؒ فرماتے ہیں خدا کی قسم بعض کی تو یہ حالت ہوتی ہے یعنی ان کو اللہ کا حکم بتایا جائے تو یہ حالت ہوتی ہے کہ جیسے کسی نے گولی ماردی ہو یہ حالت ہے ہمارے اعمال کی، اپنے اعمال کا جائزہ لے لیجئے کہ کیا اللہ تعالیٰ کا ہر حکم ہم ہنسی خوشی ماننے کو تیار ہو جاتے ہیں؟ تو کیا ہمیں محبت کا وہ درجہ حاصل ہے جو ہمیں مطلوب ہے؟

حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ ہر عمل اور ہر خُلق میں ہم نے شریعت کے خلاف ایک نرالا طریقہ اختیار کر رکھا ہے گویا اسلامی شریعت کے مقابلے میں دوسری شریعت بنائی ہوئی ہے۔ مثلاً شادی اور غمی کی رسمیں ہیں، یہ وعظ تو ہے اللہ کی محبت کا اور مضمون ہے اشد حبا للہ کا اور جب آثار محبت کا ذکر فرمایا ہے تو اس کے بعد مثال دے رہے ہیں شادی اور غمی کی؟ وجہ کیا ہے؟ دیکھئے ایک اور آیت ہے کلام پاک کی اس کے اندر مسلمان جو محبت کرنے والے ہیں ان کی تعریف میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ لومة

لائم کی پروا نہیں کرتے یعنی لوگوں کی ملامت کی پروا نہیں کرتے تو جس کو اللہ کی محبت ہے اس محبت کی خاصیت یہ ہوگی کہ لوگوں کی ملامت کی پروا نہیں کرے گا، ارے صاحب لوگوں کی ملامت کی اگر پروا ہے تو اللہ کی محبت مطلوبہ تو پھر ہے نہیں، اللہ کی محبت نام کو ہے، کسی کام کی محبت نہیں ہے اگر آپ لوگوں کی ملامت کے خیال سے کسی معمولی درجے کی بھی سنت کو چھوڑ دیں۔ چنانچہ اس کے اوپر سخت وعید ہے۔ اگر کوئی شخص ایک معمولی سی بھی چیز کو مثلاً ٹوپی پہننے سے صرف اس وجہ سے کترائے کہ لوگ ملامت کریں گے تو کفر کے قریب ہو جائے گا کہ سنت کو محض لوگوں کے لئے چھوڑتا ہے، ہاں اپنی آسانی کے لئے کسی راحت کے لئے چھوڑ دیتا ہے ٹھیک ہے محرومی ہوگئی اس کو سنت سے لیکن لوگوں کی ملامت کے لئے مخلوق کو راضی کرنے کے لئے سنت کو چھوڑ دے تو کفر کے قریب ہو جاتا ہے تو لَوْمَةَ لَائِمٍ یعنی ملامت کرنے والوں کی پروا نہ کرو اتنی سی بھی نہ کرو۔ چنانچہ شادی و غمی کی رسمیں یہ صرف اس لئے کی جاتی ہیں کہ لوگوں کی ملامت نہ ہو چنانچہ حکیم الامتؒ نے وعظ میں محبت کے آثار بیان کرنے کے بعد جو پہلی چیز بیان فرمائی وہ شادی غمی کی رسمیں ہیں کیا آج کا مسلمان یہ کہہ سکتا ہے اس میں شریعت کے خلاف نہیں ہے؟ شادی اور غمی کی رسمیں دو قسم کی ہیں ایک تو وہ ہیں جن کا قبیح اور خراب ہونا نہایت ہی ظاہر ہے اور شریفوں اور دینداروں نے ان کو بالکل ہی چھوڑ دیا ہے اب رذیل اور فاسق اس میں گرفتار ہیں جیسے ناچ اور رنگ وغیرہ۔ اور بعض وہ رسمیں ہیں جن کی قباحت اتنی ظاہر نہیں ان میں عام اور خاص لوگ قریب قریب سب گرفتار ہیں اور ان کو بالکل جائز سمجھا جاتا ہے بلکہ بسا اوقات تقویٰ بگھارنے کے طور پر کہہ دیا جاتا ہے کہ ہم نے شادی میں کون سی رسم کی؟ نہ ہمارے ہاں ناچ ہوا نہ باجا سنایا گیا پھر ہم نے کیا گناہ کیا؟ تو میں بتلاتا ہوں کہ آپ نے کیا گناہ کیا لیکن آپ پہلے مجھے یہ بتلا دیجئے کہ گناہ کہتے کس کو ہیں؟ ظاہر ہے جو کام شریعت میں منع ہو وہ گناہ کہلاتا ہے چاہے وہ ناچ ہو یا دوسرا کام ہو کیونکہ ناچ بھی

تو اسی واسطے حرام ہوا کہ شریعت نے اس کو حرام اور جرم قرار دیا ہے یا نہیں؟ حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ کیوں صاحبو آج سے آٹھ دن پہلے بھی تو یہ بہن آپ ہی کی بہن تھی پھر کیا آپ نے کبھی اس کی خبر لی تھی یا آج ہی شادی کا دن رہ گیا تھا اس کے لئے؟ اب تو آپ کا صلہ رحمی ہو گیا تب کیا کوئی صلہ رحمی نہیں تھی؟ دوسرے اگر یہ صلہ رحمی ہے تو تمام برادری کو دکھلانے کی کیا ضرورت؟ کیا کبھی کسی لڑکی کے لئے کپڑا خریدتے وقت یا اس کو کھلاتے پلاتے وقت بھی آپ نے برادری کو جمع کیا تھا؟ اگر نہیں تو جہیز دیتے وقت برادری کو کیوں جمع کیا جاتا ہے؟ پتہ چلا محض فخر اور نمود کے لئے ایسا کیا جاتا ہے اور رسمیں محض شہرت کے لئے ہیں اور شہرت کے لئے جو کام کیا جاتا ہے وہ حدیث کی رو سے حرام ہوتا ہے تو سب رسمیں حرام ہیں۔ یہ اللہ کی محبت کے بالکل خلاف ہے اور پھر فرمایا ہے کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ صاحب ہم کو تو قرض نہیں لینا پڑتا تو اول تو یہ جواب ماننے کے قابل نہیں کیونکہ ہر حیثیت کا آدمی اپنی حیثیت سے زیادہ ہی خرچ کرتا ہے اور اس کے لئے قرض لینا لازمی ہے دوسرے اگر مان بھی لیا جائے کہ ان کو قرض لینا نہ پڑے گا تو کم از کم اسے اپنے غریب بھائیوں کا خیال تو ضرور کرنا چاہئے کہ ہم کریں گے تو حرص کے مارے وہ بھی کریں گے اور تباہ ہوں گے اس لئے ہم بھی نہ کریں۔

یہ سب بیان کرنے کے بعد حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ اب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل بھی سنو کیونکہ محبت اگر ہے تو ان کی نقل کرو گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی کر کے دکھلا دیا ہے کہ شادی ایسے کرنی چاہئے ایسے ہی اپنے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غمی کر کے بتلا دیا کہ غمی یوں ہونی چاہئے پھر جب ہم نے اس کے موافق نہ کیا اور ہر کام میں اپنی ٹانگ اڑائی اور اس کا خلاف ہم کو گراں ہوا تو اطاعت میں آسانی ہم کو کہاں حاصل ہے؟ پھر کامل محبت کہاں ہوئی؟ اس محبت کا اثر تو یہ ہے کہ اطاعت میں سہولت پیدا ہو اور جبکہ

ہم نے بالکل شریعت کے خلاف کیا تو ہم کو محبت کا وہ درجہ حاصل نہیں ہے جو ہونا چاہئے۔ معاشرت ہماری گندی ہو چکی ہے۔ ہمارا حال تو ایسا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگر آ جائیں تو ہمیں دیکھ کر یا تو ہمیں قتل کرا دیں یا پھر پاگل کہیں، یہ تم نے حلیہ بنا رکھا ہے! یہ گھر کا تمہارے انداز ہے! یہ تمہارا رہن سہن ہے! یہ تمہارے کھانے پینے کا انداز ہے! تم نے کونسی چیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق بنائی ہے؟ اور محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہو۔ ہمارے حضرت عارفیؒ کا قول ہے تمہیں ہر جائز کو کرنا کیا ضروری ہے؟ اتباع سنت ضروری ہے۔ پس اپنے دلوں کو ٹٹولو کہ خدا تعالیٰ سے محبت کامل ہے یا نہیں، اگر نہیں ہے تو اسکے حاصل کرنے کی تدبیر کرو۔

اور حق تعالیٰ کی محبت کامل حاصل کرنے کی تدبیر یہ ہے کہ اپنے نفس کی اصلاح کراؤ۔ مگر نرا وظیفہ اصلاح کے لئے ہرگز کافی نہیں ہے نرے وظیفے والے پیروں سے واللہ ثم واللہ جو کبھی اصلاح ہو۔ ایسے پیروں کے پاس مت جاؤ جو خالی وظیفہ بتاتے ہوں اور گناہ نہیں چھڑاتے۔ اصلاح تو ہوتی ہے اصلاح کے طریقے سے اور وہ طریقہ ان چار باتوں پر مشتمل ہے۔ ایک یہ کہ اعمال میں ہمت کر کے شریعت کے پابند رہو، دوسرے اللہ اللہ کرو تنہائی میں بیٹھ کر، اور تیسری بات یہ بہت ضروری ہے کہ اہل محبت کی صحبت اختیار کرو، اور چوتھے یہ کہ ان کی غیر موجودگی میں وہ جو باتیں بتائیں ان پر عمل کرو۔ سب سے بڑی بات ہے کہ اہل محبت کی صحبت اختیار کرو اسی سے لوگ بھاگتے ہیں اور شیطان بھی پوری کوشش کرتا ہے کہ اہل اللہ سے بھگائے۔ اول تو اس طرف توجہ ہی نہیں کہ کسی بزرگ کی خدمت میں جا کر رہیں بس تھوڑی سی کتابیں پڑھ لیں اور سمجھ لیا کہ ہم کامل ہو گئے مکمل ہو گئے، بھلا نری کتابوں سے بھی کوئی مکمل ہوا ہے؟ لہٰذا پیر کامل کی صحبت لازمی ہے۔ پھر تو ایسا ہوتا ہے مرید بھی پیر سے بڑھ جاتا ہے مگر ابتداء میں تو شیخ کامل کی صحبت کے بغیر چارہ نہیں ہے۔

اہل محبت کے پاس جاؤ اور جو وہ کہیں کرو تھوڑے دنوں میں دل نور سے معمور

ہوجائے گا اور خدا کی قسم تم اس قدر محظوظ ہوگے کہ تمہاری نظر میں سلطنت کی بھی کچھ حقیقت نہیں رہے گی۔ ایک جگہ فرماتے ہیں جناب میرے پاس قسم سے زیادہ کوئی ذریعہ یقین دلانے کا نہیں، اے صاحب میں مکرر قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو اس طریق سے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرے گا، یہ جو چار باتیں بتائی ہیں، وہ ایسا ہوجائے گا کہ پھر اس کو نہ موت کا خوف ہوگا نہ نمونیہ کا نہ بخار کا نہ قحط کا نہ وبا کا۔ کوئی غم نہ رہے گا بس بالکل جنت کی سی حالت ہوجائے گی ہاں غم ہوگا تو ایک کہ کہیں اللہ میاں تو ناراض نہیں، خدا کے نزدیک میں کیسا ہوں وہ مجھ سے راضی ہے یا نہیں، پس اس غم کے سوا کوئی غم نہ ہوگا مگر یہ غم ایسا لذیذ ہے کہ ساری خوشیاں اس پر نثار۔ ایسے شخص سے اگر کوئی کہنے لگے کہ لاؤ تمہارا غم یہ ہم لے لیں اور اپنی ساری خوشیاں تمہیں دے دیں، کبھی تیار نہ ہوگا۔ تو حضرت یہ دولت ملے گی اہل اللہ کے پاس جانے سے اور ان کا اتباع کرنے سے۔

قال را بگزار مرد حال شو
پیش مرد کاملے پامال شو

بھئی باتوں میں کچھ نہیں رکھا، اپنی حالت درست کرو اور کسی شیخ کامل کے سامنے پامال ہو۔ یعنی کسی کو بڑا بنا کر جو وہ کہے وہ کرے اس پر پورا اعتماد کرے۔ تو حاصل طریق یہ ہے کہ اعمال میں ہمت کر کے شریعت کے پابند رہو ظاہراً اور باطناً اور اللہ اللہ کرو اور کبھی کبھی اہل اللہ کی صحبت میں جایا کرو اور جو وہ کتابیں کہیں ان کو پڑھا کرو۔ جی یہ چار چیزیں ہیں، میں ٹھیکہ لیتا ہوں ان چار چیزوں پر جو عمل کر کے دکھائے وہ وہ **يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ** یعنی اللہ تعالیٰ بھی ان سے محبت کریں گے وہ بھی اللہ تعالیٰ سے محبت کرے گا اس کا مصداق ہوجائے گا یعنی اللہ تعالیٰ کا محبوب اور محبّ ہوجائے گا ضرور ہوجاوے گا ضرور بالضرور ہوجاوے گا۔ اب اختیار ہے جو چاہے عمل کر کے دیکھ لے اور تجربہ کر لے۔ ذرا اندازہ کریں حکیم الامتؒ نے کس قدر وثوق سے حق تعالیٰ کی

محبت کے حصول کی تدبیر ارشاد فرمائی ہے۔ اب جب یہ تدبیر معلوم ہوگئی تو اسکی ناقدری سے بچیں کیونکہ ناقدری سے وبال کا اندیشہ ہے۔ دعا کر لیجئے اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین